عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

24

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
مُلتان

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۵

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

پرسیدنِ بادشاہ قاصداً ایاز را کہ چندیں غم و شادی با چارق

بادشاہ کا ایاز سے قصداً دریافت کرنا کہ رنج اور خوشی کی اس قدر باتیں تو چپل

و پوستین کہ جمادست بچہ میگوئی تا ایاز را در سخن در آرد و

اور پوستین سے جو کہ بے روح ہیں کیوں کرتا ہے؟ تاکہ ایاز سے بات کہلائے

سوالِ سلطان ازو

اور بادشاہ کا اُس سے دریافت کرنا

اے[۵۲] ایاز ایں مہرہا بر چارقے ‏ ‏ چیست آخر ہمچو بر بُت عاشقے

اے ایاز! چپل سے اس قدر محبتیں ‏ ‏ آخر کیوں ہیں! جیسا کہ بُت پر عاشق

ہمچو مجنوں از رُخ لیلیٰ خویش ‏ ‏ کردۂ تو چارقے را دین و کیش

مجنوں کی طرح اپنی لیلیٰ کے رُخ کو ‏ ‏ تُو نے چپل کو دین اور مذہب بنا لیا ہے

با[۵۳] دو کہنہ مہرِ جاں آمیختہ ‏ ‏ ہر دو را در حجرہ آویختہ

دو پُرانی چیزوں سے جان کی محبت وابستہ کر لی ہے ‏ ‏ دونوں کو حجرے میں ٹکا لیا ہے

چند گوئی با دو کہنہ تو سخن ‏ ‏ در جمادے می دمی سرِّ کہن

تو دو پُرانی چیزوں سے کتنی باتیں کرے گا! ‏ ‏ تو پُرانا راز پتھر میں پھونکتا ہے

چوں[۵۴] عرب با ربع و اطلالِ ایاز ‏ ‏ میکشی از عشق گفتِ خود دراز

اے ایاز! عربوں کی طرح منزل اور ٹیلوں سے ‏ ‏ عشق کی وجہ سے تو بات کو لمبا کرتا ہے

چارقت ربع کدامیں آصف ست ‏ ‏ پوستیں گوئی قمیصِ یوسف ست

تیری چپل کونسے آصف کی منزل ہے؟ ‏ ‏ گویا پوستین یوسفؑ کی قمیص ہے

ہمچو ترسا کو شمارد با کشش ‏ ‏ جرمِ یکسالہ زنا و غل و غش

عیسائی کی طرح جو پادری کے سامنے گنتا ہے ‏ ‏ ایک سال کے زنا اور کھوٹ اور دھوکے کے جرم

تا بیامرزد[۵۵] کشیشش آں گناہ ‏ ‏ عفو او را عفو داند از الٰہ

تاکہ پادری اس کا وہ گناہ بخش دے ‏ ‏ اسکے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کرنا سمجھتا ہے

نیست آگہ آں کشیش از جرم و داد ‏ ‏ لیک بس جادوست عشق و اعتقاد

وہ پادری جرم اور انصاف سے واقف نہیں ‏ ‏ لیکن عشق اور اعتقاد بہت بڑا جادو ہے

دوستی در وہم صد یوسف تند ‏ ‏ اسحر از ہاروت و ماروتست خود

عشق، وہم میں سینکڑوں یوسف بنا لیتا ہے ‏ ‏ وہ خود ہاروت اور ماروت سے زیادہ جادوگر ہے

پرسید

یہاں سے مولانا نے محمود و ایاز کا نامام قصہ دوبارہ شروع کیا ہے۔ ایاز۔ ایاز کوٹھری میں جا کر اپنے پُرانے چپلوں اور پوستین سے باتیں کرتا تھا۔

[۵۲] اے ایاز۔ محمود نے ایاز سے کہا کہ تو اپنی چپل کا عاشق کیوں ہے؟ جس طرح مجنوں نے لیلیٰ کو اپنا دین و مذہب بنایا تھا تو نے چپل کو بنا لیا ہے۔ دو کہنہ۔ یعنی پُرانی چپل اور پوستین۔ چند گوئی۔ ایاز اپنی چپل اور پوستین سے اپنی غربت اور بے کسی کے سابق واقعات دہراتا تھا۔

[۵۴] چوں عرب۔ عربی شعراء اپنے اشعار میں محبوبہ کی منزل اور اُس کے پڑاؤ کے ٹیلوں کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ ربع۔ موسم ربیع گذارنے کا مکان مطلقاً مکان۔ اطلال۔ طلل کی جمع ہے، ٹیلہ۔ آصف۔ ابن برخیا حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے یہاں مطلقاً سردار مراد ہے۔ قمیص۔ حضرت یوسفؑ کی قمیص سے حضرت یعقوبؑ بینا ہو گئے تھے۔۔۔

[۵۵] کشش۔ کشیش، قسیس نصرانی عالم نیست۔ نصرانی عالم سے گناہ کا تعلق نہ معاف کرنے کا لیکن نصرانی کا عشق اور اعتقاد یہ سب کچھ اُس سے کراتا ہے دوستی، عشق، محبت عاشق کے ذریعہ معشوق میں حضرت یوسفؑ سے سو گنا حسن دکھا رہا ہے۔ اسحر۔ زیادہ جادوگر۔ صورتے عشق معشوق کی فرضی تصویر سامنے کرتا

ہمچو ترسا۔ نصاریٰ اپنے پیشواؤں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اُن کے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کر دینا سمجھتے ہیں۔ کشش۔ کشیش۔

صورتے پیدا کُند بر یادِ اُو
وہ (عشق) اُسکی یاد پر ایک صورت پیدا کر دیتا ہے

جذبِ صورت آردت در گفتگو
صورت کی کشش تجھے گفتگو پر آمادہ کر دیتی ہے

رازگوئی پیشِ صورت صد ہزار
تو صورت کے سامنے ہزاروں راز بیان کرتا ہے

آنچناں کہ یار گوید پیشِ یار
جس طرح دوست، دوست کے سامنے بیان کرتا ہے

نے بدانجا صورتے نے ہیکلے
نہ وہاں کوئی تصویر ہے، نہ بُت

زادہ از وے صد الست و صد بلے
اس (عشق) سے سینکڑوں سوال جواب پیدا ہو جاتے ہیں

آں چناں کہ مادرِ دل بُردہ
جیسا کہ غمگین ماں

پیشِ گورِ بچۂ نو مُردہ
نئے مرے ہوئے بچہ کی قبر کے سامنے

رازہا گوید بجِدّ و اجتہاد
کوشش اور محنت سے راز کہتی ہے

می نماید زندہ اُو را آں جماد
وہ بے روح اُس کو زندہ نظر آتا ہے

حیّ و قائم داند اُو آں خاک را
وہ اُس مٹی کو زندہ اور قائم سمجھتی ہے

خوش نگر ایں عشقِ ساحرناک را
اِس جادوگر عشق پر غور کرے

پیشِ اُو ہر ذرّہ آں خاکِ گور
اُس کے نزدیک۔ قبر کی مٹی کا ہر ذرہ

گوش دارد ہوش دارد وقتِ شور
شور کے وقت کان رکھتا ہے، ہوش رکھتا ہے

مستمع داند بجِد آں خاک را
وہ واقعی طور پر اُس مٹی کو سننے والا سمجھتی ہے

چشم و گوشے داند اُو خاشاک را
وہ مٹی کے کان اور آنکھ سمجھتی ہے

آں چناں بر خاکِ گورِ تازہ اُو
وہ نئی قبر کی مٹی پر اِس طرح

دمبدم خوش می نہد با اشک رُو
لمحہ بہ لمحہ اشک آلود چہرہ مستعدی سے رکھتی ہے

کہ بوقتِ زندگی ہرگز چناں
کہ زندگی کے وقت اِس طرح کبھی بھی

رُوئے ننہادہ است بر پُور چو جاں
جان جیسے بیٹے پر چہرہ نہیں رکھا

از عزا چوں چند روزے بگذرد
جب سوگ کے چند روز گزر جائیں

آتشِ آں عشقِ اُو ساکن شود
اُس کی محبت کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے

عشق بر مُردہ نباشد پائدار
مُردے سے عشق پائدار نہیں ہوتا ہے

عشق را بر حیِّ جاں افزائے دار
زندہ، جان بڑھانے والے سے عشق کر

بعد ازاں زاں گور خود خواب آیدش
اس کے بعد خود اُس کو اُس قبر سے نیند آنے لگتی ہے

از جمادے ہم جمادی زایدش
اُس بے روح سے بے حسی پیدا ہو جاتی ہے

زانکہ عشق افسونِ خود بربود و رفت
کیونکہ عشق اپنا منتر لے گیا اور چل دیا

ماند خاکستر چو آتش رفت تفت
جب آگ تیزی سے جل گئی، راکھ رہ گئی

لے راز۔ عاشق اپنے درد کے سینکڑوں راز اُس فرضی تصویر سے اِس طرح بیان کرتا ہے جیسا کوئی دوست دوست سے بیان کرے۔ نے۔ نفس الامر میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ عاشق کی فرضی تصویر سے سینکڑوں سوال و جواب کرتا ہے۔ اَلست۔ یعنی عہد۔ بلیٰ یعنی اقرار۔ آنچناں۔ اگر کسی عورت کا بچہ مر جائے تو وہ اُس کی قبر سے باتیں کرتی ہے۔ حیّ۔ ماں کا عشق اُس بچہ کو زندہ اور تندرست دکھاتا ہے یہ بھی عشق کی جادوگری ہے۔

سے پیشِ اُو۔ ماں جب بچہ کی قبر پر جا کر نالہ و شیون کرتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ قبر کا ذرہ ذرہ سن رہا ہے۔ مستمع۔ یہ بھی سمجھتی ہے کہ قبر کی مٹی کے آنکھ اور کان بھی ہیں اور قبر سے اِس طرح چمٹتی ہے کہ بچہ سے زندگی میں بھی کبھی نہ چمٹی ہوگی۔

سلہ از عزا۔ سوگ، مصیبت، صبر یعنی چند دن کے اندر وہ جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ عشق۔ مولانا فرماتے ہیں یہ اُس عشق کی کیفیت ہے جو مُردے سے ہو۔ خدا کے عشق کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی ہے۔ بعد ازاں۔ پھر دن بعد یہ حالت ہوتی ہے وہ ماں بچہ کی قبر کے پاس آکر آرام سے سو جاتی ہے۔ زانکہ۔ وہ اُس کی حالت عشق کی جادوگری تھی عشق ختم ہوا تو آگ ختم ہو کر راکھ رہ گئی۔ آنچہ۔ جمادی سے مراد وہ شخص ہے جو حقائق تک نہ پہنچا ہو اور ہم سے مراد حضرت حق تعالیٰ کی جانب

آنچه بیند آں جواں در آئینه ۔۔۔ پیر اندر خشت بیند آں همه

جوان جو کچھ آئینہ میں دیکھتا ہے ۔۔۔ پیر اینٹ میں وہ سب کچھ دیکھتا ہے

پیر[2] عشقِ تست نے ریشِ سپید ۔۔۔ دستگیرِ صد ہزاراں نا امید

عشق تیرا پیر ہے، نہ سفید داڑھی ۔۔۔ جو لاکھوں مایوسوں کا دستگیر ہے

عشق صورتہا بسازد در فراق ۔۔۔ تا مصور سر کند وقتِ تلاق

عشق، جدائی میں تصویر بناتا ہے ۔۔۔ یہاں تک کہ ملاقات کے وقت تصویر رُونما ہو جاتی ہے

کہ منم آں اصلِ اصلِ ہوش و مست ۔۔۔ بر صورہا عکسِ حسنِ ما بدست

کہ ہوش اور مست کا اصلِ اصول میں ہوں ۔۔۔ صورتوں پر ہمارے ہی حسن کا عکس تھا

پردہا را ایں زماں برداشتم ۔۔۔ حسن را بے واسطہ بفراشتم

اب میں نے پردے اٹھا دیے ہیں ۔۔۔ میں نے حسن کو بے واسطہ جلوہ گر کر دیا ہے

زانکہ[3] بس با عکسِ من دریافتی ۔۔۔ قوتِ تجریدِ ذاتم یافتی

کیونکہ تو نے مجھے عکس کے ساتھ بہت پا لیا ہے ۔۔۔ (اب) تو نے میری ذات کو مجرد کرنے کی قوت حاصل کر لی ہے

چوں ازیں سو جذبۂ من شد رواں ۔۔۔ او کشش را می نہ بیند در میاں

جب اس جانب سے میرا جذبہ روانہ ہوا ۔۔۔ وہ کشش کو درمیان میں نہیں دیکھتا ہے

مغفرت[4] میخواہد از جرم و خطا ۔۔۔ از پسِ آں پردہ از لطفِ خدا

وہ جرم اور خطا کی معافی چاہتا ہے ۔۔۔ خدا کی مہربانی سے اس پردے کے بعد

چوں ز سنگے چشمہ جاری شود ۔۔۔ سنگ اندر چشمہ متواری شود

جب کسی پتھر سے چشمہ بہہ پڑتا ہے ۔۔۔ پتھر چشمہ میں چھپ جاتا ہے

کس نخواند بعد ازاں آں را حجر ۔۔۔ زانکہ جاری شد ازاں سنگ آں گہر

اس کے بعد اس کو کوئی پتھر نہیں کہتا ۔۔۔ کیونکہ اس پتھر سے وہ موتی بہہ پڑا ہے

کاسہا[5] داں ایں صورہا واندرو ۔۔۔ آنچہ حق ریزد بداں گیرد غلو

ان شکلوں کو پیالے سمجھ اور ان میں ۔۔۔ حق تعالیٰ جو ڈالتا ہے اس سے وہ سربلندی حاصل کرتی ہیں

وہ شخص ہے جس کو حق کا کشف حاصل ہو گیا ہو پہلے نمبر [illegible] تھا کہ عشق حی و قیوم سے کرو اب فرماتے ہیں کہ جس کو یہ عشق حاصل ہو جاتا ہے اس کو کشفی علوم ہو جاتے ہیں اس کے کشف کی حالت یہ ہوتی ہے کہ لوہے سے آئینہ بننے کے بعد جو جو کچھ اس میں نظر آتا ہے اس کو لوہے کی اینٹ میں بھی نظر آ جاتا ہے۔

۲ پیر: پہلے شعر میں پیر کا لفظ آیا تھا اس کی تشریح کرتے ہیں کہ پیر سے مراد عشق ہے سفید داڑھی والا مراد نہیں ہے۔ عشق: یہ عشق کی کارفرمائیاں ہیں کہ فراق کی حالت میں معشوق کی شکل دکھاتا ہے پھر ملاقات کے وقت صاحبِ تصویر سامنے آ جاتا ہے ابتدا میں سالک صورتوں سے دوچار ہوتا ہے پھر ذات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں جب ذات

۴ مغفرت: حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیک لوگوں کے حسنات مقربینِ بارگاہ کے اعتبار سے سیئات ہیں۔ پہلے چونکہ عبادت میں احسان کا اعلیٰ درجہ نہ تھا اس نے مشاہدہ کے بعد اس عبادت پر معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ چوں ز سنگے۔ جذب کشش کے ختم ہونے کی یہ مثال ہے کہ جس پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور وہ پتھر پانی میں ڈوب جاتا ہے تو لوگ اس کو بھول جاتے ہیں اور اب لوگ اس کو پتھر نہیں کہتے بلکہ پانی کا چشمہ کہتے ہیں۔

۵ کاسہا۔ عبادت میں ابتدائی صور کے مشاہدہ کو بمنزلہ پیالوں کے سمجھا گیا ہے

کا مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں سب کی اصل ہوں اور صورتوں پر میرا عکس پڑ گیا تھا اب میں نے پردے اٹھا دیے ہیں اور بغیر کسی واسطے کے حسن کا مشاہدہ کرا دیا ہے۔ ۳ زانکہ۔ عکس میں مشاہدہ کے بعد پھر درجۂ فنا میں یہ طاقت ہو جاتی ہے کہ وہ بغیر مثال کے مشاہدہ کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ صوفیا کے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ احسان یہ ہے کہ تو عبادت اس طریقہ پر کر گویا تو ذات کا مشاہدہ کر رہا ہے مگر تو اپنی ہستی بالکل فانی ہو گیا تو اس ذات کو دیکھے گا وہ بیشک تجھے دیکھتا ہے [illegible] اگرچہ [illegible] ہے پھر اس مشاہدہ [illegible] جذب و کشش [illegible] ہے [illegible] جذب کشش [illegible]

شرح یہاں سے مولانا قصۂ ایاز کی طرف پھر رجوع فرماتے ہیں جو کہ ربع ثانی میں گذر چکا ہے اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ایاز سے دریافت کیا کہ اے ایاز! تیری جوتیوں سے ایسی محبت! جیسے کہ کوئی معشوق پر عاشق ہوتا ہے کیوں ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے تو نے تو ان لیتروں کو یوں اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے جیسے مجنون نے رخ لیلیٰ کو۔ کہ تو نے ان سے بجان و دل محبت کر کے ان کو اپنے حجرہ میں لٹکا رکھا ہے آخر یہ بات کیا ہے۔ آخر تو ان پرانے لیتروں سے کب تک گفتگو کرتا رہے گا اور ایک بے حس و حرکت شے سے کب تک اپنے اسرار بیان کرتا رہے گا۔ جس طرح عرب منازلِ محبوب اور اسکی کھنڈروں سے گفتگو کیا کرتے ہیں۔ تو اپنی عشق کی بنا پر ان سے گفتگو کو طول دیتا ہے تو بتلا تو سہی یہ تیرے لیترے کس باعظمت شخص کی یادگار ہیں اور تیرا پوستین کس یوسف کا کرتہ ہے تیری حالت تو ایسی ہے جیسے کوئی نصرانی جو کہ اپنے پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے گناہوں زنا، چوری اور دیگر نقصانات کو بیان کرتا ہو۔ تاکہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ وہ اسلئے کرتا ہے کہ وہ اس کی معافی کو خدا کی معافی سمجھتا ہے حالانکہ اسکو نہ اسکی نیکیوں کی خبر ہوتی ہے نہ بدیوں کی۔ مگر عشق و اعتقاد بُری بلائیں وہ اسکو عالم الغیب وغیرہ ظاہر کرتے ہیں اور اسکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اسکے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اسکی معافی کا خواستگار ہو ــــ بات یہ ہے کہ محبت عجیب چیز ہے کہ یہ ایک نہایت ہی مکروہ شے کو خیال میں سینکڑوں یوسفوں کے برابر حسین ظاہر کرتی ہے اور وہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے اور ان سے زیادہ اشیائے غیر واقعیہ کو واقعیہ دکھلاتی ہے۔ محبت محبوب کے خیال میں تمہارے سامنے ایک صورت بنا دیتی ہے اور وہ صورت اپنی کشش سے تمہیں گویا کرتی ہے۔ بنا بریں تم اُس صورت کے سامنے لاکھوں اسرار یوں بیان کرتے ہو جیسے عاشق اپنے معشوق کے سامنے کیا کرتا ہے حالانکہ نہ وہاں واقع میں کوئی صورت ہوتی ہے نہ جسم۔ اور اسکی تمہارے خیال میں سینکڑوں سوالات مع جوابات پیدا ہوتے ہیں اور تم اُسے واقع میں سائل اور مجیب سمجھتے ہو۔ اور تم اسکی یوں سوال و جواب کرتے ہو جیسے کہ

ایک مادرِ مشفقہ اپنے عنقریب مرے ہوئے بچے کی گور پر گیا کرتی ہے وہ وہاں جاکر اپنی پوری کوشش سے اسرار بیان کرتی ہے اور وہ بے حس و حرکت شے اُسے زندہ معلوم ہوتی ہے اور وہ اس خاک کو حی و قائم سمجھتی ہے۔ اب تم اس جادوگر عشق کی حالت کو غور سے دیکھو کہ یہ کیا جادو کرتا ہے اور کس طرح آدمی کی عقل کو معطل اور وہم کو غالب کرتا ہے۔ اس ماں کے نزدیک قبر کی مٹی کا ہر ذرہ اُسکی آہ و زاری کے وقت سامع اور فہیم ہوتا ہے اور وہ واقع میں اس خاک کو سامع سمجھتی ہے اور اس خاشاک کو وہ ہمہ تن چشم و گوش جانتی ہے۔ بنابریں وہ اپنے بچہ کی نئی قبر کی مٹی پر رو کر یوں متوجّہ ہوتی ہے کہ اُسنے اس کی زندگی کی حالت میں اس کیطرف کبھی یوں توجہ نہ کی تھی۔ لیکن جب اس سانحہ کو کچھ دن ہو جاتے ہیں تو اسکے عشق کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور یہ شور و شر اور غلبۂ خیال سب رفو چکر ہو جاتا ہے!

پس تم اس واقعہ سے سبق لو اور سمجھو کہ مُردوں (خواہ حالاً مُردے ہوں یا مآلاً) کا عشق قائم نہیں رہتا۔ پس تم ان سے دل نہ لگاؤ اور اس سے لو لگاؤ جو آئندہ رہے گا۔ نہ صرف خود ہی زندہ رہے گا۔ بلکہ تمہارے اندر حیات بڑھائے گا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سمجھو! کہ جب اس سانحہ کو زیادہ دن ہو جاتے ہیں تو ماں پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اس جماد سے اس میں جمادیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بے حس ہو جاتی ہے کیونکہ یہ شور و شر عشق کا اثر تھا۔ عشق اپنا کرشمہ دِکھلا گیا اور چلتا ہُوا۔ اور جب آگ جاتی رہے تو اب ٹھنڈی راکھ رہ گئی۔

اب سمجھو! کہ جوان (ناتجربہ کار) جس چیز کو آئینہ میں دیکھتا ہے (پیر و تجربہ کار) اسکو اسی وقت دیکھ لیتا ہے جبکہ آئینہ مکمل بھی نہیں ہوتا یعنی ناقصین تو عشق فانیات کی برائی اس کے زوال کے بعد معلوم ہوتی مگر اہلِ کمال کو اس کا قبح اسکے وجود سے معلوم ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ فانیات سے دل ہی نہیں لگاتے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر آگے بمناسبت پیر اندر خشت بلند الخ ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل پیر تو تمہارا عشق ہے جو کہ سینکڑوں نا امیدوں کی دستگیری کرتا اور ان کو مطلوبِ حقیقی تک پہنچاتا ہے نہ کہ

سفید ڈاڑھی والا شخص۔ پس تم عشق حق سبحانہٗ اختیار کرو۔ یاد رکھو کہ عشق حقیقی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تک محبوب حقیقی تک رسائی نہیں ہوتی اس وقت تک تو وہ مطلوب حقیقی کو طالب کے سامنے مختلف صورتوں میں جلوہ گر کرتا ہے (جو کہ اس لئے ایسے ہوتے ہیں جیسے نصاریٰ کے لیے قسّیسین) یہاں تک کہ ایک وقت اس کو وصال ہوتا ہے اور مطلوب حقیقی جس کی صورتیں اس نے اپنے خیال میں تراش رکھی تھیں۔ اس کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ہوش اور بے ہوشی کی اصل الاصل میں ہوں۔ اور ان صورتوں میں جس قدر بھی حسن ہے وہ میرے ہی حسن کا پرتو ہے اب میں نے حجابات اٹھا دیئے ہیں اور تمہارے سامنے حسن کو بے پردہ جلوہ گر کر دیا ہے چونکہ تم میرے خیال میں اپنی خیالی صورتوں پر بہت کچھ عاشق رہ چکے ہو۔ اسلئے اب تمہارا عشق پختہ ہو گیا ہے اور میری ذات مجردہ کے مشاہدہ کی استعداد تم میں پیدا ہو گئی ہے۔

لو اب دیکھو! القصہ جب جذبۂ حق سبحانہٗ اپنا کام کرتا ہے تو پھر وہ اپنے صُوَرِ خیالیہ کو جو کہ غیریت حق سبحانہٗ فی الواقع اور الوہیت فی الخیال میں بمنزلہ قسیسین کے تھیں۔ درمیان سے اُٹھ جاتی ہیں اور طالب ان کو درمیان میں نہیں دیکھتا اس وقت وہ رفع حجابات کے بعد براہِ راست حق سبحانہٗ سے اپنے جرائم کی معافی چاہتا ہے جیسا کہ اس سے قبل وہ ان صور خیالیہ سے چاہتا تھا جو کہ اس کے لیے بمنزلہ قسیسین کے تھیں۔

اب ہم ایک شُبہ کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں۔ تقریر شُبہ یہ ہے کہ جب یہ عاشق قبل وصال صور غیر خدا کی پرستش کرتا تھا تو اس کو مُشرک ہونا چاہیئے یہ تو شبہ تھا اب ہم جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کسی پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور وہ پتھر اس میں مستور ہو جاتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں پتھر کہتا۔ بلکہ چشمہ کہتے ہیں کیونکہ اس سے پانی جاری ہو گیا ہے جس نے اُسے چُھپا لیا ہے۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ صُوَرِ خیالیہ تو بمنزلہ پیالے کے ہے۔ حق سبحانہٗ ان میں جس قدر اپنا حُسن ڈالتے ہیں اس سے ان کے

علو مرتبت حاصل ہوتا ہے اور اسی حسن کی بنا پر وہ مطلوب ہوتے ہیں نہ کہ من حیث ھی ھی اور اس حیثیت سے وہ غیر خدا نہیں ہیں۔

[فائدہ: اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مشرکین کی طرف سے بھی یہی جواب ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ جواب نہیں ہو سکتا وجہ اسکی یہ ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ ذات حقہ حقیقیہ کی پرستش کی جائے اور کسی ایسی شے کی پرستش نہ ہو جس میں یہی وجہ بھی غیریت ہو اسی لیے حق سبحانہ نے پرستش اغیار کی ممانعت فرمائی ہے۔ مگر حق سبحانہ کی صور خیالیہ سے ناقصین کے لیے احتراز ناممکن تھا و لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها۔ بنا بریں اس نے اپنے صور خیالیہ کے پرستش کو اپنی پرستش قرار دیا اور ان کو معذور سمجھا۔ اور بتوں وغیرہ کی پرستش سے اجتناب ممکن تھا اسلیے ان کی پرستش کی ممانعت علیٰ حالہا باقی رہی اور عبدۃ اصنام کو معذور نہ قرار دیا۔ واللہ اعلم)

گفتنِ خویشاوندانِ مجنوں را کہ حسنِ لیلیٰ باندازہ ایست،
رشتہ داروں کا مجنوں سے کہنا کہ لیلیٰ کا معمولی حسن ہے زیادہ نہیں ہے حالانکہ

چنداں نیست از و نغز تر در شہرِ ما بسیار ست یکے و دو و دہ
شہر میں اس سے بہتر بہت ہیں ہم ایک اور دو اور دس

بر تو عرضہ کنیم اختیار کُن و ما را و خود را وا رہاں و جواب
تیرے سامنے پیش کرتے ہیں تو ان میں سے پسند کرلے اور ہمیں اور اپنے آپ کو نجات دے

گفتنِ مجنوں ایشاں را
اور ان کا مجنوں کو جواب دینا

ابلہاں گفتند مجنوں را ز جہل
بیوقوفوں نے نادانی سے مجنوں سے کہا

حسنِ لیلیٰ نیست چنداں ہست سہل
لیلیٰ کا حسن زیادہ نہیں ہے، معمولی ہے

بہتر از وے صد ہزاراں دلربا
اس سے زیادہ حسین لاکھوں معشوق

ہست ہمچوں ماہ اندر شہرِ ما
ہمارے شہر میں چاند جیسے ہیں

نازنیں تر زو ہزاراں حور وش
ہزاروں حوروں جیسے اس سے زیادہ ناز و انداز والے

ہست بگزیں زاں ہمہ یکیار خوش
موجود ہیں، ان سب میں ہر ایک حسین یار منتخب کرلے

گفتنِ
مجنوں کی ایس گفتگو سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ بحالت ظاہر کے شعر کے اعتبار سے نام اور رنگ اختیار کرتے ہیں۔
اقتباس کچھ بیوقوفوں نے مجنوں کو ملامت کرنی شروع کردی اور کہا کہ لیلیٰ کا معمولی حسن ہے تو اس پر اس قدر فریفتہ کیوں ہے سہل بمعنی معمولی۔
سلے نازنیں۔ دوسرے معشوق ناز و انداز اور حسن میں لیلیٰ سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

دَارہاں خود را و مارا نیز ہم
اپنے آپ کو اور ہمیں بھی نجات دے

از چنیں سودای زشتِ مُتّہم
ایسے بُرے مُتّہم عشق سے!

گفت صورت کوزہ است و حُسن مے
اُس نے کہا صورت پیالہ ہے اور حُسن شراب ہے

مے خدایم میدہد از ظرفِ وے
مجھے اُس کے پیالے سے خدا شراب پلاتا ہے

مرشمارا[1] سرکہ داد از کوزہ اش
اُس کے پیالے سے تمہیں سرکہ دیا ہے

تا نباشد عشقِ اُوتاں گوش کش
تاکہ اُس کا عشق تمہارے کان نہ کھینچے

از یکے کوزہ دہد زہر و عَسَل
ایک ہی پیالے سے زہر اور شہد

ہر یکے را دستِ حق عزّ و جل
اللہ تعالےٰ کا ہاتھ ہر ایک کو عطا کرتا ہے

کوزہ می بینی ولیکن آں شراب
تو پیالہ دیکھتا ہے، لیکن وہ شراب

رُوی ننماید بچشمِ ناصواب
غلط آنکھ کو چہرہ نہیں دکھاتی ہے

قاصراتُ الطّرف باشد ذوقِ جاں
طبیعت کا ذوق نظر کو روکنے والیوں میں سے ہے

جُز بخصمِ خویش ننماید نشاں
اپنے اہل کے سوا چہرہ نہیں دکھاتا ہے

قاصراتُ الطّرف باشد آں مُدام[2]
وہ شراب نظر کو روکنے والیوں میں سے ہے

دیں حجابِ ظرفہا ہمچوں خیام
اور یہ پیالوں کا پردہ خیموں کی طرح ہے

ہست دریا خیمۂ در وَے حیات
دریا ایک خیمہ ہے، اُس میں زندگی ہے

بَط را لیکن کلاغاں را مَمات
بطخ کی، لیکن کوّوں کی موت ہے

زہر باشد مار را ہم قُوت و برگ
زہر سانپ کی روزی بھی ہے اور ساز و سامان بھی

غیرِ اُو را زہرِ اُو درد و مرگ
اُس کے غیر کے لئے اُس کا زہر درد اور موت ہو

صورتِ ہر نعمتے و محنتے
ہر نعمت اور محنت کی صورت

ہست ایں را دوزخ آں را جنّتے
اِس کے لئے دوزخ ہے، اُس کے لئے جنت ہے

پس ہمہ اجسام اشیا تُبصِرُون
پس تم تمام چیزوں کے جسم دیکھتے ہو

اندرو قُوت ست و سم لا تُبصِرُون
اُن کے اندر روزی ہے اور زہر، تم نہیں دیکھتے ہو

ہست ہر جسمے چو کاسہ و کوزہ
ہر جسم پیالے اور کٹورے کی طرح ہے

اندرو ہم قُوت و ہم دل سوزہ
اُس میں روزی بھی ہے اور دل کا جلاوا بھی

کاسہ پیدا اندرو پنہاں رَغَد
پیالہ ظاہر ہے اُس میں خوش عیشی پوشیدہ ہے

طاعمش داند کزاں چہ می خورد
اُس کا کھانے والا جانتا ہے کہ اُس میں سے کیا کھاتا ہے

صورتِ یوسفؑ چو جامے بود خوب
(حضرت) یوسفؑ کی صورت ایک عمدہ جام تھی

زاں پدر می خورد صد بادہ طرب
باپ اُس سے سیکڑوں مست کرنے والی شرابیں پیتے تھے

داراہاں۔ تو دوسرے شہر اور قبیلہ کی لڑکی پر عاشق ہے جس کی وجہ سے تو اور سارا خاندان بدنام ہو رہا ہے۔ گفت۔ مجنوں نے کہا کہ لیلیٰ کی صورت تو ایک پیالہ ہے اور اُس سے خدا اپنی شراب مجھے پلا رہا ہے۔

[1] مرشمارا۔ اسی پیالہ سے تمہیں سرکہ مسترا کیا ہے تاکہ تمہیں اُس کے عشق کی فضیلت حاصل نہ ہو۔ از یکے۔ یہ عجائب قدرت میں سے ہے کہ قدرت ایک ہی پیالہ سے کسی کو زہر اور کسی کو شہد پلاتی ہے۔ کوزہ۔ تم لوگوں کو صرف صورت اور کوزہ نظر آرہا ہے چونکہ تمہاری نظریں صحیح نہیں ہیں تمہیں وہ شراب نظر نہیں آرہی ہے..... قاصراتُ الطرف جنتی حوروں کے بارے میں مذکور ہے... فیھن قاصراتُ الطرف اور مذکور ہے حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام یعنی وہ حوریں بجز شوہروں کے کسی دوسرے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتی ہیں یہی حال عشق کا ہے وہ اہل کی طرف متوجہ ہوتا ہے خصم۔ یعنی صاحبِ اہل۔

[2] مُدام یعنی شرابِ عشق۔ حوریں خیموں کے اندر رہتی ہیں باہر نہیں نکلتی ہیں اس شرابِ عشق کے لئے برتن بمنزلہ حوروں کے خیموں کے ہیں۔ ہست دریا۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز کسی شخص کے اعتبار سے مفید ہے کسی کے اعتبار سے مضر ہے۔ دریا بطخ کے لئے ذریعۂ حیات ہے اور کوّے کی موت کا سبب ہے۔ زہر۔ سانپ کا زہر سانپ کے لئے زندگی کا اور

زہر چھپا ہوا ہے جس کو تم نہیں دیکھ پاتے ہو۔ ہر جسم کو اسی طرح سمجھو کہ کاسہ ظاہر ہوا ہے اس کے باطن میں نعمت ہے جس کا نتیجہ استعمال کرنے والا دیکھے گا۔ زاں کہ دست میں صورت حضرت یوسفؑ کی صورت ایک

بازِ خواں را ازاں زہراب بُود
پھر بھائیوں کے لئے اُس میں زہریلا پانی تھا

کاندرایشاں زہرِ کینہ میفزُود
جوان کے اندر کینے کا زہر بڑھا را تھا

بازؔ از وے مر زلیخا را شکر
پھر اُس میں سے زلیخا کے لئے شکر

می کشید از عشق افیونِ گر
عشق کے ذریعہ دوسری افیون نکالتی تھی

غیرِ آں چہ بُود مر یعقوبؑ را
اُس کے سوا جو (حضرت) یعقوبؑ کے لئے تھی

بُود از یوسفؑ غذا آں خوب را
اُس حسین کے لئے یوسفؑ میں سے غذا تھی

گونہ گونہ شربت و کوزہ یکے
طرح طرح کی شرابیں ہیں اور پیالہ ایک ہے

تا نماند در مے غیبت شکے
تاکہ تجھے غیب کی شراب میں شک نہ رہے

بادہ از غیبت و کوزہ زیں جہاں
شراب غیب کی ہے اور پیالہ اِس جہان کا ہے

کوزہ پیدا بادہ در وے بس نہاں
پیالہ ظاہر ہے اُس میں شراب بہت مخفی ہے

بسؔ نہاں از دیدۂ نامحرماں
نامحرموں کی آنکھ سے بہت پوشیدہ ہے

لیک بر محرم ہویدا و عیاں
لیکن محرم پر ظاہر اور کھلی ہوئی ہے

یا الٰہی سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا
اے میرے خدا ہماری بینائیاں مدہوش کر دی گئی ہیں

فَاعْفُ عَنَّا اُثْقِلَتْ اَوْزَارُنَا
ہمیں معاف کر، ہمارے (گناہوں کے) بوجھ بھاری ہو گئے ہیں

یَا خَفِیًّا قَدْ مَلَاْتَ الْخَافِقَیْن
اے پوشیدہ! تو نے مشرق و مغرب کو پُر کر دیا ہے

قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُوْرِ الْمَشْرِقَیْن
تو دونوں مشرقوں کے نور سے بڑھ گیا ہے

اَنْتَؔ سِرٌّ کَاشِفٌ اَسْرَارَنَا
تو راز ہے، ہمارے بھیدوں کو کھولنے والا ہے

اَنْتَ فَجْرٌ مُّفْجِرٌ اَنْهَارَنَا
تو صبح کا سفیدہ ہے، ہماری نہروں کو جاری کرنے والا ہے

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوْسَ الْعَطَا
اے مخفی ذات والے، محسوس عطا والے

اَنْتَ کَالْمَاءِ وَ نَحْنُ کَالرَّحَا
تو پانی کی طرح اور ہم پن چکی کی طرح ہیں

اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَ نَحْنُ کَالْغُبَار
تو ہوا کی طرح، اور ہم غبار کی طرح ہیں

تَخْتَفِی الرِّیْحُ وَ غَبْرَاہُ جِهَار
ہوا پوشیدہ رہتی ہے اور اُس کا غبار ظاہر ہے

تو بہاری ما چو باغِ سبز و خوش
تو موسم بہار ہے ہم سبز اور خوش باغ کی طرح ہیں

اُو نہان و آشکارا بخشش
وہ پوشیدہ اور اُس کی عطا کھلی ہوئی ہے

تو چو جانے ما مثالِ دست و پا
تو جان کی طرح ہے ہم ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہیں

قبض و بسط دست از جاں شُد روا
ہاتھ کا بند ہونا اور کھلنا، جان سے ممکن ہوا

تو چوؔ عقلی ما مثالِ ایں زباں
تو عقل کی طرح ہے، ہم اِس زبان جیسے ہیں

ایں زباں از عقل دارد ایں بیاں
اِس زبان کو عقل سے بیان حاصل ہوا ہے

تو مثالِ شادی و ما خندہ ایم
کہ نتیجہ شادیِ فرخندہ ایم

---

[1] باز۔ پھر زلیخا کو جو یوسفؑ سے شراب ملی وہ اُس شراب کے علاوہ تھی جو حضرت یعقوبؑ نے پی۔ مرتب۔ یعنی زلیخا۔ گرتد۔ ایک پیالے سے مختلف قسم کی شرابیں حاصل ہوتی ہیں تاکہ غیبی شراب کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

[2] بس نہاں۔ پیالہ کی شراب نامحرموں سے پوشیدہ ہے۔ سُکِّرَتْ۔ بدمست کر دی گئی ہیں یعنی ہماری نگاہیں صحیح کام نہیں کر رہی ہیں۔ اَبْصَار۔ بصر کی جمع ہے، بینائی۔ اَوْزار۔ وزر کی جمع ہے، بوجھ، گناہ۔ یا خفیا۔ حضرت حق تعالیٰ کی ذات مخفی ہے لیکن کائنات کو محیط ہے۔ اَلْخَافِقَیْن۔ مشرق و مغرب۔ اَلْمَشْرِقَیْن۔ یعنی جاڑوں کے زمانے کی مشرق اور گرمیوں کے زمانے کی مشرق۔

[3] اَنْتَ۔ اے خدا تو مخفی اور راز ہے لیکن ہمارے راز تجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اَنْتَ الْخ۔ فجر۔ صبح کا سفیدہ، پانی کو جاری کرنا۔ رحا۔ پن چکی۔ غبرہ۔ غبار۔ تو بہاری۔ باغ کی بہار دراصل موسم بہار کی وجہ سے ہے۔ اُو نہاں۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے تَفَکَّرُوْا فِی اٰلَاءِ اللّٰہِ وَلَا تَتَفَکَّرُوْا فِی ذَاتِہٖ۔ اللہ کی نعمتوں میں غور کیا کرو اس کی ذات میں غور نہ کیا کرو۔ تو جو جانے جس طرح جان اور روح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں کے لئے وہ محرک ہے یہی صورت حضرت حق تعالیٰ اور کائنات کی ہے

[4] تو چو عقلی۔ زبان کو عقل گویا بناتی ہے۔ تو مثال جس

تو خوشی کی طرح ہے اور ہم جنسی ہیں — کیونکہ ہم مبارک خوشی کا نتیجہ ہیں

جنبشِ ما ہر دمے خود اَشہدست
ہماری حرکت ہر وقت خود بڑا گواہ ہے
کو گواہِ ذوالجلالِ سَرمدست
کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والے ذوالجلال کی گواہ ہے

گردشِ سَنگِ آسیا دَر اضطراب
پن چکی کے پتھر کی گردش، بے قراری میں
اَشہد آمد بَر وجودِ جُوئِ آب
نہر کے پانی پر بڑا گواہ ہی

اے[۱] بُروں از وہم و قال و قیلِ من
اے وہ! جو کہ میرے وہم اور بات چیت سے باہر ہو
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من
میری سر کی مانگ اور مثال دینے پر خاک

بندہ نشکیبد ز تصویرِ خوشت
تیرے حسین تصور پر بندہ صبر نہیں کرسکتا ہے
ہَر دَمے گوید کہ جانم مَفرشت
ہر لمحہ کہتا ہے کہ میری جان تیرا فرش ہو

ہمچو آں چوپاں کہ میگفت اے خدا
اس گڈریے کی طرح جو کہہ رہا تھا اے خدا!
پیشِ چوپانِ مُحبّ خود بیا
اپنے عاشق گڈریے کے سامنے آجا

تا شپشش جویم من از پیراہنت
تاکہ میں تیرے کپڑوں میں سے جوئیں پاؤں
چارقت دوزم بوسم دامنت
تیرا چپل سی دوں، تیرا دامن چوموں

کس[۲] نبودش در ہوا و عشق جُفت
محبت اور عشق میں کوئی اس جیسا نہ تھا
لیک قاصر بُود از تسبیح و گفت
لیکن تسبیح اور گفتگو میں کوتاہ تھا

عشقِ اُو خرگاہ بر گردوں زدہ
اس کے عشق نے آسمان پر خیمہ گاڑ رہا تھا
جاں سگِ خرگاہِ آں چوپاں شدہ
جان، اس گڈریے کے خیمہ کا کتا بن گئی تھی

چونکہ بحرِ عشقِ یزداں جوش زَد
جب اللہ (تعالیٰ) کے عشق کے سمندر نے جوش مارا
بر دلِ اُو زد تُرا بر گوش زَد
اس کے دل سے ٹکرایا، تیرے کان سے ٹکرایا

طرح مسکراہٹ خوشی کا نتیجہ ہے اسی طرح ہم سب حضرت حق تعالیٰ کی شئوں کے مظاہر ہیں۔ جنبش۔ ہماری حرکات حضرت حق تعالیٰ کے وجود کی گواہ ہیں۔ گردش۔ پن چکی کے پاٹ کی حرکت نہر کے پانی کے وجود کی گواہ ہے۔ اشہد۔ زیادہ گواہ۔

[۱] اے بروں۔ حضرت حق تعالیٰ کی ذات وہم و قیاس سے بالاتر ہے لہٰذا انکی کوئی مثال اس کے مطابق نہیں ہے۔ بندہ۔ مثالیں دینے کی مجبوری یہ ہے کہ بندہ محض تصور پر صبر نہیں کرتا ہے مزید وضاحت چاہتا ہے۔ ہمچو۔ حق تعالیٰ کے لئے مثالوں کی یہی حقیقت ہے جس طرح گڈریئے نے حق کی ذات کی تعبیر کی تھی شپش۔ جوں۔ چارق۔ چپل۔

[۲] کس نبودش۔ اس گڈریئے کی تعبیرات اگرچہ غلط تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اس کا عشق بے مثال تھا۔ عشق اُو کے عشق کا مقام مالیٰ بالا تھا اور جان جیسی معزز چیز اس کے خیمہ کا کتا بنی ہوئی تھی چونکہ۔ عشق کا اثر اس کے دل پر تھا تیرے صرف کان پر ہے۔

شرح

اب مولانا کا سہا دان این صور الخ کی مناسبت سے مجنون کا قصہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ احمقوں نے اپنی حماقت سے مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ کا حسن تو اس قدر نہیں ہے کہ اس کے لیے آدمی یوں دیوانہ ہو جائے وہ تو بہت معمولی ہے اس سے بہتر ہمارے یہاں سینکڑوں معشوق ہیں جو کہ حسن میں چاند کے مثل ہیں اور اس سے زیادہ نازنین ہزاروں حور وش ہیں تو ان میں سے کسی کو چھانٹ لے اور اس بے ہودہ جنون سے جو بدنامی کا باعث ہے اپنے کو بھی نجات

دے اور ہمیں بھی اس نے جواب دیا کہ صاحبو سُنو! صورت ایک پیالہ ہے اور حُسن شراب
خدا مجھے اسی کے پیالہ سے شراب پلاتا ہے اور مجھے اسی کے حُسن سے لذت ملتی ہے
تم کو اس کے حُسن سے لذت حاصل نہیں ہوتی۔ اسلئے یوں کہا جائے گا کہ تمہیں
خدا اس پیالہ سے بجائے شراب کے سرکہ پلاتا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ اس کا عشق تمہارے
کان پکڑ کر اس کی طرف نہیں لے جاتا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سُبحانہٗ بڑے کامل القدرت ہیں وہ اپنی قدرت کاملہ
سے مختلف لوگوں کو ایک ہی پیالہ سے شراب بھی پلاتے ہیں۔ اور سرکہ بھی یعنی کوئی
مخلوقات میں تجلیات حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی اس کا مشاہدہ نہیں کرسکتا چنانچہ
تم پیالہ تو دیکھتے ہو مگر شراب حسنِ الٰہی تمہاری غلط بیں آنکھ سے مخفی ہے اور اُسے
دکھلائی نہیں دیتی۔ اسلئے تمہیں ان سے لطف روحانی حاصل نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ لطف روحانی ان حوروں کے مشابہ ہے جو کہ اپنی نظر صرف
اپنے شوہروں تک محدود رکھتی ہیں اور اجنبی آدمی پر نظر نہیں ڈالتیں۔ بنابریں وہ
اپنے اہل کے سوا دوسرے کو اپنا پتہ نہیں دیتا۔ نیز شراب حُسن الٰہی بمنزلہ انہی
حوروں کے ہے جو کہ اپنی نظر کو صرف شوہروں تک محدود رکھتی ہیں۔ اور ظروف
صور اس کے لیے بمنزلہ خیموں کے ہیں۔

بنابریں نااہلوں کی اس شراب تک رسائی نہیں ہوتی اور خیمہ ہائے صُور
دریا کے مشابہ ہیں جو کہ بطوں کے لیے موجبِ حیات ہوتا ہے اور کودن کے لیے
موت۔ اسلئے صور محسوسات اہل اللہ کے لیے حیات روحانی ہیں اور محجوبوں کے لیے
موت روحانی کا سبب ہیں۔ اور یہ کچھ بعید نہیں۔ دیکھو! زہر سانپ کے لیے غذا
اور سامانِ عیش ہوتا ہے مگر دوسروں کے لیے موجب تکلیف و موت ہوتا ہے۔

علیٰ ہٰذا ہر نعمت اور ہر تکلیف کسی کے لیے دوزخ اور موجبِ اذیت ہے
اور کسی کے لئے جنت اور موجبِ راحت۔ القصہ تم جس قدر اجسام یا
اشیاء دیکھتے ہو۔ ان میں غذا بھی ہے اور زہر بھی۔ مگر تمہیں ان میں دو چیزیں

نظر نہیں آتیں۔

اب ہم اس مضمون کو ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! ہر جسم بمنزلہ ایک پیالہ اور کے ہے۔ جس میں غذا بھی ہے اور اذیت قلبی بھی اور کاسہ تو ظاہر ہے۔ مگر شراب یا نعمت وغیرہ اس میں پوشیدہ ہے جس کو ہر ایک نہیں دیکھ سکتا جو اسکو کھاتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں کیا ہے اور وہ کیا کھا رہا ہے پس جو ان سے لذت حاصل کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں لذت ہے اور جو اس سے تکلیف اُٹھاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس میں اذیت ہے چنانچہ صورت یوسف علیہ السلام ایک عمدہ پیالہ کے مثل تھی پس ان کے باپ تو اس سے سینکڑوں مست کُن شرابیں پیتے تھے۔ اب بھائیوں کی حالت سُنو۔ بھائیوں کو اس سے زہریلا پانی ملتا تھا جو کہ ان کے اندر زہر کینہ بڑھاتا تھا۔

اچھا اب زلیخا کی حالت سُنو۔ زلیخا کو اس پیالہ سے شکر ملتی تھی۔ اور وہ اس کے عشق سے ایک اور ہی افیون کھاتی تھی اور اس سے اس کے اندر ایک اور ہی نشہ پیدا ہوتا تھا جو کہ اس نشہ کے مغائر تھا جو اس سے یعقوب علیہ السلام کو حاصل ہوتا تھا (کیونکہ زلیخا کا عشق شہوانی تھا برخلاف یعقوب علیہ السلام کے) اور یوسف علیہ السلام سے اس کو بھی ایک طرح کی غذا ملتی تھی۔ (گو وہ اس غذا کے مغائر تھی جو ان سے یعقوب علیہ السلام کو ملتی تھی) پس کوزہ ایک تھا مگر اس سے مختلف لوگوں کو مختلف شربت ملتے تھے۔ اب تم کو شراب پینے کے بارہ میں شک نہ رہنا چاہیئے اور تم کو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے آثار کیونکر مختلف ہو سکتے ہیں۔

الغرض کوزہ تو ناسوتی ہیں مگر ان میں شراب غیبی بھری ہوئی ہے اور کوزہ محسوس ہیں۔ مگر شراب ان میں نہایت مخفی ہے۔ یعنی نامحرموں کے آنکھوں سے مخفی ہے لیکن محرموں کے لیے نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ بنابریں وہ بے تکلف ان میں تجلیات حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری آنکھیں سست اور بے ہوش ہو گئیں ہیں کہ اسلئے تیرے جمال کا مشاہدہ نہیں

کر سکتیں پس ہمیں معاف کر دے ہمارے گناہوں کا بوجھ بہت ہو گیا ہے تاکہ یہ مانع دور ہو کر ہم کو تیرے جمال کا مشاہدہ نصیب ہو سکے اے خفی الذات! تو نے اپنے نور سے مشرق و مغرب کو پُر کر دیا ہے اور تو ظہور میں نور مشرقین سے بھی بڑھ گیا ہے تو ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے مگر ہمارے اسرار کو ظاہر کرنیوالا ہے اور تو آثار کے لحاظ سے صبح روشن ہے اور ہماری خشک نہروں کو اپنے کمالات کے آب سے جاری کرنیوالا ہے اے خفی الذات! اور محسوس العطا! تو مثل پانی کے ہے اور ہم مثل چکی کے پاٹوں کے ہیں اور تو مثل ہوا کے ہے اور ہم بمنزلہ غبار کے ہیں کیونکہ ہوا مخفی ہوتی ہے مگر اسکا غبار ظاہر ہوتا ہے۔ علیٰ ہٰذا جو کہ ہم مثل غبار کے ہیں ظاہر ہیں۔ اور تو جو کہ مثل ہوا کے ہے مخفی ہے۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ بہار کے ہے اور ہم بمنزلہ سرسبز اور شاداب باغ کے۔ کیونکہ بہار غیر ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی عطا ظاہر۔ یوں ہی تو مخفی ہے اور ہم جو کہ تیرے عطا ہیں ظاہر ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ جان کے ہے اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں کا کھلنا اور ان کا بند ہونا روح کے ہی سبب ہوتا ہے یوں ہی ہماری حرکات بھی تیرے ہی ذریعہ سے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ عقل کے ہے اور ہم مثل زبان کے اسلئے کہ زبان کو گویائی عقل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہی ہمارے آثار بھی تیرے ہی ذریعہ سے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ خوشی کے ہے اور ہم بمنزلہ ہنسنے کے۔ کیونکہ جس طرح ہنسی سے معلول ہوتی ہے خوشی کا۔ یوں ہی ہم تیرے معلول ہیں اور ہماری حرکات ہر وقت بزبانِ حال اشھد کہتی ہیں کیونکہ وہ گواہ ہیں ایک صاحبِ عظمت خدا کے وجود وغیرہ کے جس طرح کہ چکی کے پتھر کی مضطربانہ حرکات شاہد ہوتی ہے وجود جوئے آب کی۔

یہاں تک بیان کر کے مولانا کو سُکر سے صحو ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اے اللہ! تو تو میرے وہم اور میری گفتگو کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ میرے سر پر اور میرے مثالوں کے سر پر خاک پڑے۔ کجا میں اور میری مثالیں اور کجا تو — مگر اے اللہ! غلام سے تیرے عمدہ تصور کے بغیر

صبر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ہر وقت یہی کہتا ہے کہ میری جان تیرا فرش ہو جس طرح
وہ چوپاں کہتا تھا کہ اے اللہ! اپنے عاشق چوپاں کے پاس آ۔ تاکہ میں تیرے
کُرتہ میں جوئیں دیکھوں اور تیرے جوتے سیئوں۔ اور تیرا دامن چوموں اور یہ گفتگو
اس کی بنا پر عشق و محبت تھی نہ کہ بغرض توہین و تنقیص۔ یوں ہی میں بھی جوشِ
محبت میں اپنے حوصلہ کے مطابق تیری تصویر کھینچتا ہوں تو معاف کرنا۔ یہاں سے
خطاب کا رُخ بدلتے اور فرماتے ہیں کہ عشق و محبت میں کوئی شخص اس چوپاں کا
ہمسر نہ تھا۔ مگر بے چارہ تسبیح و تقدیس اور گفتار مناسب ذات پاک سے قاصر تھا
اس کے عشق نے آسمان پر خیمہ گاڑا تھا اور وہ چوپاں بارگاہ حق سبحانہٗ کا یوں ہی مقرب ہو گیا
تھا۔ جیسے کتا اُمراء کے خیموں کا مقرب ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ فی نفسہٖ ایک ذلیل جانور ہوتا ہے
جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو جو کچھ وہ چوپاں کہتا تھا اُس کا منشا بھی عشق حق سبحانہٗ تھا
اور جو تسبیح و تقدیس تم کرتے ہو۔ اس کا منشا بھی عشقِ الٰہی ہی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ جب
بحرِ عشق حق سبحانہٗ جوش زن ہوا تو اسکی اس کے دل پر اثر کیا اور تمہارے کانوں پر اثر کیا
بنا بریں وہ وہی الفاظ کہتا تھا جو اسکے دل سے بے ساختہ اور بے تکلف اور جوشِ محبت سے
نکلتے تھے اور تم وہ الفاظ کہتے ہو۔ جو تمہارے کانوں کو بھلی معلوم ہوں۔ دل سے ان کا
کوئی تعلق نہیں ہے پس چونکہ اُس کی تعریف دل سے تھی اور تمہاری زبان سے اسلئے
وہ مقرب ہوا۔ اور تم دور رہے۔

حکایت جوحیِ کہ چادر پوشیدہ در وعظ میانِ زناں نشست و حرکتے کرد زنے او را شناخت کہ مرد ست و نعرہ بزد

جوحی کا قصہ جو کہ چادر اوڑھ کر وعظ میں عورتوں کے درمیان بیٹھ گیا اور اُس نے ایسی حرکت کی کہ ایک عورت نے اُس کو پہچان لیا کہ مرد ہے اور اُس نے نعرہ مارا

حکایت سابق حکایت سے یہ سمجھا یا ہے کہ دل بڑا اور کسی دوسرے عضو پر اثر میں بہت بڑا فرق ہے۔ جوحی ایک شخصیت ہے جسکی طرف بہت سے پُر مذاق لطیفے منسوب ہیں جیسی کہ اُردو ادب میں ملا دو پیازہ یا شیخ چلی۔

واعظے بُد بس گزیدہ در بیاں
ایک واعظ تقریر میں بہت منتخب تھا

زیرِ منبر جمع مردان و زناں
(اسکے) منبر کے پاس مرد اور عورتیں جمع تھیں

رفت جوحی چادر و روبند ساخت ۔۔۔ درمیانِ آں زناں شد ناشناخت

جوحی چلا، چادر اور نقاب پہنا ۔۔۔ اُن عورتوں میں اَن جان ہوگیا

سائلے پرسید واعظ را براز ۔۔۔ مُوئے عانہ ہست نقصانِ نماز

ایک سوال کرنیوالے نے آہستہ سے واعظ سے دریافت کیا ۔۔۔ زیرِ ناف کے بال نماز کے نقصان کا باعث ہیں؟

گفت واعظ چوں شود عانہ دراز ۔۔۔ پس کراہت باشد از وے در نماز

واعظ نے کہا جب زیرناف کے بال بڑھ جائیں ۔۔۔ تو اس سے نماز میں کراہت پیدا ہوجاتی ہے

یا بنورہ یا بستُرہ بستُرش ۔۔۔ تا نمازت کامل آید خوب و خوش

چونے سے یا اُسترے سے اُن کو مونڈ دے ۔۔۔ تاکہ تیری نماز بھلی اچھی مکمل ہو

گفت سائل آں درازی تا چہ حد ۔۔۔ شرط باشد تا نمازم اکمل بود

سوال کرنے والے نے کہا، لمبائی کس حد تک ۔۔۔ مناسب ہے تاکہ نماز مکمل ہوجائے؟

گفت چوں قدرِ جوے گردد بطول ۔۔۔ پس ستُردن فرض باشد اے سئول

اُس نے کہا، اگر جَو کی بقدر لمبے ہوجائیں ۔۔۔ اے بکھڑ! مونڈنا فرض ہوجائے گا

پیشِ جوحی یک زنے بنشستہ بود ۔۔۔ ہوش را بر وعظِ واعظ بستہ بود

جوحی کے آگے ایک عورت بیٹھی تھی ۔۔۔ جس نے ہوش کو واعظ کے وعظ سے وابستہ کر دیا تھا

گفت جوحی زود اے خواہر ببیں ۔۔۔ عانۂ من گشتہ باشد ایں چنیں

جوحی نے کہا، اے بہن! جلد دیکھ لے ۔۔۔ میرے زیرناف بال ایسے ہوگئے ہونگے

بہرِ خوشنودیِ حق پیش آر دست ۔۔۔ کاں بمقدارِ کراہت آمدست

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہاتھ بڑھا ۔۔۔ کہ وہ کراہت کی بقدر ہوگئے ہیں!

دست زن در کرد در شلوارِ مرد ۔۔۔ کیرِ اُو بر دستِ زن آسیب کرد

عورت نے مرد کے شلوار کے اندر ہاتھ ڈالدیا ۔۔۔ اُس کے خایہ نے عورت کے ہاتھ پر اثر کیا

نعرہ زد سخت اندر حالِ زن ۔۔۔ گفت واعظ بر دلش زد گفتِ من

عورت نے فوراً ایک نعرہ مارا ۔۔۔ واعظ نے کہا میری بات نے اُسکے دل پر اثر کیا ہے

صدق راز ایں زن بیاموزید ہیں ۔۔۔ چونکہ بر دل زد مرا گفتِ چنیں

ہاں، تم سچائی اس عورت سے سیکھ لو ۔۔۔ جبکہ ایسی گفتگو نے اسکے دل پر اثر کیا ہے

گفت نے بر دل نزد بر دست زد ۔۔۔ وائے گر بر دل زدے اے پُر خرد

اُس (جوحی) نے کہا دل پر نہیں ہاتھ پر اثر کیا ہے ۔۔۔ اے عقلمند! کیا کہنا تھا اگر دل پر اثر کرتا

بر دلِ آں ساحراں زد اندکے ۔۔۔ شد عصا و دست ایشاں را یکے

اُن جادوگروں کے دل پر تھوڑا سا اثر کیا ۔۔۔ اُن کے لئے لکڑی اور ہاتھ یکساں بن گیا

۱؎ گرہ یا بستف۔ روبند۔ نقاب۔ موئے عانہ۔ زیرناف کے بال۔ عانہ۔ یعنی جب زیر ناف بال بڑھ جائیں تو نماز میں کراہت آجاتی ہے۔ نورہ۔ چونا۔ ستُرہ۔ اُسترہ۔ تا چہ حد۔ درازی کو متعین کر دیجئے کہ بال کس قدر بڑھ جانے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

۲؎ گفت۔ واعظ نے کہا۔ سئول۔ بہت زیادہ سوال کرنے والا۔ ہوش۔ یعنی واعظ کے وعظ کی جانب پوری متوجہ تھی۔ مرد۔ یا شلوار کا مضاف الیہ یا کرد کا فاعل ہے دونوں صورتوں میں ترجمہ جداگانہ ہے۔

۳؎ آسیب۔ اثر۔ گفت۔ واعظ نے کہا کہ میرے وعظ کا اس کے دل پر اثر ہوا ہے اسی لئے اُس نے نعرہ مارا ہے۔ صدق۔ واعظ نے مردوں سے کہا تم لوگ اِس عورت سے نصیحت حاصل کر لو۔

۴؎ گفت۔ جوحی نے کہا دل پر نہیں صرف ہاتھ پر اثر ہوا ہے ایسے کہ اُس کا ہاتھ جوحی کی شرمگاہ پر لگا تھا۔ بر دل۔ فرعون کے جادوگروں کے دل پر اثر ہوا تھا تو مشیتِ الٰہی میں اُن کے لئے ہاتھ پاؤں کا کٹنا ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی لکڑی کا کٹنا۔ حرج۔ اگر تو بڑھے کی داڑھی پکڑ لے تو اس کو اس سے زیادہ رنج ہوگا جیسا کہ اُن کو ہاتھ پاؤں کٹنے پر ہوا تھا۔

گر ز پیرے دَر رُبائی تو عصا
بیش رنجد کاں گروہ از دست و پا
اگر تو کسی بڈھے کی لاٹھی اُڑا لے
وہ اس سے زیادہ رنجیدہ ہو گا جتنا گروہ ہاتھ پاؤں سے

نعرۂ[1] لاضیر بَر گردوں رسید
ہیں بُبر کہ جاں ز جان کَندن رہید
کوئی ہرج نہیں، کا نعرہ آسمان پر پہنچ
ان کاٹ لے، جان جاں کنی سے نجات پا گئی

چوں بدانستیم ماکیں تن نہ ایم
از ورای تن بیزداں میزیم
چونکہ ہم جان گئے، کہ ہم یہ جسم نہیں ہیں
جسم کے سوا ہم خدا کے ذریعہ جی رہے ہیں

اے خُنک آں راکہ ذاتِ خود شناخت
اندر اَمنِ سَرمدی قصرے بساخت
قابلِ مبارکباد ہے وہ جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا
ہمیشگی کے امن میں اُس نے محل بنا لیا

کودکے گرید پئے جوز و مویز
پیشِ عاقل باشد آں بس سہل چیز
بچہ جس اخروٹ اور منقی کے لئے روتا ہو
عقلمند کے لئے وہ آسان چیز ہے

پیشِ دل جوز و مویز آمد جسَد
طفل کے دَر دانشِ مَرداں رَسد
دل کے لئے، جسم، اخروٹ اور منقی ہے
بچہ، مردوں کی عقل کو کب پہنچتا ہے؟

ہر[2] کہ محجوبست اُو خود کودکیست
مَرد آں باشد کہ بیروں از شکیست
جو پردے میں ہے، وہ بچہ ہے
مرد وہ ہے جو شک سے باہر ہے

گر بریش و خایہ مَردستے کسے
ہر بُزے را ریش و خصیہ استے بسے
اگر کوئی داڑھی اور خایہ کی وجہ سے مرد ہے
تو ہر بکرے کے داڑھی اور خصیہ ہے

پیشوای بَدبُود آں بُز شتاب
میبرد اغنام را پیشِ قصاب
وہ بکرا بُرا پیشرو ہے، جلد
بکریوں کو قصاب کے آگے لیجاتا ہے

ریش شانہ کردہ کہ من سابقم
سابقی لیکن بسوئے درد و غم
داڑھی کو کنگھی کئے ہوئے کہ میں راہنما ہوں
تو راہنما ہے، لیکن درد اور غم کی جانب

ہیں رَوِش بگزین و ترکِ ریش کُن
ترکِ ایں ما و من و تشویش کُن
خبردار! روش اختیار کر اور داڑھی کو چھوڑ
اس تکبر و غرور اور پریشانی کو ترک کر

ریشِ[3] خود را خندہ زارے کردہ
ناز کم کُن چونکہ ریش آوردہ
تو نے اپنی داڑھی کو مضحکہ بنا لیا ہے
جبکہ تیرے داڑھی نکل آئی ہے نخرے نہ دکھا

تا شوی چوں بوئے گُل بَر عاشقاں
پیشوا و رہنمای گلستاں
تاکہ تو پھول کی خوشبو کی طرح، عاشقوں کیلئے بن جائے
باغ کا رہنما اور پیشوا

چیست بوئے گل دمِ عقل و خرد
خوش قلاوُز رہِ باغِ ابد
پھول کی خوشبو کیا ہے؟ عقل اور سمجھ کی بات
جو ابدی باغ کے لئے بہترین راہنما ہے

[1] نعرہ۔ جس وقت فرعون نے جادوگروں سے کہا تھا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا تو انھوں نے جواب میں کہا تھا۔ لاضیر۔ کوئی نقصان نہیں۔ چوں۔ جادوگروں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں ہے بلکہ روح کی ہے۔ اے خنک۔ حدیث شریف ہے جس نے اپنی حقیقت سمجھ لی اُس نے خدا کو پہچان لیا۔ کودکے۔ بچے کے لئے اخروٹ اور منقی عزیز ہیں عقلمند کے لئے وہ حقیر ہیں۔ یہ کہ ال اہل دل کیلئے ہاتھ پاؤں اخروٹ اور منقی کی جگہ ہیں۔

[2] ہر کہ۔ جو شخص اپنی حقیقت نہیں سمجھا، بچہ ہے۔ گر ریش۔ اگر مرد ہونا داڑھی اور خصیہ کی وجہ سے ہو تو یہ چیزیں بکرے کے بھی ہوتی ہیں۔ پیشوا بکرے میں عقل خام ہے اس لئے ذبح ہونے جاتے وقت وہ بکریوں کا پیشوا بن جاتا ہے۔ ریش۔ بنا دی پیر

[3] ریش۔ تو نے تو اپنی داڑھی کا بھی مذاق اُڑوا لیا ہے، تیرے داڑھی نکل آئی ہے اب ناز و انداز مناسب نہیں ہے، راہِ سلوک اختیار کر ورنہ داڑھی کی مذاق اُڑے گی۔ تا شوی۔ پھر تو خوشبو کی طرح عاشقوں کے لئے باغ کا رہنما بن جائیگا۔ چیست۔ خوشبو سے مراد عقلمندی کی باتیں کرنا ہے۔

شرح "بر دل او زد ترا بر گوش زد" کی مناسبت سے مولانا ایک مذاقیہ حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک نہایت عمدہ واعظ وعظ میں مصروف تھا اور پیڑ کے نیچے بہت سے مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں اس مجمع میں جوجی (ایک مسخرہ کا نام ہے) بھی پہنچ گیا اُسنے اوڑھنا اوڑھ لیا اور منہ کو چھپا لیا۔ اس طرح زنانہ بھیس بدل کر عورتوں کے مجمع میں بیٹھ گیا اور کسی نے اُسکو نہ پہچانا کہ یہ مرد ہے۔ اتفاقاً ایک سائل نے واعظ سے پوچھا کہ حضرت کیا موئے زیر ناف سے نماز میں نقصان آتا ہے اُسنے کہا ہاں! جب وہ بڑھ جائیں تو ان سے نماز مکروہ ہوتی ہے ایسی حالت میں تم کو یا تو چونے سے یا اُسترہ سے ان کو صاف کر دینا چاہیئے تاکہ تمہاری نماز کامل اور عمدہ ہو۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ حضرت اس درازی کی حد کیا ہے جہاں تک نماز کامل ہو اور اسکے بعد مکروہ اسنے جواب دیا کہ جب جَو برابر ہو جائیں تو ان کا صاف کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس سے کم میں مضائقہ نہیں۔

یہ سوال و جواب سُنکر جوجی کو مسخرہ پن سوجھا۔ اسکے پاس ایک عورت نہایت خوب صورت بیٹھی ہوئی تھی۔ جسنے واعظ کو دنگ کر رکھا تھا۔ اور جس کی وجہ سے اُس سے وعظ بھی ٹھیک نہ کہا جاتا تھا اسنے اُس سے کہا کہ بہن ذرا دیکھنا میرے موئے زیر ناف تو اس قدر نہیں بڑھ گئے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا ہاتھ بڑھا کر دیکھنا کہ کہیں میرے بال کراہت کی حد تک تو نہیں پہنچ گئے اس عورت نے اس مرد کے پاجامہ میں ہاتھ ڈالا اور اس کا اعضاءِ تناسل اسکے ہاتھ میں لگا اس پر اُس نے چیخ ماری۔ واعظ نے سمجھا کہ اسکے دل پر میرے وعظ سے چوٹ لگی ہے۔ اور کہا کہ لوگو خلوص اس عورت سے سیکھو کہ میرے بیان سے اس کے دل پر چوٹ لگی ہے اور تم پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ جوجی نے کہا جناب! اسکے دل پر چوٹ نہیں لگی بلکہ صرف ہاتھ میں ٹکر لگی ہے اس کا یہ اثر ہے اگر دل پر چوٹ لگتی تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔ یہ مذاقیہ حکایت بیان فرما کر پھر اپنے رنگ کی طرف عود کرتے ہیں اور مضمون سابق کی تکمیل فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

شرح

ہم نے کہا تھا کہ عشقِ الٰہی نے چوپان کے دل پر اثر کیا ہے مگر تمہارے دل پر اثر نہیں کیا۔ یہ ایک واقعی بات ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تم ہنوز تن پروری میں مشغول ہو۔ پس اگر تمہارے دل پر اثر ہوتا تو تمہارا یہ اشتغال ناممکن تھا۔ دیکھو۔ اس نے ساحرانِ فرعون کے دل پر ذرا سا اثر کیا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ لاٹھی اور ہاتھ پاؤں ان کے نزدیک برابر ہو گئے تھے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں ان کی نظر میں لاٹھی سے کم وقعت رکھتے تھے اسلئے کہ اگر تم کسی بڈھے کے ہاتھ سے لاٹھی چھین لو۔ تو جس قدر اسے لاٹھی کا رنج ہوگا ان کو اپنے ہاتھ پاؤں کے کٹنے کا اتنا بھی رنج نہ تھا۔ چنانچہ جب فرعون نے انکو ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی ہے تو انہوں نے نہایت زور سے کہا کہ اس سے ہم کو کچھ بھی نقصان نہیں تو شوق سے کاٹ ڈال۔ کیونکہ اب ہماری جان فکرِ جسم سے چھوٹ گئی ہے جو کہ داقع میں جان کنی اور سخت موجبِ اذیت ہے اسلئے کہ اب ہمکو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم یہ جسم نہیں ہیں بلکہ ہماری حقیقت روح ہے اور ہم بحکم الروح میں امرِ ربّی بحکم وقدرت الٰہی جیتے ہیں نہ کہ اس جسم کے ذریعہ سے ایسی حالت میں اگر جسم فنا ہو جائے تو ہم میں کچھ بھی کمی نہ آئے گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے! بڑے مزہ ہیں اُس شخص کے جو اپنی حقیقت پہچان لے۔ اور اس طرح رنج و راحت دنیوی سے بے پرواہ ہو کر راحت روحانی حاصل کرے اور اس ہمیشہ رہنے والے محل میں گھر بنالے۔

صاحبو! دیکھو! جوز و مویز کے لیے لونڈے رو دیا کرتے ہیں۔ اے اہلِ عقل سو وہ انکی کچھ بھی وقعت نہیں کرتے پس جو حالت عقلا کے سامنے جوز و مویز کی ہے وہی حالت اہلِ دل کے سامنے جسم کی ہے لہٰذا وہ جسم کو کوئی چیز بھی نہیں سمجھتے اور اسکے رنج و راحت کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر لونڈوں کو مردوں کے برابر سمجھ نہیں ہو سکتی اسلئے محجوبین اس پر مٹے ہوئے ہیں۔

یاد رکھو! کہ جو کوئی محجوب ہے وہ لونڈا ہے۔ مرد وُہ ہے جو عارف ہو اور صاحبِ یقین! اور شک کی حد سے گذر چکا ہو ــــ رہی یہ بات کہ ان کی ڈاڑھی اور اعضاٗ

تناسل ہے سو یہ ان کے مردمی اور کمال کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ڈاڑھی اور اعضاءِ تناسل سے مرد (صاحب کمال) ہو سکتا تو ہر بکرے کی ڈاڑھی اور بڑے بڑے خصیہ اور ذکر ہوتے ہیں۔ اس بناء پر ہر بکرا مرد (صاحب کمال) ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اسکو تم ہی مانتے ہو پس معلوم ہوا کہ مردی اور کمال ریش اور خصیوں وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ کمال اور ہی چیز ہے اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ بنے ہوئے پیر واقعی مرد (صاحب کمال) نہیں ہیں۔ بلکہ بکرے یعنی شبیہ اہل اللہ ہیں اور بکریوں یعنی اپنے مریدوں اور معتقدوں کو قصاب لعین شیطان کیطرف لیجاتے ہیں یہ لوگ داڑھی میں کنگھی کر کے اور اپنی صورت اہل اللہ کی سی بنا کر دعوے کرتے ہیں کہ کہ ہم پیشوا ہیں اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ضرور پیشوا ہیں اور اپنی بکریوں کو لئے جا رہے ہیں مگر رنج و تکلیف کی طرف نہ کہ راحت و آرام کی جانب! ارے بھلے مانس! تو کیا ڈاڑھی بگھار رہا ہے۔ اسے چھوڑ! اور صحیح روش اختیار کر اور تو خودی اور دعویٰ اور پریشانیوں کو چھوڑ کر فنا اور طمانینت حاصل کر۔ تو نے اپنی ڈاڑھی کو اہل اللہ کا مضحکہ بنا رکھا ہے تو اس روش تصنع کو چھوڑ اور ندامت کر کیونکہ تیرے ڈاڑھی آگئی ہے۔ اسلئے تو ناز کے قابل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو ناقص ہے اسلئے مشیخت کے قابل نہیں ہے پس تو مخدومی کو چھوڑ کر خدمت اہل اللہ اختیار کر۔ تاکہ تو عشاق کے لیے بمنزلہ بوئے گل کے ہو جائے اور باغ عالم محبت کا حقیقی پیشوا اور رہنما بن جائے تو جانتا ہے کہ بوئے گل اور رہنمائے راہِ حقیقت کیا چیز ہے۔ یہ تیرے مشائخانہ صورت اور مکاری کی گفتگو نہیں ہے بلکہ وہ کلام ہے جو عقل وہبی سے ناشی ہو جو کہ اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے پس تو اسے حاصل کر۔ اور صورت اور تزویر... کو چھوڑ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی وہ کلام باغ ابدی (عالمِ غیب یا علوم و معارف) کا عجیب اور نہایت نفیس رہنما ہے

فرمودنِ شاہ با ایاز بارِ دیگر کہ شرحِ چارق و پوستین را

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ حکم دینا کہ چپل اور پوستین کی تشریح کو واضح طور پر بتا

آشکارا بگو تا خواجہ تاشانت ازاں اشارت پند

تاکہ تیرے آقا شریک اس اشارے سے نصیحت حاصل کریں

گیرند کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ

چونکہ دین نصیحت ہے

سرِّ چارق را بیاں کن اے ایاز — پیشِ چارق چیست چندیں نیاز

اے ایاز: چپل کا راز بتا — چپل کے سامنے تیری اسقدر نیازمندی کیوں ہے؟

تا نیوشد سُنقر و بگیارقت — سرِّ سرِّ پوستین و چارقت

تاکہ سنقر اور تیرے ساتھی سُن لیں — تیرے پوستین اور چپل کے راز کا راز

اے ایاز از تو غلامی نور یافت — نورت از پستی سوئے گردوں شتافت

اے ایاز: تجھ سے غلامی نے نور حاصل کیا — تیرا نور پستی سے آسمان کی جانب دوڑ گیا

حسرتِ آزادگاں شد بندگی — بندگی را چوں تو دادی زندگی

غلامی آزادوں کے لئے باعثِ حسرت بنگئی — جبکہ تو نے غلامی کو زندگی بخشی

مومنؔ آں باشد کہ اندر جزر و مد — کافر از ایمانِ او حسرت خورد

مومن وہ ہوتا ہے، کہ جوار بھاٹے میں — کافر اس کے ایمان پر حسرت کرے

حلِ لغات۔ دینا۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ۔ دین اخلاص ہی ہے سرِّ چارق۔ محمود نے ایاز سے کہا جوتی کا راز بیان کر اس کے ساتھ تیری نیازمندی کیوں ہے۔ ۲ سُنقر۔ غلام کا نام ہے۔ بگیارق۔ خواجہ تاش۔ اے ایاز۔ تیرے غلام ہونے نے غلامی کو منور کردیا ہے۔ حسرت۔ تیرے وجود سے آزاد لوگ غلامی کی حسرت کرنے لگے ہیں چونکہ غلامی کو تو نے ایک زندگی عنایت کردی ہے۔ ۳ مومن۔ جس طرح ایاز کی غلامی آزادوں کے لئے باعث حسرت تھی اسی طرح مومن وہ ہے جس کے ایمان کو دیکھ کر کافر حسرت کرے جیسا کہ حضرت بایزید کا ایمان تھا۔ یہ کہ اس کا ایسا ایمان ہو جو لوگوں کو ایمان لانے سے روکے جیسا کہ مروّت تھا۔

شرح اب پھر ہم قصہ ایاز کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ اے ایاز تو ان جوتوں کے اسرار کو بیان کردے اور بتلادے کہ کیا وجہ ہے کہ تو ان جوتوں کے سامنے اتنی عاجزی کرتا ہے تاکہ سنقر اور تیرے خواجہ تاشان تیرے پوستین اور چارق کے اسرار کو سُن لیں۔ اور اس سے سبق حاصل کریں۔

(فائدہ، سنقر ایک خاص غلام کا نام ہے) مگر یہاں مطلق غلام مراد ہے۔ اور بمعنی خواجہ تاش ہے واللہ اعلم) آگے بادشاہ ایاز کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ایاز تو نے غلامی کو رونق دیدی ہے۔ اور تیرا نور نیک نامی زمین سے آسمان تک پہنچ گیا اور جبکہ تو نے غلامی کے قالب میں روح پھونک دی ہے۔ تو اس سے غلامی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ احرار غلامی کی تمنا کرتے ہیں۔

حکایت گبرے کہ در عہدِ شیخ بایزید قدس سرہٗ گفتندش
اُس کافر کا قصہ کہ بایزید قدس سرہٗ کے زمانے میں لوگوں نے اُس سے کہا

کہ مسلمان شو وجواب اُو ایشان را
کہ مسلمان ہو جا اور اُس کا اُن کو جواب دینا

بُود گبرے[1] در زمانِ بایزیدؒ — گفت اُو را یک مسلمانِ سعید
(حضرت) بایزیدؒ کے زمانے میں ایک کافر تھا — اُس سے ایک نیک بخت مسلمان نے کہا

کہ چہ باشد گر تو اسلام آوری — تا بیابی صد نجات و سروری
اگر تو اسلام لے آئے تو کیا اچھا ہو — تاکہ تو سینکڑوں نجاتیں اور سرداریاں حاصل کرلے

گفت ایں ایماں اگر ہست اے مُرید — آنکہ دارد شیخِ عالم بایزیدؒ
اُس نے کہا اے مُرید! اگر ایمان وہ ہے — جوکہ دنیا بھر کے شیخ بایزیدؒ رکھتے ہیں

من ندارم طاقتِ آں تابِ آں — کاں فزوں آمد ز کوششہائے جاں
میں اُس کی طاقت اُس کی قوت نہیں رکھتا ہوں — کیونکہ وہ جان کی کوشش سے بالاتر ہے

گرچہ در ایمان و دیں ناموقنم — لیک در ایمانِ اُو بس مُؤمنم
اگرچہ میں مسلمانوں کے ایمان اور دین کا معتقد نہیں — لیکن اُن کے ایمان کے بارے میں میرا ایمان ہے

دارم[2] ایماں کاں ز جملہ برتر است — بس لطیف و با فروغ و با فرست
رکھتا ہوں
میرا ایمان ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہے — بہت پاکیزہ اور بارونق اور شان وشوکت والے ہیں

مؤمنِ ایمانِ اُویم در نہاں — گرچہ مُہرم ہست محکم بر دہاں
میں پوشیدہ طور پر اُن کے ایمان کا مومن ہوں — اگرچہ میرے منہ پر سخت مہر ہے

باز ایماں خود گر ایمانِ شماست — نے بداں میلستم و نے اشتہاست
پھر اگر ایمان تمہارا ایمان ہے — نہ اُس کی طرف میرا جھکاؤ ہے نہ خواہش ہے

آنکہ صد میلش سوئے ایماں بُود — چوں شما را دید آں فاتر شود
جس کو ایمان کی جانب سینکڑوں میلان ہوں — جب اُس نے تمہیں دیکھا وہ سست پڑ گیا

زانکہ[3] نامے بیند و معنیش نے — چوں بیاباں را مفازہ گفتنے
کیونکہ وہ صرف نام دیکھے گا اور اُس کی حقیقت کچھ نہیں — جس طرح بیابان کو مفازہ کہہ دینا ہے

چوں بایمانِ شما اُو بنگرد — عشقِ اُو زاں آوردِ ایماں بفسرد
جب وہ تمہارے ایمان کو دیکھے گا — اُس کا عشق ایمان لانے میں ٹھٹھر جائے گا

ایں حکایت یاد گیر اے تیز ہوش — صورتش بگذار و معنیٰ را نیوش
اے تیز ہوش! اس حکایت کو یاد کرلے — اُس کی صورت کو چھوڑ اور معنیٰ کو سُن لے

---

[1] گبر۔ کافر۔ کہ چہ باشد۔ مسلمان نے اُس کافر سے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو تجھے نجات حاصل ہو جائے گی۔ گفت۔ اُس کافر نے کہا کہ اگر ایمان وہ ہوتا ہے جو بایزیدؒ رکھتے ہیں تو مجھ میں اُس کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ گرچہ۔ اگرچہ میں اسلام کے ایمان اور دین کا قائل نہیں ہوں لیکن اُن کے ایمان پر میرا ایمان ہے۔

[2] دارم۔ اُس کافر نے مسلمان سے کہا کہ میرا یقین ہے کہ وہ بایزیدؒ سب سے بڑھ کر ہیں اور میرا اُن کے ایمان پر ایمان ہے لیکن زبان سے ظاہر نہیں کرسکتا ہوں۔ باز۔ اور اگر ایمان سے مراد تمہارا والا ایمان ہے تو مجھے ایسے ایمان کی نہ خواہش ہے نہ اُس کی طرف میرا میلان ہے۔ آنکہ۔ تم تو ایسے مومن ہو کہ اگر کسی کو ایمان کی خواہش بھی ہو تو تمہیں دیکھ کر وہ سست پڑ جائے گا۔

[3] زانکہ۔ اسلئے کہ تمہارا ایمان تو برائے نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور تم برعکس نام نہند زنگی کافور کا مصداق ہو۔ بیابان جنگل دراصل ہلاکت کی جگہ ہے لیکن اُس کو لوگ مفازہ یعنی کامیابی کی جگہ کہتے ہیں۔ حکایت۔ اس قصہ سے یہ بتانا ہے کہ بہت سے مومن ایسے ہیں کہ کافر [illegible]

حکایتِ آں مؤذنِ زشت آواز کہ در کافرستان بانگ زد
اُس بھدّی آواز والے مؤذن کی حکایت۔ جس نے نماز کے لئے کفرستان میں اذان

برای نماز و مردِ کافر اُورا ہدیہ ہا داد
دی اور ایک کافر شخص نے اُس کو بہت سے تحفے دیئے

یک مؤذن داشت بس آوازِ بد
ایک مؤذن کی بُری آواز تھی

شب ہمہ شب میدرید حلقِ خود[۱]
وہ پوری پوری رات اپنا حلق پھاڑتا تھا

خوابِ خوش بر مردماں کردہ حرام
اُس نے انسانوں پر میٹھی نیند حرام کر دی تھی

در صُداع افتاد از وے خاص و عام
اُس کی وجہ سے عوام و خواص دردِ سر میں مبتلا تھے

کودکاں ترساں ازو در جامہ خواب
بچے بستروں میں اُس سے ڈرتے تھے

مرد و زن زآوازِ او اندر عذاب
مرد و عورت اُس کی آواز سے عذاب میں تھے

مجتمع گشتند مر توزیع را
وہ لوگ چندہ جمع کرنے کیلئے اکٹھے ہوگئے

بہرِ دفعِ زحمت و تصدیع را
دردِ سر اور تکلیف کو رفع کرنے کیلئے

پس طلب کردند اُورا در زماں
اُنھوں نے اُس کو فوراً طلب کیا

اُقچہا دادند و گفتند اے فلاں
نقدیاں دیں اور اُنھوں نے کہا اے فلاں!

از اذانت جملہ آسودیم ما[۲]
ہم سب نے تیری اذان سے راحت پائی

بس کرم کردی شب و روز اے کیا
اے جناب! آپنے دن اور رات بڑا کرم کیا

چوں رسید از تو بہر یک دولتے
چونکہ آپ کی وجہ سے ہر ایک کو دولت میسر آگئی ہے

خواب رفت از ما کنوں ہم مدتے
اب کچھ مدت کے لئے ہماری نیند اُڑ گئی ہے

بہرِ آسائش زباں کوتاہ کُن
آرام کی خاطر آپ زبان بند کر لیجئے

در عوض ما ہمتے ہمراہ کُن
اس کے بدلے میں باطنی توجہ فرمائیے

قافلہ می شد بکعبہ از وَلہ[۳]
شدتِ شوق کی وجہ سے ایک قافلہ کعبہ کو روانہ ہوا

اُقچہ بستد شد رواں با قافلہ
اُس نے نقدی لے لی، قافلہ کیساتھ روانہ ہوگیا

شبگہے کردند اہلِ کارواں
قافلہ والوں نے رات کے وقت کیا

منزل اندر موضعِ کافرستاں
کفرستان کے مقام پر پڑاؤ

واں مؤذن عاشقِ آوازِ خود
اُس اپنی آواز کے عاشق مؤذن نے

درمیانِ کافرستان بانگ زد
کفرستان میں اذان دی

چند گفتندش مگو بانگِ نماز
بہتیرے لوگوں نے اُس سے کہا نماز کی اذان نہ دے

کہ شود جنگ و عداوتہا دراز
ورنہ جنگ اور لمبی دشمنیاں ہوجائینگی

---

۱ حلقِ خود۔ چونکہ اُس کو اپنی خوش الحانی پر عقیدہ تھا رات میں مناجات اور ذکر باآواز بلند کرتا ہوگا۔ صُداع۔ دردِ سر۔ جائے عذاب سے کا اختراع۔ توزیع۔ چندہ۔ تصدیع۔ دردِ سر میں مبتلا کرنا، ستانا۔

۲ آسودیم۔ اُن لوگوں نے طنزاً کہا۔ دولتے یعنی شب بیداری کی دولت۔ خواب۔ اب اس دولت کی خوشی میں ہم رات بھر نہیں سو سکتے ہیں۔ ہمتے۔ جو نقدی ہم تجھے دے رہے ہیں اُس کے بدلے میں ہمارے لئے دل سے دعائیں کر دینا۔

۳ وَلہ۔ شدتِ عشق۔ قافلہ یعنی حاجیوں کا قافلہ۔ کافرستان۔ وہاں کے باشندے سب کافر تھے۔ بانگ زد۔ اذان دی۔ چند گفتندش۔ ساتھیوں نے اُس کو کافرستان میں اذان دینے سے روکا اور کہا کہ یہ کافر لڑائی دنگا کرینگے ایسا نہ کر لیکن وہ نہ مانا اور اُس نے اذان دیدی۔

اُو ستیزہ کرد و بس بے احتراز
اُس نے جھگڑا کیا اور بہت لاپروائی سے

گفت در کافرستاں بانگِ نماز
کفرستان میں اذان دے دی

خلق[1] خائف شد ز فتنۂ عامہ
لوگ فتنے سے ڈر گئے

خود بیامد یکے کافرے با جامۂ
ایک کافر کپڑے لئے ہوئے خود آیا

شمع و حلوا و یکے جامہ لطیف
شمع اور حلوا اور ایک عمدہ لباس

ہدیہ آورد و بیامد چوں الیف
تحفہ لایا اور دوست کی طرح آیا

پُرس پُرساں کایں مؤذن کو کجاست
پوچھتے ہوئے، کہ یہ مؤذن کہاں ہے؟

کہ صلای و بانگِ اُو راحت فزاست
جس کی اذان کی آواز راحت بڑھانے والی ہے

ہیں چہ راحت بود زاں آوازِ زشت
ایں، اس بھدی آواز سے کیا راحت ملی؟

کو فتاد از وے بناگہ در کنشت
جو اچانک اُس سے مندر میں پہنچی

دخترے دارم لطیف و بس سنی
میرے ایک لڑکی ہے پاکیزہ اور بہت خوبصورت

آرزو می بود اُو را مؤمنی
اُس کو مؤمن بننے کی آرزو تھی

ہیچ[2] ایں سودا نمیرفت از سرش
یہ جنون اُس کے سر سے کبھی خالی نہیں ہوتا تھا

پندہا می داد چندیں کافرش
بہت سے کافر اُس کو نصیحتیں کرتے تھے

در دلِ اُو مہرِ ایماں رستہ بود
اُس کے دل میں ایمان کی محبت پیدا ہو گئی تھی

ہمچو مجمر بود ایں غم من چو عود
یہ فکر انگیٹھی کی طرح اور میں اگر کی لکڑی کی طرح تھا

در عذاب و درد و اشکنجہ بُدم
میں مصیبت اور شکنجہ اور درد میں تھا

کہ بجنبد سلسلۂ اُو دمبدم
کیونکہ اُس کا یہ سلسلہ ہر وقت حرکت میں تھا

ہیچ[3] چارہ می ندانستم دراں
میں اُس کا کوئی علاج نہ سمجھ پا رہا تھا

تا فرو خواند ایں مؤذن آں اذاں
یہاں تک کہ اس مؤذن نے وہ اذان دی

گفت دختر چیست ایں مکروہ بانگ
لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ ڈراونی آواز کیسی ہے؟

کہ بگوشم آمد ایں دو چار دانگ
جس کے دو چار ٹکڑے میرے کان میں آئے ہیں

من ہمہ عمر ایں چنیں آوازِ زشت
میں نے تمام عمر اس طرح کی بھدی آواز

ہیچ نشنیدم دریں دیر و کنشت
اس مندر اور بت خانہ میں کبھی نہیں سنی

خواہرش گفتہ کہ ایں بانگِ اذاں
اُس کی بہن نے کہا، کہ یہ اذان کی آواز

ہست اعلام و شعارِ مؤمناں
مؤمنوں کا اعلان اور علامت ہے

باورش نامد بپرسید از دگر
اُس کو یقین نہیں آیا، اُس نے دوسرے سے پوچھا

آں دگر ہم گفت آرے اے قمر
دوسرے نے بھی کہا، ہاں اے چاند!

---

[1] خلق۔ یہ لوگ تو کافر لوگ کے حملہ سے خائف تھے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کافر تحفہ میں کپڑے، حلوہ وغیرہ لئے آ رہا ہے۔ الیف۔ دوست۔ پُرس پُرساں۔ اُس مؤذن کو پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مؤذن کی اذان نے بہت راحت پہنچائی ہے۔ ہیں چہ۔ اُس کافر سے کسی نے کہا کہ اس بھدی آواز سے جو مندر میں پہنچی کیا راحت ملی ہے.... دخترے۔ اُس کافر نے کہا کہ میرے ایک بہت خوبصورت لڑکی ہے وہ اسلام لانے پر آمادہ ہو رہی تھی۔

[2] ہیچ۔ ہم لوگوں نے اسکو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آ رہی تھی۔ مجمر۔ انگیٹھی۔ عود۔ اگر کی لکڑی جس کی دھونی دی جاتی ہے۔ در عذاب۔ اُس لڑکی کے ارادہ سے میں مصیبت میں تھا اور وہ اس ارادہ میں پختہ ہوتی جا رہی تھی۔

[3] ہیچ۔ اس کو اس ارادہ سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ تھی حتیٰ کہ اس مؤذن نے اذان دی تو لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ بھیانک آواز کیسی ہے میں نے ایسی بھدی اور خوفناک آواز کبھی نہیں سنی۔ خواہرش۔ اُس لڑکی کی بہن نے اسکو بتایا کہ یہ مسلمانوں کی اذان کی آواز تھی۔ اعلام۔ اعلان تھا۔ وہ علامت جس سے کوئی چیز پہچانی جائے اسکو بہن کی بات کا اعتبار نہ آیا اور دوسرے سے پوچھا تو اس نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔

چوں[1] یقین گشتش رخِ اُو زرد شُد
جب اُس کو یقین ہو گیا تو اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا

از مُسلمانی دلِ اُو سرد شُد
مسلمانی سے اُس کا دل افسردہ ہو گیا

باز رستم من ز تشویش و عذاب
میں پریشانی اور عذاب سے چھوٹ گیا

دوش خوش خفتم دراں بیخوف خواب
گذشتہ رات بغیر ڈر کی نیند خوب سویا

راحتم ایں بُود از آوازِ اُو
مجھے اُس کی آواز سے یہ راحت پہنچی

ہدیہ آوردم بشکر آں مرد کُو
میں شکرانہ میں تحفہ لایا ہوں وہ شخص کہاں ہے؟

چوں[2] بدیدش گفت ایں ہدیہ پذیر
جب اُس نے اسکو دیکھا کہا یہ ہدیہ قبول کر لیجئے

کہ مَرا گشتی مجیر و دستگیر
کیونکہ آپ میرے پناہ دینے والے اور دستگیر ہیں

آنچہ کردی با من از احسان و بر
آپ نے جو احسان اور بھلائی مجھ سے کی

بندۂ تو گشتہ ام مَن مستمر
میں ہمیشہ کے لئے آپ کا غلام ہو گیا ہوں

گر بمال و مُلک و ثروت فردمے
اگر میں مال اور سلطنت اور مالداری میں اکیلا ہوتا

من دہانت را پُر از زر کردمے
میں سونے سے آپ کا منھ بھر دیتا

ہست ایمانِ شما زرق و مجاز
تمہارا ایمان مکر اور مجاز ہے

راہزن ہمچوں کہ آں بانگِ نماز
اسی طرح کا ڈاکو ہے جس طرح کہ وہ اذان

رجوع بحکایت گبر با مسلمان در ایمان

ایمان کے بارے میں کافر کی مسلمان سے حکایت کی جانب رجوع

لیک[3] از ایمان و صدقِ بایزیدؒ
لیکن بایزیدؒ کے ایمان اور سچائی سے

چند حسرت در دل و جانم رسید
میرے دل اور جان میں بہت سی حسرتیں آئی ہیں

ہمچو آں زن کو جماعِ خر بدید
اُس عورت کی طرح جس نے گدھے کی جفتی دیکھی

گفت آوہ چیست ایں فحلِ فرید
بولی، آہ کیسا یکتا نر ہے

گر جماع این ست کابد از خراں
اگر جفتی یہ ہے، جو گدھے کرتے ہیں

بر کُسِ ما میریند ایں شوہراں
تو یہ شوہر ہماری شرمگاہ پر ہگتے ہیں

داد جُملہ دادِ ایماں بایزیدؒ
بایزیدؒ نے ایمان کا پورا حق ادا کر دیا

آفرینہا بر چنیں شیرِ فرید
ایسے یکتا شیر کو آفرین ہے

قطرۂ[4] ز ایمانش در بحر ار رَوَد
اُن کے ایمان کا ایک قطرہ اگر سمندر میں چلا جائے

بحر اندر قطرۂ اش غرقہ شود
اُس کے قطرے میں سمندر ڈوب جائے

ہمچو آتش ذرّۂ در بیشہا
جیسا کہ آگ کا ایک ذرہ جنگلوں میں

کاندراں ذرّہ شود بیشہ فنا
کہ اُس ذرہ میں جنگل فنا ہو جائیں

---

[1] چوں یقین۔ جب اُسکو یقین آگیا تو مایوسی سے اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اسلام لانے کا ارادہ ٹھنڈا ہو گیا۔ باز رستم۔ جب اُس کا دل اسلام سے برگشتہ ہو گیا تو میری مصیبت ختم ہوئی اور رات کو آرام سے سو سکا مؤذن کی آواز سے مجھے اس طرح راحت ملی لہٰذا میں اُس کے لئے تحفے لایا ہوں۔

[2] چوں بدیدش۔ جب اُس کافر نے اُس مؤذن کو دیکھا تو کہا کہ یہ تحفے لے لے تو میرا پناہ دہندہ اور دستگیر ہے۔ تو زینکہ۔ مستمر۔ ہمیشہ۔ گر بمال۔ میں زیادہ مالدار نہیں ہوں ورنہ تیرا منھ سونے سے بھر دیتا۔ ہست۔ اُس کافر نے اسلام کی دعوت دینے والے مسلمان سے کہا تمہارا ایمان بھی مؤذن کی طرح انسانوں کو ایمان سے روکنے والا ہے۔

[3] لیک۔ اُس کافر نے یہ بھی کہا کہ بایزیدؒ کے ایمان اور سچائی کو دیکھ کر مجھے بھی حسرت ہوتی ہے کہ ایسا ایمان مجھے کیوں میسر نہ آیا۔ ہمچو۔ اُس کافر کو بایزیدؒ کے ایمان پر ایسی ہی حسرت تھی جیسی کہ ایک عورت نے گدھے کو جفتی کرتے دیکھ کر حسرت کی تھی اور کہنے لگی تھی کہ اگر جفتی یہ ہے تو مرد ہمارے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ ہیچ ہے۔ داد۔ حضرت بایزیدؒ نے ایمان کا حق ادا کر دیا۔ فرید۔ بے مثال۔

[4] قطرہ۔ اُنکے ایمان کی یہ وسعت تھی کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو

چوں خیالے در دلِ شہ باسپاہ — میکُند در جنگ خصماں را تباہ
جیسا کہ ایک خیال لشکر والے بادشاہ کے دل میں — جنگ میں دشمنوں کو تباہ کر دیتا ہے

یک[۵] ستارہ در محمّد رُو نمُود — تا فنا شُد کفرِ ہر گبر و جہُود
ایک ستارہ محمدؐ میں رونما ہوا — یہاں تک کہ ہر کافر اور منکر کا کفر فنا ہو گیا

یک ستارہ در محمّد شُد سطرب — تا فنا شُد کفرِ کُل شرق و غرب
ایک ستارہ محمدؐ میں پھیلا — یہاں تک کہ شرق و مغرب کا سارا کفر فنا ہو گیا

آنکہ ایماں یافت رفت اندر اماں — کفر ہائے باقیاں شُد در گماں
جس نے ایمان حاصل کر لیا وہ امن میں آ گیا — بقیہ کا کفر مشکوک ہو گیا

کفرِ صِرفِ اوّلیں بارے نماند — یا مُسلمانی و یا بیمے نشاند
اب پہلوں کا سا خالص کفر نہ رہا — یا مسلمان اور یا خوف بٹھا دیا

ایں بحیلہ آب و روغن کردنیست — ایں مثلہا کفوِ ذرّہ نور نیست
یہ تدبیر سے پانی اور تیل ملاتا ہے — یہ مثالیں نور کے ذرّے کی ہمسر نہیں ہیں

ذرّہ[۶] نبُود جُز زِ چیزِ مُنجسِم — ذرّہ نبُود شارقِ لایَنقسِم
ذرّہ جسم بن جانے والی چیز کے علاوہ کچھ نہیں ہے — ذرّہ، روشن تقسیم نہ ہونے والا نہیں ہوتا ہے

گفتنِ ذرّہ مُرادے داں خَفی — محرمِ دریا نہٗ ایں دم کَفی
ذرّہ کہنے کا مقصد پوشیدہ سمجھ — تو اس وقت دریا کا رازداں نہیں ہے تو جھاگ ہے

آفتابِ نیّرِ ایمانِ شیخ — گر نماید رُخ زِ شرقِ جانِ شیخ
شیخ کے ایمان کا روشن سورج — اگر شیخ کی جان کی مشرق سے رُونما ہو جائے

جُملہ پستی گنج گیرد تا ثرے — جُملہ بالا خُلد گردد اَخضرے
تمام پست حصہ تا ثریٰ میں تحت الثریٰ خزانہ بن جائے — تمام بالائی حصہ سر سبز جنت بن جائے

اُو یکے جاں دارد از نورِ مُنیر — اُو یکے تن دارد از خاکِ حقیر
وہ روشن کرنے والے نور کی ایک جان رکھتا ہے — وہ حقیر مٹی کا ایک جسم رکھتا ہے

اے[۷] عجب اینست اُو یا آں بگو — کہ بماندم در اِشکال و جُستجو
تعجب ہے: وہ یہ ہے یا وہ وہ ہے، بتا — کیونکہ میں اشکال اور جستجو میں پڑ گیا ہوں

گر وے اینست اے برادر چیست آں — پُر شُدہ از نورِ اُو ہفت آسماں
اگر وہ یہ ہے اے بھائی! وہ کیا ہے؟ — کہ جس کے نور سے ساتوں آسمان لبریز ہیں

ور وے آنست ایں بدن اے دوست چیست — اے عجب زیں دو کُدامین ست وے کیست
اور اگر وہ وہ ہے، تو اے دوست! یہ بدن کیا ہے؟ — اے تعجب! ان دونوں میں سے وہ کون ہے اور کیا ہے؟

سمندر کو ڈبو دے۔ اسی طرح اُن کے ایمان کا قطرہ سمندر پر اسی طور پر حاوی ہو جائے جس طرح آگ کا ایک ذرّہ جنگل پر حاوی ہو جاتا ہے اور اُس کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے۔ یعنی یا جس طرح شاہ کا ایک معمولی خیال دشمنوں میں تباہی پھیلا دیتا ہے۔

۵ یک ستارہ۔ آنحضورؐ کی تائید کے لئے خدائی تائید کا ایک ستارہ نمودار ہوا جس سے سب کافروں کا کفر فنا ہو گیا۔ آنکہ۔ سب کافروں کا کفر اس طور پر فنا ہوا اگر کچھ تو مسلمان ہی ہو گئے باقی کفر کے معاملہ میں مشکوک ہو گئے اور خالص کفر بالکل مٹ گیا اگر مسلمان بھی نہ ہوئے تو ذمّی بن کر مسلمان نما کافر رہ گئے۔ ایں بحیلہ۔ ہم نے بایزیدؒ کے ایمان کے ذرّے کی جو مثالیں دی ہیں یہ محض تکلّف ہے اور یہ اس ذرّے کی صحیح مثالیں نہیں ہیں۔ آب و روغن کردن۔ بیکار کوشش کرنا۔

۶ ذرّہ۔ شیخ کے نور کو ذرّہ سے تشبیہ دی تھی اب فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ مناسب نہیں ہے۔ منجسم۔ جسم اختیار کرنے والا۔ شارق۔ روشن۔ لاینقسم۔ وہ چیز جو تقسیم نہ ہو سکے۔ کفی۔ تو جھاگ ہے۔ نیّر۔ روشن۔ پستی۔ زمین کا پست حصہ خزانہ بن جائے اور بالائی حصہ

۷ اے عجب۔ اب حیران ہیں کہ شیخ جسم کو کہیں یا روح کو۔ اینست۔ یعنی شیخ اگر جسم ہے۔ چیست آں۔ تو روح کیا ہے۔ آنست۔ یعنی شیخ روح ہے۔

حکایتِ[۱] آں زن کہ گفت شوہر را کہ گوشت را گربہ خوردہ

اُس بیوی کا قصہ جس نے شوہر سے کہا کہ گوشت بلّی کھا گئی

شوہر گربہ را بترازو برکشید گربہ نیم من برآمد گفت اے

شوہر نے بلّی کو ترازو میں رکھا، بلّی آدھا من نکلی، شوہر نے اُس سے

زن گوشت نیم من بود و افزوں اگر ایں گوشت ست

کہا اے بیوی! گوشت آدھا من تھا اور کچھ زیادہ اگر یہ گوشت ہے تو

گربہ کو و اگر ایں گربہ ست گوشت کو

بلّی کہاں ہے اور اگر یہ بلّی ہے تو گوشت کہاں ہے؟

بود مردے کدخدا[۲] او را زنے
ایک گھر والے مرد کی ایک بیوی تھی

سخت طنّاز و پلید و رہزنے
سخت نخرے باز اور ناپاک اور لٹیری

ہر چہ آوردے تلف کردیش زن
وہ جو کچھ لاتا بیوی اُسکو برباد کر دیتی

مرد مضطر بود اندر تن زدن
شوہر چُپ رہنے سے عاجز آگیا تھا

بہرِ مہماں گوشت آورد آں معیل
وہ بال بچوں والا، مہمان کے لئے گوشت لایا

سوئے خانہ با دو صد جہدِ طویل
گھر، دو سو طویل مشقتوں کے ساتھ

زن بخوردش با شراب و با کباب
بیوی نے اُس کو شراب کباب کیساتھ کھالیا

مرد آمد گفت دفعِ ناصواب
شوہر آیا، اُس نے اُس کو غلط جواب دیا

مرد گفتش گوشت کو مہماں رسید
شوہر نے اُس سے کہا گوشت کہاں ہے؟ مہمان آگیا

پیشِ مہماں لوت می باید کشید
مہمان کے سامنے لذیذ کھانا رکھنا چاہیئے

گفت زن کیں گربہ خورد آں گوشت را
بیوی نے کہا" یہ بلّی وہ گوشت کھا گئی

گوشتِ دیگر خر گرت باید ترا
اگر تجھے چاہیئے اور گوشت خرید لا

گفت اے ایبک[۳] ترازو را بیار
اُس نے کہا، او نوکر! ترازو لا

گربہ را من برکشم اندر عیار
میں بلّی کا وزن کروں گا

برکشیدش بود گربہ نیم من
اُس نے اُسکو تولا، بلّی آدھا من تھی

پس بگفت آں مرد کاے محتال زن
تو اُس شوہر نے کہا اے حیلہ گر عورت!

گوشت بُد شش اوقیہ افزوں ازاں
گوشت چھ اوقیہ سے بڑھا ہوا تھا!

گربہ ہم شش اوقیہ ست اے حیلہ داں
اے حیلہ باز! بلّی بھی چھ اوقیہ ہے

گوشت نیم من بود افزوں یک ستیر
گوشت نصف من سے ایک استار بڑھا ہوا تھا

ہست گربہ نیم من ہم اے ستیر
اے پردہ نشین: بلّی بھی نصف من ہے

۱؎ حکایت۔ جس طرح شیخ کے بارے میں حیرانی ہے کہ اگر وہ جسم ہے تو روح کو کیا کہیں اگر روح ہے تو جسم کو کیا کہیں اِسی طرح اُس شوہر کو حیرانی تھی کہ ترازو میں جو تولا ہے اگر وہ بلّی ہے تو گوشت کہاں ہے اور اگر گوشت ہے تو بلّی کہاں گئی۔

۲؎ کدخدا۔ صاحبِ خانہ۔ مرد۔ یعنی شوہر چُپ رہتے رہتے عاجز آگیا تھا۔ معیل۔ بال بچوں والا۔ دفعِ ناصواب۔ غلط جواب۔ لوت۔ عمدہ کھانا۔ گفت زن۔ بیوی نے شوہر کو جواب دیا۔

۳؎ ایبک۔ غلام۔ من۔ دو رطل کا ہوتا ہے رطل آدھ سیر کا ہوتا ہے تو من ایک سیر ہوا اور نیم من آدھ سیر ہوا۔ محتال۔ حیلہ گر۔ اوقیہ۔ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ اوقیہ۔ اوقیہ۔ نیمن۔ آدھا من۔ ستیر پہلے مصرع کے قافیہ میں استار کے معنی میں ہے استار ایک درہم وزن کو کہتے ہیں دوسرے مصرع میں پردہ نشین کے معنی میں ہے۔

ایں[۵۲] اگر گربہ است پس آں گوشت کو
اگر یہ بلی ہے تو پھر گوشت کہاں ہے؟
ور بود ایں گوشت بنما گربہ تو
اور اگر یہ گوشت ہے، تو تو بلی دکھا

بایزیدار ایں بود آں روح چیست
بایزید اگر یہ ہے، وہ روح کیا ہے؟
ور وے آں روح است ایں تصویر کیست
اگر وہ، وہ روح ہیں، یہ صورت کس کی ہے!

حیرت اندر حیرت است اے یار من
اے میرے دوست! حیرت در حیرت ہے
ایں نہ کار تست نے ہم کار من
یہ تیرا کام ہے، نہ میرا کام ہے

ہر دو او باشد ولیک از ریع و زرع
وہ دونوں ہیں، لیکن پیداوار اور کھیتی میں
دانہ باشد اصل واں کہ ہست فرع
دانہ اصل ہے، اور بھوسا فرع ہے

حکمت[۵۳] ایں اضداد را باہم بہ بست
حکمت (خداوندی) نے اِن دو ضدوں کو باہم باندھ دیا ہے
اے قصاب ایں گرد راں با گردن است
اے قصائی! یہ ران کا گردہ گردن سے وابستہ ہے

روح بے قالب نتاند کار کرد
روح بغیر جسم کے کوئی کام نہیں کرسکتی ہے
قالب بیجاں فسردہ بود و سرد
بے روح جسم، ٹھٹھرا ہوا اور ٹھنڈا ہوتا ہے

قالب بیجاں کم از خاک ست دوست
اے دوست! بے روح جسم مٹی سے بھی کم ہے
روح چوں مغز ست و قالب ہمچو پوست
روح گری کی طرح ہے اور جسم چھلکے کی طرح ہے

قالب بے جاں نمی آید بکار
بے روح جسم، کسی کام نہیں آتا ہے
سعی کن جانے بدست آرا اے عیار
اے کھرے! کوشش سے جان حاصل کرلے

قالبت پیدا و آنجاں بس نہاں
تیرا جسم ظاہر ہے اور وہ روح بہت پوشیدہ ہے
راست شد زیں ہر دو اسباب جہاں
دنیا کے کام اِن دونوں سے درست ہوئے ہیں

خاک[۵۴] را بر سر زنی سر نشکند
خاک کو سر پر مارے گا وہ سر کو نہ توڑے گی
آب را بر بر زنی بر نشکند
تو پانی کو جسم پر مارے گا وہ جسم کو نہ توڑے گا

گر تو میخواہی کہ سر را بشکنی
اگر تو چاہتا ہے سر کو توڑ دے
آب را و خاک را برہم زنی
پانی اور مٹی کو آپس میں ملالے

چوں شکستی سر رود آبش باصل
جب تو نے سر پھوڑ دیا اُس کا پانی اصل کیطرف چلا جاتا ہے
خاک سوی خاک آید روز فصل
جُدائی کے دن مٹی مٹی کی جانب آجاتی ہے

حکمتے کہ بود حق را ز ازدواج
باہم ملنے میں اللہ (تعالیٰ) کی جو حکمت تھی
گشت حاصل از نیاز و از لجاج
وہ عاجزی اور سرکشی سے حاصل ہوگئی

باشد[۵۵] آنگہ ازدواجات دگر
وہاں دوسرے ملاپ ہوں گے
لا سَمِعَ اُذُنٌ وَلَا عَیْنٌ بَصَرْ
جن کو نہ کان نے سُنا نہ آنکھ نے دیکھا

[۵۲] ایں۔ یہ جو کچھ تولا ہے اگر بلی ہے تو گوشت کہاں گیا اور اگر گوشت ہے تو بلی کہاں گئی اس لئے کہ یہ تو ایک چیز کا وزن ہے۔ بایزیدؒ اگر ہم بایزیدؒ جسم کو قرار دیں تو روح کو کیا کہیں اور اگر روح کو بایزیدؒ کہیں تو جسم کو کیا کہیں۔ ہر دو۔ جسم اور روح کے مجموعہ کو بایزیدؒ کہیں گے۔ ریع۔ پیداوار۔ دانہ۔ روح بمنزلہ دانہ کے اور جسم بمنزلہ بھوسے کے ہے۔

[۵۳] حکمت۔ اللہ تعالےٰ نے روح اور جسم کو باہمی حکمت کیلئے ملا دیا ہے۔ تقریر۔۔۔ روح جسم کے بغیر بیکار ہے، جسم روح کے بغیر مُردہ ہے۔ قالب۔ جسم روح کا قالب ہے روح مغز ہے اور جسم اس کا چھلکا ہے۔ سعی کن۔ انسان کو روح حاصل کرنی چاہیئے۔ قالبت۔ جسم ظاہر ہے روح مخفی ہے دونوں ہی سے دنیا کا نظام چل

[۵۴] خاک۔ آمیزش سے مقصد براری ہوتی ہے صرف خاک سر نہ پھوڑے گی اس میں پانی کی آمیزش کر کے ڈھیلا بنالو تو سر پھوڑ دیگی۔ بر۔ پہلو، سینہ، بغل۔ روز فصل یعنی جب روح جسم سے جُدا ہوگی، قرآن پاک میں ہے۔ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا۔ بیشک جدائی کا دن مقرر ہے۔ ازدواج۔ یعنی روح اور جسم کا باہمی جوڑ جو دنیا میں لگا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ نیازمندوں اور سرکشوں کا امتیاز ہو جائے۔

[۵۵] باشد آنگہ۔ عالم آخرت میں روح کا جو جوڑ لگے گا وہ نہ

گر شنیدے اُذن کے ماندے اُذن ‏ ‏ یا کجا کردے دگر ضبطِ سخن

اگر کان سنتا، کان کب رہتا؟ ‏ ‏ یا پھر دوسری بات کہاں محفوظ رکھتا؟

گر بدیدے برف و یخ خورشید را ‏ ‏ از یخی برداشتے اُمید را

اگر برف اور یخ، سورج کو دیکھ لیتا ‏ ‏ یخ پن سے اُمید ہٹا لیتا

آب گشتے بے عروق و بے گرہ ‏ ‏ کز لطف از باد میگشتے زرہ

بغیر رگوں اور بغیر گرہ کا پانی بن جاتا ‏ ‏ جو ہوا کی لطافت سے زرہ (کی طرح) بن جاتا

پس[۳] شدے درمانِ جانِ ہر درخت ‏ ‏ ہر درختے از قدومش نیکبخت

پھر وہ ہر درخت کی جان کا علاج بن جاتا ‏ ‏ اُس کی آمد سے ہر درخت نیک بخت ہو جاتا

واں یخے بفسردہ در خود ماندہ ‏ ‏ لامساسے با درختاں خواندہ

ٹھٹھرے ہوئے عاجز یخ نے ‏ ‏ نہ چھو درختوں پر پڑھ دیا ہے

لَیْسَ یَاْلِفُ لَیْسَ یُؤْلَفُ جِسْمُہٗ ‏ ‏ لَیْسَ اِلَّا شُحَّ نَفْسٍ قِسْمُہٗ

اُس کا جسم نہ محبت کرتا ہے نہ محبت کیا جاتا ہے ‏ ‏ اُس کا حصہ سوائے نفس کے بخل کے کچھ نہیں ہے

نیست ضائع زو شود تازہ جگر ‏ ‏ لیک نبود پیکِ سلطانِ خضر

وہ بیکار نہیں ہے اُس سے جگر تازہ ہوتا ہے ‏ ‏ لیکن وہ سبزی کے شہنشاہ کا قاصد نہیں ہے

کان نے سُنا ہے نہ آنکھ نے دیکھا ہے۔ گر شنیدے۔ اگر کان اُس کی حقیقت سُن لے تو فنا ہو جائے یا اُس کی قوتِ سماعت جاتی رہے۔ گر بدیدے۔ کان اسی طرح فنا ہو جائے جس طرح برف اور یخ سورج سے فنا ہو جاتا ہے۔ برف۔ برفانی ممالک میں جاڑے میں روئی جیسی چیز آسمان سے گرتی ہے ایک روئی کے گالوں کی طرح کی چیز ہے اس کو برف کہتے ہیں اور ایک کانچ جیسی چیز اولے کی طرح کی ہے اس کو یخ کہتے ہیں۔ بے عروق۔ یخ کی لڑیاں جیسی ہیں۔ ز لطفِ باد۔ ہوا کی لہریں پانی کی سطح کو موجوں کے زرہ کی طرح بناتی ہیں۔ [۳] پس شدے۔ برف اور یخ سے درخت جل جاتے ہیں پانی سے پرورش پاتے ہیں۔ یخ۔ یخ سامری کی طرح درخت کو کہتا ہے مجھے نہ چھونا۔ لیس۔ نہ معنیات کا جز بنتا ہے نہ نباتات کو وہ خوشگوار لگتا ہے۔ شُحّ۔ بخل یعنی برف اور یخ درختوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔ نیست ضائع لیکن کوئی شخص برف اور یخ کو بیکار نہ کہے اُس سے ٹھنڈا کر کے پانی پیا جائے تو جگر میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ خضر۔ سبزی۔

شرح اوپر بیان تھا کہ ایاز کی غلامی پر احرار کو رشک ہوتا ہے۔ اب مولانا اس مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ایاز حقیقی بندہ تھا۔ اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ احرار کو اس کی بندگی پر رشک ہوتا تھا۔ اور وہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی چاہتے تھے۔ یوں ہی مومن اور حق سبحانہٗ کا عبدِ حقیقی وہ ہے جس کی ہر اچھی اور بری حالت میں یہ حالت ہو کہ کفار جو کہ حق سبحانہٗ کے نافرمان بندہ ہیں ان کو بھی .... ان کے ایمان اور ان کی بندگی پر رشک آئے اور ان کو اس کی آرزو ہو۔ شاید تم کہو کہ ایسا کون ہو سکتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ استبعاد صحیح

نہیں - کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانہ میں ایک کافر تھا اس سے
کسی نیک بخت مسلمان نے کہا کہ تمہارا کیا نقصان ہے اگر تم مسلمان ہوجاؤ اور اس ذریعہ سے
تم نجات اُخروی اور شرف عنداللہ حاصل کرو - اس نے جواب دیا کہ جناب اگر ایمان اور
اسلام اسے کہتے ہیں - جو بایزید کو حاصل ہے تو واقعی بات یہ ہے کہ اسلام اچھی چیز ہے
اور مجھے مسلمان ہوجانا چاہیئے لیکن میں اپنے اندر اس کی طاقت نہیں دیکھتا - کیونکہ
وہ ہمارے مساعی سے بالاتر ہے - لہٰذا میں معذور ہوں - یہ ضرور ہے کہ میں مسلمان
نہیں لیکن مجھے ان کے ایمان کا اعتقاد ہے اور میں اسکی تصدیق رکھتا ہوں کہ اس زمانہ
میں وہ سب سے فائق ہے - اور نہایت پاکیزہ اور بارونق اور باشان و شوکت ہے - اور میں
دل سے ان کے ایمان کی تصدیق کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ان کا دین نہایت سچا
ہے - گو تیرے منہ پر مضبوط مہر ہے اور میں زبان سے اس دین کی حقانیت کا اعتراف
نہیں کرتا - اور اگر ایمان یہ ہے جو تم کو حاصل ہے اور جس کو تم ایمان کہتے ہو - سو جناب
مجھے اس ایمان کی خواہش ہے اور نہ اسکی طرف رغبت - آپ مجھے معاف رکھیئے -
سو صاحبو! ایمان اسے کہتے ہیں جس کو کافر بھی تسلیم کرلیں کہ یہ ایمان ہے اور اس
کے آرزو مند ہوں نہ کہ تمہارا ایمان - تمہارے ایمان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو
ایمان کی طرف بہت کچھ میلان ہو تو تمہارے ایمان کو دیکھ کر اس کا دل بھی بُجھ جائیگا
اُسکی کسی کو رغبت پیدا ہونا تو درکنار - کیونکہ وہ تمہارے اندر صورت ایمان تو پائے گا مگر
حقیقت نہ پائے گا - لہٰذا وہ اس لفظ کو بے معنی اور برعکس نہند نام زنگی کافور کا
مصداق سمجھے گا - اور ایسا پائیگا جیساکہ بیابان (مقام خالی عن فوزالمرام) کو مفازہ
(محل فوز) کہا جاتا ہے - لہٰذا جب وہ تمہارے ایمان پر نظر کریگا - تو اسکی ایمان لانے
کے شوق کا جوش فوراً ٹھنڈا ہوجائے گا - اب ہم تمہیں اس کے مناسب ایک حکایت
سُناتے ہیں - تم اس کو سُنو اور اس کی صورت کو چھوڑ کر معنی اور مقصود کو لے لو -
ایک مؤذن کریہہ الصوت تھا وہ رات کو تمام رات چلاتا رہتا تھا - اُس نے لوگوں پر
سونا حرام کردیا تھا - اور اس کی آواز سے تمام لوگوں کے سر میں درد رہنے لگا تھا - بچوں

کی یہ حالت تھی کہ رات کو بستر پر پڑے ہوئے ڈرتے تھے اور مرد اور عورتیں سب اُس کے
ہاتھوں مصیبت میں تھیں۔ آخر وہ لوگ چندہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ تاکہ اس زحمت اور بیداری
کو دور کیا جائے اور انہوں نے چندہ کر لیا۔ جب ایک معقول رقم اکٹھی ہوگئی تو انہوں نے
اس مؤذن کو بلایا اور اسکو وہ روپے دیدے اور کہا کہ جناب! آپ کی اذان سے ہم سیر
ہوگئے ہیں۔ آپنے رات دن ہم پر بہت کرم کیا ہے۔ پس جبکہ آپ کی جانب سے
ہم سب کو یہ دولت ملی ہے کہ ہماری نیند جاتی رہی۔ تو اب گذارش ہے کہ آپ براہِ مہربانی
کچھ دنوں کے لیے زبان کو بند رکھیئے۔ تاکہ ہم کو کسی قدر راحت نصیب ہو۔ اور اس کے
عوض میں ہم سے یہ روپے لیجئے۔ اور ہمارے لیے یہ دعا کرتے رہیئے۔ یہ سُنکر اُس نے
روپے لئے اور خاموش ہو رہا — اتفاقًا ایک قافلہ حج کے لیے کعبہ کو جا رہا تھا وہ
بھی اس قافلہ کے ہمراہ چلدیا۔ رات کے وقت اس قافلہ نے کافروں کے ایک شہر میں
قیام کیا۔ اس مؤذن نے جو کہ اپنی آواز کا عاشق تھا وہاں اذان دینی شروع کی۔ لوگوں نے
اُس سے بہت کچھ کہا کہ میاں یہاں اذان نہ کہو خواہ مخواہ جنگ و جدل برپا ہو جائے گی اور طول
طویل دشمنی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ یہ سُنکر وہ لڑنے لگا اور بے کھٹکے اذان کہہ
دی۔ لوگوں کو ڈر ہوا کہ مبادا کوئی فتنہ برپا ہو لیکن شور و شر کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ ایک کافر
کپڑے وغیرہ لیے ہوئے آیا وہ شمع اور کچھ شیرینی اور کچھ عمدہ کپڑے ہدیۃً لے کر دوستانہ
پوچھتا ہوا آیا کہ صاحبو! ذرا یہ بتلا دو کہ وہ مؤذن کہاں ہے جس کی آواز سے ہمیں بیحد
راحت پہنچی۔ لوگوں نے تعجب سے کہا کہ جناب! اُس بھدی آواز سے کون سی راحت ہوگی
جو اس بت خانہ میں پہنچی ہوگی۔ یعنی نہ تو اس کی آواز ہی اچھی ہے جس سے کسی کو راحت
ہو اور نہ یہاں کے لوگ ہی ایسے ہیں جن کو اللہ کے نام سے راحت ہو۔ پھر وہ کیا راحت
ہے جو تم کو پہنچی اس نے جواب دیا کہ میرے ایک لڑکی ہے جو نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کی
ہے۔ اسکو مسلمان ہونے کی خواہش تھی اور یہ خیال کسی طرح اُسکے دل سے نہ نکلتا
تھا۔ لوگ اسکو بہت کچھ سمجھاتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ مانتی تھی کیونکہ اسکے دل میں
ایمان کی محبت پیدا ہو چکی تھی اس کا مجھے نہایت رنج تھا اور یہ غم گویا کہ میرے لیے

انگیٹھی تھا اور میں اسکی لیے عود۔ پس میں بہت کچھ تکلیف اور مصیبت میں تھا
کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ اسکی خیالات میں یومًا فیومًا ترقی ہوتی جاتی ہے اور مجھے اس کی
کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ تاآنکہ اس مؤذن نے اذان کہی اس کو اس لڑکی نے سُنا۔
اور کہا کہ یہ مکروہ آواز کیسی ہے جس کی کچھ بھنک میرے کانوں میں پڑی ہے میں نے
تو تمام عمر ایسی مکروہ آواز اپنے بت خانہ میں نہیں سُنی اُس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی
آواز مسلمانوں کے دین کا طریقہ ہے اور اسکی وہ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع کرتے
ہیں اُس کو اس کہنے کا یقین نہ آیا۔ اسلئے اس نے کسی اور سے پوچھا اسنے کہا میرے
چاند! یہ بات بالکل ٹھیک ہے جب کہ اسکو یقین ہوگیا تو اس کا چہرہ زرد ہوگیا اور اسلام
کی طرف سے اس کا دل سرد ہوگیا۔ اس طرح مجھے اس پریشانی اور تکلیف سے نجات
ہوئی اور رات میں خوب چین سے سویا۔ یہ وہ راحت تھی جو مجھے اسکی آواز سے پہنچی
اور اسلئے میں اُس کے لیے ہدیہ لایا ہوں تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے آخر کار لوگوں نے
اسے بتلادیا ہے کہ وہ حضرت یہ ہیں۔

جب اسنے اسے دیکھا تو کہا کہ جناب! یہ ہدیہ قبول فرمایئے کیونکہ آپ نے
مجھے اس غم سے پناہ دی ہے اور اس مصیبت میں میری دستگیری فرمائی ہے
آپنے جو مجھ پر احسان اور میرے ساتھ سلوک کیا ہے اسکی میں ہمیشہ کے لیے آپکا
غلام ہوگیا ہوں۔ اگر میں مال اور ملک اور دولت میں یکتا ہوتا تو تمہارا منہ اشرفیوں
سے بھر دیتا۔ مگر کیا کیجیئے کہ غریب ہوں۔ اور اسلئے اسسے زیادہ خدمت نہیں
کرسکتا۔ پس صاحبو! جس طرح اس مؤذن کی اذان اس لڑکی کے لئے
راہزن ہوگئی تھی یوں ہی تمہارا ایمان بھی کفار کے لیے راہزن ہے کیونکہ وہ ایک
دھوکا اور مجازًا ایمان ہے نہ کہ اصلی اور حقیقی۔

خیر تو اس کافرنے کہا کہ مجھے تمہارے ایمان کی طرف تو میلان نہیں ہے
ہاں بایزیدؒ کے ایمان اور ان کی سچائی سے میرے دل وجان میں یہ آرزو ہے کہ
ایسا ایمان مجھے حاصل ہوجائے اس کافر کا یہ کہنا اس عورت کے مقولہ کے

مشابہ تھا جس نے گدھے کو جماع کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ ارے واہ کیا کہنا ہے اس یکتا نر کا۔ اگر جماع یہ ہے جو گدھے کرتے ہیں تو میں کہتی ہوں کہ ہمارے شوہر ہم سے جماع نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارے فرج پر بگتے ہیں۔

القصہ میں کہتا ہوں کہ بایزیدؒ ایمان کا کما حقہ حق ادا کر دیا شاباش ہے اس یکتا شیر خدا کو۔ ان کے ایمان کا اگر ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سمندر اس قطرہ میں غرق ہو جائے۔ جیسے کہ آگ کی ایک چنگاری بن میں جا پڑتی ہے تو سارا بن بھسم ہو جاتا ہے۔ یا جیسا کہ بادشاہ یا فوج کے دل میں ایک خیال آتا ہے۔ تو وہ خیال جنگ میں دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

دیکھو! آفتاب ایمان کا ایک ستارہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر رونما ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کفار کا کفر فنا ہو گیا۔

(فائدہ: اس پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایمان نعوذ باللہ کامل نہ تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم کمال سے کیا مراد ہے آیا یہ کہ دوسری مخلوق انسان یا جنات یا ملائکہ سے کم تھا۔ تو یہ مضمون نہ اس شعر سے مفہوم ہوتا ہے۔ نہ واقع میں ایسا تھا۔ بلکہ آپ کا ایمان تمام مخلوق کے ایمان سے اکمل تھا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ گو آپ کا نور ایمان تمام مخلوق کے نور ایمان سے بڑھا ہوا تھا مگر وہ کُل نورِ ایمان کا ایک قلیل حصہ تھا تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ نور ایمان کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ اور جو نور آپ کو حاصل تھا وہ اس کا ایک خاص مرتبہ تھا جس کے اوپر مراتب غیر متناہیہ ہیں۔

اور اس آفتاب کا ایک ستارہ جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں واقع ہوا تھا اتنا بڑھا تھا جس سے تمام مشرق اور مغرب کی ظلمتِ کفر فنا ہو گئی تھی کیونکہ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کا کفر تو فنا ہی ہو گیا تھا اور وہ تو اس سے مامون ہی ہو گئے تھے رہ گئے اور لوگ سو اُن کے کفر بھی تذبذب میں آ گئے

تھے کیونکہ کم سے کم حقیقتِ اسلام کا شبہ تو ہر ایک کو پیدا ہو ہی گیا تھا۔
الغرض؛ وہ پہلا کفر محض باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ اس کی جگہ یا اسلام آگیا تھا یا یہ کھٹکا کہ شاید اسلام ہی حق ہو جائے گیر ہو گیا تھا۔ ہماری تشبیہات سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ نورِ ایمان کی مثلیں ہیں۔ نہیں بلکہ تمثیلات اور تشبیہات ہیں۔ اور محض تقریب فہم کے لیے یہ تکلف کیا گیا ہے اور کبھی اسکو آگ سے تشبیہ دیگئی ہے۔ کبھی پانی سے اور کبھی خیال سے اور کبھی آفتاب اور ستارہ سے یہ اشیاء۔ نورِ ایمان کے تو کیا برابر ہوتیں۔ یہ تو اس ذرہ کے برابر بھی نہیں۔
اور ہم نے جو اس کے لیے ذرہ قرار دیا ہے یہ بھی محض تقریبِ فہم کے لیے ہے ورنہ ذرہ تو جسم کے لیے ہوتا ہے جو کہ قابل انقسام ہے۔ اور ناقابلِ انقسام شئے کے لیے ذرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نورِ ایمان ناقابلِ انقسام ہے تو اس کے لئے ذرہ نہیں ہو سکتا۔ پس ذرہ نور ایمان سے ہمارے مراد اس کا ایک ضعیف اور خفی مرتبہ ہے مگر تو مچھلیوں کی طرح بحرِ معرفت کا محرم راز نہیں بلکہ اس کے لیے بمنزلہ خس و خاشاک کے ہے اسلئے ان تمثیلات کی ضرورت پڑتی ہے۔
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب ہم پھر حالت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا ایمان اتنا کامل ہے کہ اگر وہ آفتاب روشن (ایمان شیخ) مشرق جان شیخ سے طالع ہوا اور عالم پر اپنا اثر ڈالے تو تمام عالم سفلی تحت الثریٰ تک گنج معرفت سے مملو ہو جائے اور تمام علوم علوی معارف کی ایک سرسبز جنت بن جائے۔ اس کے اندر دو چیزیں ہیں۔ ایک نور روشن کی بنی ہوئی روح۔ اور ایک ناچیز مٹی کا بنا ہوا جسم۔
میں شیخ کی تعریف کرتا ہوں مگر میں حیران ہوں کہ بایزید کون ہے آیا روح یا جسم؛ اور میں اس اشکال اور اس کے حل کی فکر میں پڑ گیا ہوں۔ اچھا تم بتلاؤ کہ بایزید کون ہے اگر وہ جسم ہے تو پھر روح کیا چیز ہے جس کے نور نے

ہفت آسمان کو پُر کر دیا ہے اور اگر وہ روح ہے تو پھر جسم کیا ہے۔

غرضکہ میں حیران ہوں کہ ان دونوں میں سے بایزید کون ہے اور یہ میرا سوال ایسا ہے جیسا ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک شخص کی شادی ہوچکی تھی اور اسکی بیوی نہایت نخرہ باز اور گندی اور غارت گر تھی۔ چنانچہ وہ جو کچھ لاتا وہ اسے ضائع کر دیتی تھی اور وہ شخص مجبوراً خاموش ہو جاتا تھا۔ اتفاقاً وہ عیالدار شخص ایک مہمان کے لیے بڑی کوشش سے گھر میں گوشت لایا اور کہا کہ اسے پکا دینا عورت نے اسے شراب کباب میں اڑا دیا جب مرد آیا اور گوشت مانگا تو اس نے ایک غلط جواب دیدیا۔ یعنی جب اس نے کہا کہ مہمان آگیا ہے لاؤ وہ گوشت کہاں ہے کیونکہ اب ضرورت ہے کہ مہمان کے سامنے کھانا لے جایا جائے تو عورت نے ایک بلی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گوشت تو یہ بلی کھا گئی اگر ضرورت ہو تو اور گوشت لے آؤ۔ اس نے غلام کو حکم دیا کہ ذرا ترازو لانا۔ میں بلی کو تولوں وہ ترازو لے آیا اور بلی کو تولا۔ تو بلی آدھ سیر کی اُتری۔ اس پر اس نے کہا کہ اے مکار عورت، گوشت چھ اوقیہ بلکہ اس سے زیادہ تھا اور بلی صرف چھ اوقیہ ہے اور گوشت ایک استار اوپر آدھ سیر تھا۔ اور بلی صرف آدھ سیر ہے اب اگر یہ بلی ہے تو بتلا گوشت کہاں ہے اور اگر یہ گوشت ہے تو بلی دکھا کہاں ہے۔ پس میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر بایزیدؒ جسم ہے تو بتلاؤ روح کیا ہے اور اگر بایزید روح ہے تو یہ پیکر جسمانی کون ہے۔

غرضکہ یہ سخت حیرت کا مقام ہے اور اس عقدہ کو حل کرنا نہ تمہارا کام ہے نہ میرا کام۔ بلکہ یہ کام حق سبحانہٗ کا ہے جو کہ حقائق اشیاء کو جانتے ہیں پورے طور پر تو اسکو وہی حل کر سکتے ہیں مگر جس قدر بھی علم عطا کیا گیا ہے اسکے موافق میں بھی کچھ کہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میرے نزدیک بایزید دونوں کا مجموعہ ہے مگر فرق اتنا ہے کہ روح جزو مقصود ہے اور جسم جزو غیر مقصود۔ جیسا کہ پیداوار اور کھیتی میں دانہ مقصود ہوتا ہے اور بھوسہ تابع ہے۔ رہی یہ بات کہ روح اور جسم اپنے صفات کے لحاظ سے متضاد ہیں تو انکو

یکجا کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اجتماع میں ایک خاص حکمت ہے اور وہ حکمت ان کے تعلق باہمی کو مقتضی ہوتی ہے۔
شرح اس حکمت کی یہ ہے کہ روح بدون جسم کام نہیں کر سکتی اور جسم بے جان کے جماد محض ہے۔ پس ضرور ہوا کہ ان دونوں کو یکجا جمع کیا جائے تاکہ اعمال کا وجود ہو سکے اور امتحان متصور ہو۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں کہ دیکھو! قالب بے جان مٹی سے بھی بدتر ہے اور روح اسکی لیے بمنزلہ مغز کے ہے اور وہ بمنزلہ پوست کے۔ اور جس جسم میں جان نہ ہو وہ کسی کام کا ہی نہیں پس تم کوشش کر کے جان حاصل کرو (فائدہ) مقصود یہ ہے کہ تمہاری جان غلبہ صفات جسمانیہ و نفسانیہ کے سبب حکم میں جسم کے ہو گئے ہے اسلئے اب تم بمنزلہ جسم کی جان کے ہو پس تم اوصاف جسمانیہ کو مغلوب کر کے صفاتِ روحانیہ کو غالب کرو۔ تاکہ تم جاندار اور زندہ کہلا سکو۔
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ حق سبحانہ نے باقتضاء حکمت تمہارے اندر روح اور جسم دونوں کو جمع کر دیا ہے اور جسم تمہارا ظاہر ہے مگر روح نہایت مخفی اس سے دین و دنیا کے کام درست ہو گئے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پھر یہ کام نہ ہو سکتے تھے۔
کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ نہ ان کاموں کا سرانجام صرف روح سے ہو سکتا ہے نہ صرف جسم سے اسلئے روح اور جسم کی ایسی مثال ہے جیسے پانی اور مٹی کی۔ کہ اگر تم صرف خاک کو سر پر مارو۔ تو اس سے سر نہ پھوٹے گا اور اگر صرف پانی کو پہلو پر مارو تو اس سے پہلو نہ ٹوٹے گا۔ بلکہ اگر تم سر کو پھوڑنا چاہتے ہو تو پانی اور مٹی کو ملا لو۔ اس سے سر ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر تم چاہو۔ کہ کام کرو۔ تو یہ نہ صرف روح سے ہو سکتا ہے نہ صرف جسم سے۔ بلکہ اسکے لیے ضرورت ہے دونوں کے ملانے کی۔ تاکہ اعمال متصور ہو سکیں اب سنو! کہ جب تم پانی اور مٹی کو ملا کر سر پھوڑ دو گے تو اس وقت اس کے اجزاء جدا ہو جائیں گے اور پانی اپنے کرہ میں چلا جائے گا اور مٹی اپنے کرہ میں پہنچ جائے گی۔ یوں ہی جب اعمال مقدرہ ختم ہو جائیں گے اس وقت روح اور جسم میں افتراق ہو جائے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے مسکن کی طرف لوٹ جائیگا

کیونکہ جو حکمت حق سبحانہٗ کے ملاپ میں تھی وہ حاصل ہو گئی ہیں اور جس کو طاعت اور معمولی منافع لوگوں کو پہنچتے ہیں اسلئے بیکار ان کا وجود بھی نہیں ہے۔

اے[1] ایاز استارۂ تو بس بلند ۔۔۔ نیست ہر برجے عبورش را پسند
اے ایاز! تیرا ستارہ بہت بلند ہے ۔۔۔ ہر برج اس کے عبور کا پسندیدہ نہیں ہے

ہر وفا را کے پسندد ہمتت ۔۔۔ ہر صفا را کے گزیند صفوتت
تیری ہمت ہر وفا کو کب پسند کرتی ہے؟ ۔۔۔ تیری صفائی ہر صفائی کو کب منتخب کرتی ہے؟

[1] لے ایاز۔ یہاں سے پھر ایاز کے قصہ کی جانب رجوع کیا ہے۔ برج۔ ستارے کا محور۔ ہر وفا۔ ایاز میں خاص وفاداری اور خاص تسلیم کا اخلاص تھا

شرح

یہ اشعار حسرت آزادگاں شد بندگی الخ سے مرتبط ہیں جو کہ بذیل سرخی فرمودن شاہ با ایاز۔ بار دیگر الخ واقع ہے اور تتمہ ہے تعریف محمود کا۔ اور حل اشعار یہ ہے کہ ایاز! تیرا ستارہ بہت بلند ہے جو اپنے عبور کے لیے ہر برج کو پسند نہیں کرتا یعنی تو اور لوگوں سے بہت ممتاز ہے اور تیرا طالع ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ نہیں ہے جو اوروں کے لیے طالع ہیں بلکہ وہ ان سے بہت اونچا ہے اور وہ ایسے ویسے برجوں میں گذرنا بھی پسند نہیں۔ بلکہ اس کے عبور کے لیے کوئی اور ہی برج ہیں جو بروج متعارفہ سے جداگانہ ہے (خلاصہ یہ ہے کہ تو اپنے اوصاف خلقیہ و خلفیہ میں دوسرے لوگوں سے نہایت ممتاز ہے اسلئے کہ گویا کہ تیرا طالع ولادت ہی کچھ اور ہے اور وہ نہیں ہے جو اوروں کا ہوتا ہے۔) تیری ہمت عالی ہر وفا کو کب پسند کرتی ہے اور تیرا انتخاب ہر صفا کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی لیے خاص وفا اور خاص صفا کی ضرورت ہے اور تیری مثال ایسی ہے جیسے اس زاہد کی جو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ جس میں شراب حلال تھی۔ لیکن وہ باوجود حکمت کے شراب خواری کو پسند نہ کرتا تھا۔ قصہ اس کا حسب ذیل ہے۔

حکایتِ آں امیر کہ غلام را گفت مے بیار، غلام رفت و سبوئے

اُس امیر کی حکایت۔ جس نے غلام سے کہا شراب لے آ، غلام گیا اور شراب

مے آورد، در راہ زاہدے بُود امرِ معروف کرد، سنگے بزد و سبو

کی ٹھلیا لا رہا تھا راستے میں ایک زاہد تھا جس نے بھلائی کا حکم کیا، پتھر مارا

را بشکست، امیر بشنید قصدِ ہلاک و گوشمالِ زاہد کرد، زاہد

اور ٹھلیا کو توڑ دیا، امیر نے سُنا زاہد کو ہلاک کرنے اور سزا دینے کا ارادہ کیا

گریخت ایں قصہ در عہدِ عیسیٰ علیہ السلام بُود کہ ہنوز

زاہد بھاگ گیا، یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا تھا کہ اُس وقت تک

مے حرام نشدہ بُود لیکن زاہد تقذّر[2] میکرد و از لذّت

شراب حرام نہ ہوئی تھی، لیکن زاہد گھن کرتا تھا اور مزے اڑانے اور

و تنعّم منع می کرد

عیش پرستی سے روکتا تھا

بُود امیرے خوش دلے مے بارہ — کہفِ ہر مخمور و ہر بیچارہ

ایک امیر خوش دل، شراب دوست تھا — ہر شرابی اور ہر بے کس کا سہارا تھا

مشفقے مسکیں نوازے عادلے — گہرے زر بخشے و دریا دلے

مہربان، غریب پرور، منصف تھا — سخی، سونا عطا کرنے والا اور دریا دل تھا

شاہِ مرداں و امیر المومنیں — راہ بان[3] و راز دان و دور بیں

بہادروں کا شاہ، مومنوں کا امیر تھا — راستے کا محافظ اور بھید سے واقف اور دور بین تھا

دورِ عیسیٰ بود و ایامِ مسیح — خلق دلدار و کم آزار و ملیح

حضرت عیسیٰ کا دور تھا اور حضرت مسیح کا زمانہ تھا — لوگ دلدار اور نہ ستانے والے اور خوش مزاج تھے

آمدش مہماں بناگاہاں شبے — ہم امیرِ جنسِ او خوش مذہبے

ایک رات اچانک اُس کے پاس مہمان آیا — جو اسی جیسا حاکم اور دیندار تھا

بادہ[5] می بایست شاں در نظمِ حال — بادہ بُود آں وقت ماذون و حلال

اُن کو حالت کی باقاعدگی کے لئے شراب درکار تھی — اُس وقت شراب جائز اور حلال تھی

بادہ شاں کم بُود گفتا اے غلام — رَو سبو پُر کن بما آور مُدام

اُن کی شراب کم تھی اور اس نے کہا اے غلام! — جا ٹھلیا بھر، ہمارے پاس شراب لے آ

از فلاں راہب کہ دارد خمرِ خاص — تا ز خاص و عام یابد جان خلاص

فلاں راہب کے پاس سے کیونکہ وہ مخصوص شراب رکھتا ہے — تاکہ عوام و خواص سے جان کو چھٹکارا حاصل ہو

حکایت۔ جس طرح ایاز کا خلوص اور دوسرا عام خلوص اور وفا سے برتر تھا اس حکایت سے یہ جتاتا ہے کہ مختلف پرہیزگاروں کی پرہیزگاری میں بھی بڑا فرق ہے۔

تقذر۔ گھناؤنا سمجھنا۔ تنعم۔ عیش پرستی۔ مے بارہ۔ شراب کو محبوب رکھنے والا۔ کہف۔ غار، ملجا و ماوا۔ گہر۔ سخی۔ شاہ مرداں۔ بہادر۔

راہ بان۔ راستے کا محافظ۔ دورِ عیسیٰ۔ حضرت عیسیٰ مسیح کا زمانہ پیار و محبت کا زمانہ تھا۔ ہم جنس۔ یعنی وہ بھی اسی طرح کا امیر اور مذہبی تھا جیسا کہ میزبان تھا۔

بادہ۔ وہ لوگ دیندار تھے اور شراب استعمال کرتے تھے چونکہ حضرت عیسیٰ کے دور میں شراب حلال تھی۔ ماذون۔ جس کو اجازت حاصل ہو۔ مدام۔ شراب۔ راہب۔ نصرانی عبادت گزار جس نے دنیا ترک کرکے گرجا گھر میں اقامت کرلی ہو، رہبان اس کی جمع ہے۔ خلاص۔ یعنی اور دوسرے خریدار کی ضرورت نہ پڑے۔

جرعہ زاں جامِ راہب آں کُند — کہ ہزاراں جرّہ و خمداں کُند
اس راہب کے جام کا ایک گھونٹ وہ کرتا ہے — جو ہزاروں ٹھلیاں اور مٹکے کرتے ہیں

اندراں مے مایۂ پنہانی ست — آنچناں کاندر عبا سلطانی ست
اس شراب میں ایک سرمایہ پوشیدہ ہے — جس طرح چوغہ میں شہنشاہی ہے

تو بدلقِ[۲] پارہ پارہ کم نگر — کہ سیہ کردند از بیرونِ زر
تو پھٹی پرانی گدڑی کو نہ دیکھ — کیونکہ اوپر سے سونے کو کالا کر دیا ہے

از برای چشمِ بد مردود شد — در بروں آں لعل دُود آلود شد
بد نظری کی وجہ سے وہ ناپسند بنا ہے — اور باہر سے وہ لعل دھویں سے آلودہ ہے

گنج و گوہر کے میانِ خانہاست — گنجہا پیوستہ در ویرانہاست
خزانہ اور گوہر گھروں میں کہاں ہے! — خزانے ویرانوں سے وابستہ ہیں

گنجِ آدمؑ چوں بویراں بُد دفیں — گشت طینش چشم بندِ آں لعیں
(حضرت) آدمؑ کا خزانہ چونکہ ویرانہ میں دفن تھا — اس کی مٹی اس لعین کی آنکھ کا پردہ بن گئی

او نظر[۳] میکرد در طینِ مُستِ سست — جاں ہمی گفتش کہ طینم سدِ تست
وہ مٹی کو حقارت سے دیکھتا تھا — روح اس سے کہتی تھی کہ میری مٹی تیری روک ہے

دو سبو بستد غلام و خوش دوید — در زماں در دیرِ رہباناں رسید
غلام نے دو ٹھلیاں لیں اور تیز دوڑا — فوراً راہبوں کے گرجا گھر میں پہنچ گیا

زر بداد و بادۂ چوں زر خرید — سنگ داد و در عوض گوہر خرید
سونا دیا اور سونے جیسی شراب خرید لی — پتھر دیا اور بدلے میں گوہر خرید لیا

بادۂ کاں بر سرِ شاہاں جہد — تاجِ زر بر تارکِ ساقی نہد
وہ شراب جو بادشاہوں کے سر میں اثر کرتی ہے — ساقی کے سر پر سونے کا تاج رکھ دیتی ہے

فتنہا[۱] و شورہا انگیختہ — بندگان و خسرواں آمیختہ
فتنے اور شور برانگیختہ کر دیتی ہے — غلاموں اور شاہوں کو ملا دیتی ہے

استخوانہا رفتہ جملہ جاں شدہ — تخت و تختہ آں زماں یکساں شدہ
ہڈیاں ختم ہو جاتی ہیں سب کچھ جان بنتا ہے — اس وقت تخت اور تختہ یکساں ہو جاتا ہے

وقتِ ہشیاری چو آب و روغن اند — وقتِ مستی ہمچو جاں اندر تن اند
(انسان) ہوش کے وقت پانی اور تیل کی طرح ہیں — مستی کے وقت جسم میں جان کی طرح ہیں

چوں ہریسہ لحم و گندم غرق ہم — ہیچ سبقے نے در ایشاں فرق ہم
جیسا کہ ہریسہ، گوشت اور گیہوں باہمی غرق ہیں — انہیں کوئی دوڑ نہیں، نہ انہیں باہمی فرق ہے

جرّہ۔ ایک گھونٹ۔ جرّہ۔ ٹھلیا۔ خمداں۔ اس راہب کی شراب میں ایک مخفی سرمایہ ہے، جس طرح عبا میں سلطانی مخفی ہوتی ہے۔

[۲] تو بدلق۔ فقرا کی گدڑی کو حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے فقرا کی گدڑی میں وہ سلطانی ہوتی ہے جو شاہوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ کہ سیہ۔ سونے کو اوپر سے کالا کر دیا جاتا ہے تاکہ اسکو کوئی نہ چرائے۔ مردود۔ نظر بد سے بچانے کے لئے سونے کو اوپر سے کالا کر دیا جاتا ہے لعل۔ لعل کو بھی دھویں سے آلودہ کر دیا جاتا ہے۔ گنج۔ حضرت آدمؑ کی روح چونکہ جسم کی مٹی میں تھی وہ مٹی شیطان کی آنکھ کا پردہ بن گئی۔

[۳] او نظر۔ شیطان کی نظر صرف مٹی پر تھی سُستد۔ روک۔ دیر۔ یعنی گرجا گھر۔ زر بداد۔ اشرفیوں سے عمدہ قسم کی شراب خریدلی سنگ داد۔ سونا پتھر میں سے نکلتا ہے۔ بادہ۔ شاہ جیسی قسم کی شراب ہے

[۱] فتنہا۔ شراب شور و شر پیدا کرتی ہے اور آقا اور غلام کا امتیاز مٹا دیتی ہے استخوانہا۔ شراب پی کر انسان مجسم جان بن جاتا ہے۔ تخت یعنی شاہی تخت۔ تختہ۔ یعنی پھانسی کا تختہ۔ وقتِ ہشیاری۔ ہوش کے وقت آدمیوں میں ایسا بیر ہوتا ہے جیسا کہ تیل اور پانی میں اور مستی کے وقت سب ایک جان ہو جاتے ہیں۔ ہریسہ۔ حلیم کی طرح کا کھانا ہے جس میں گوشت اور

چوں ہریسہ گشت آنجا فرق نیست
جب ہریسہ بن گیا وہاں کوئی فرق نہیں ہے

نیست فرقے کاندر آنجا غرق نیست
کوئی ایسا فرق نہیں ہے جو وہاں غرق نہ ہو گیا ہو

این چنیں بادہ ہمی برد آں غلام
وہ غلام اس طرح کی شراب لے جا رہا تھا

سوی قصر آں امیر نیک نام
نیک نام امیر کے محل کی جانب

پیش آمد زاہدے غم دیدہ
ایک غموں کا مارا زاہد سامنے آ گیا

خشک مغزے در بلا پیچیدہ
جس کا دماغ خشک ہو گیا تھا مصیبت میں پھنسا ہوا تھا

تن ز آتشہای دل بگداختہ
جسم دل کی آگوں سے پگھل گیا تھا

خانہ از غیر خدا پرداختہ
اس نے دل کو خدا کے سوا سے خالی کر دیا تھا

گوشمال محنت بے زینہار
بے پناہ مشقت کی گوشمالی کی وجہ سے

داغہا بر داغہا چندیں ہزار
داغوں پر داغ کئی ہزار تھے

دیدہ ہر ساعت خلش در اجتہاد
وہ ہر وقت مجاہدے میں تکلیف اٹھاتا تھا

روز و شب چفسیدہ او بر اجتہاد
وہ دن رات مجاہدے سے چپٹا ہوا تھا

سال و مہ در خاک و خوں آمیختہ
سالوں اور مہینوں خاک اور خون میں لتھڑا تھا

صبر و حلمش نیم شب بگریختہ
اس کا صبر اور بردباری آدھی رات کو بھاگ چکی تھی

دید در شب یک غلام نیک پے
اس نے ایک نیک خصلت غلام کو رات میں دیکھا

در شتابش او زمیں میکردطے
وہ اپنی جلدی میں زمین طے کر رہا تھا

گفت زاہد در سبوہا چیست آں
زاہد نے کہا ٹھلیوں میں کیا ہے؟

گفت بادہ گفت آں کیست آں
اس نے کہا شراب، اس نے کہا کس کی ہے؟

گفت ایں آن فلاں میر اجل
اس نے کہا یہ فلاں بڑے سردار کی ملکیت ہے

گفت طالب را چنیں باشد عمل
اس نے کہا طلبگار کا یہ کام ہوتا ہے؟

طالب یزداں و آنگہ عیش و نوش
خدا کا طلبگار، اور پھر عیش اور پینا

بادۂ شیطان و آنگہ تیز ہوش
شیطانی شراب اور پھر ہوش کی تیزی!

ہوش تو بے مے چنیں پژمردہ است
تیرا ہوش بغیر شراب کے ایسا مرجھایا ہوا ہے

ہوشہا باید براں ہوش تو بست
تیرے ہوش سے بہت سے ہوش وابستہ کرنے چاہئیں

تا چہ باشد ہوش تو ہنگام سکر
پھر نشہ کے وقت تجھے ہوش کہاں ہوگا؟

اے چو مرغے گشتہ صید دام سکر
اے وہ! جو پرندہ کی طرح نشہ کے جال میں ہے

گیہوں کا دلیہ ہوتا ہے جب ہریسہ تیار ہو جاتا ہے تو گوشت اور دلیہ میں امتیاز نہیں رہتا۔ فرق۔ اب دونوں کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔

۲ ایں چنیں۔ وہ غلام ان اوصاف کی شراب امیر کے محل کی طرف لے کر چلا۔ غم دیدہ۔ یعنی جس پر قبض کی کیفیت طاری تھی۔ خشک مغز۔ مجاہدہ کی کثرت سے اس کا دماغ خشک ہو گیا تھا۔ تن۔ اس زاہد کا جسم عشق کی آگ سے پگھل گیا تھا اور اس کے دل میں صرف حق تعالیٰ کا خیال تھا۔

۳ گوشمال۔ مجاہدوں کی بے پناہ مشقت نے اس کے دل پر ہزاروں داغ لگا دیئے تھے۔ کو دیدہ۔ اس کا شغل شب و روز مجاہدہ تھا۔ نیم شب یعنی اس کو پتہ نہ چلا اور اسمیں صبر اور حلم کی طاقت نہ رہی تھی۔ دید۔ اس نے دیکھا غلام بھاگا

۱ گفت ایں۔ غلام نے زاہد کے جواب میں کہا کہ یہ شراب امیر اعظم کی ہے زاہد نے کہا کہ طالب حق کے یہ کام ہوتے ہیں اس کو تو نا و نوش سے بچنا چاہیئے شیطانی شراب پی کر ہوش کہاں رہتا ہے۔ ہوش۔ انسان بغیر شراب کے بھی غافل ہے جسکے لئے سیکڑوں ہوش درکار ہیں تو پھر نشہ میں کیا ہوش رہ سکتا ہے نشہ میں تو ایسا ہی پھنستا ہے جس طرح پرندہ جال میں۔

حکایتِ[1] ضیائے بلخ کہ دراز بالا بود و برادرش شیخ الاسلام

ضیاء بلخ کا قصہ جو دراز قد تھے اور اُن کے بھائی شیخ الاسلام

تاجِ بلخ بغایت کوتاہ بالا بود و ایں شیخ الاسلام از

تاجِ بلخ بہت چھوٹے قد کے تھے اور یہ شیخ الاسلام اپنے

برادرش ننگ داشت روزے ضیا درآمد بدرسِ او و ہمہ

بھائی سے ذلت محسوس کرتے تھے ایک روز ضیا اُن کے درس میں پہنچ گئے

صدورِ بلخ حاضر بودند بدرسِ او ضیا خدمتے کرد و بگذشت

اور بلخ کے تمام صدر اُن کے درس میں حاضر تھے، ضیا نے حاضری دی اور چلدیئے

شیخ الاسلام نیم قیام کرد سرسری ضیا گفت آرے

شیخ الاسلام معمولی طور پر آدھے کھڑے ہوگئے ضیا نے کہا بیشک آپ

سخت درازی پارہ دزدی از خود

بہت لمبے ہیں کہ اپنے میں سے ایک حصہ چُرالیا

آں ضیائے بلخ خوش[2] الہام بود
ضیا بلخی خوش طبع تھے

دادرِ آں تاجِ شیخ اسلام بود
تاج شیخ الاسلام کے بھائی تھے

از برائے علم خلقے پیشِ او
علم کی وجہ سے لوگ اُن کے سامنے

گشتہ دائم در ملازم درس جو
ہمیشہ رہتے تھے، صحبت میں درس کے طالب

تاجِ شیخ اسلام دار الملکِ بلخ
دار الخلافہ بلخ کے شیخ الاسلام تاج

بود کوتہ قد و کوچک ہمچو فرخ
پست قد اور چوزے کی طرح چھوٹے تھے

گرچہ[3] فاضل بود و فحل و ذو فنوں
اگرچہ فاضل تھے اور یکتا اور فنون والے

ایں ضیا اندر ظرافت بُد فزوں
یہ ضیاء مذاق میں بڑھے ہوئے تھے

او بسے کوتہ ضیا بے حد دراز
وہ بہت ٹھگنے، ضیاء بہت لمبے

بود شیخ اسلام را صد کبر و ناز
شیخ الاسلام میں سینکڑوں تکبر اور ناز تھے

زیں برادر عار و ننگش آمدے
اِن بھائی سے، اُن کو عار اور ذلت آتی

آں ضیا ہم واعظے بُد باہُدے
وہ ضیاء بھی باہدایت واعظ تھے

روزِ محفل اندر آمد آں ضیا
مجلس کے دن ضیاء اندر آئے

بارگہ پُر قاضیان و اصفیا
دربار قاضیوں اور منتخب لوگوں سے بھرا ہوا تھا

کرد شیخ اسلام از کبرِ تمام
شیخ الاسلام نے پورے غرور سے کیا

ایں برادر را چنیں نصف[4] القیام
اس بھائی کے لئے، ایسے ہی آدھا قیام

پس ضیا چوں دید کبر اندر سرش
جب ضیا نے اُن کے سر میں غرور دیکھا

انفعالے داد حالے در خورش
اُن کے مناسب فوراً اُن کو شرمندہ کیا

---

[1] حکایت۔ یہ بتایا تھا کہ انسان خود ہی مدہوش ہے، شراب پی کر تو اور بدحال ہوگا اس حکایت سے بھی یہی بتایا ہے کہ شیخ الاسلام کا محدود قد چھوٹا تھا نیم قد کھڑے ہونے پر اور چھوٹا ہوگیا۔

[2] خوش الہام۔ ظرافت مزاج۔ دادر۔ برادر۔ ملازم۔ ملازمت۔ دار الملک۔ سلطنت۔ فرخ۔ پرند کا بچہ۔

[3] گرچہ۔ تمام شیخ الاسلام اگرچہ بڑے صاحب علم تھے لیکن ضیاء خوش طبعی میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے۔

آن ضیا۔ ضیا ہدایت یافتہ واعظ تھے۔ شیخ الاسلام کا اُن کی بھائی بندی سے ذلت محسوس کرنا غیر مناسب تھا۔

اَصفیاء۔ برگزیدہ۔

[4] لنصف القیام۔ یعنی تعظیم کے لئے آدھے کھڑے ہوئے۔

پس ضیا۔ چونکہ ضیاء کو محسوس ہوا کہ دماغ میں تکبر ہے اس لئے فوراً اُن کو شرمندہ کیا۔

گفت آرے بس درازی بہرِ مزد
اندکے زاں قدِ سروت ہم بدزد

انھوں نے کہا: جی ہاں آپ بہت لمبے ہیں مزدوری کیلئے
اپنے سرو جیسے قد سے بھی تھوڑا سا چُرا لیا

رجوع بحکایتِ زاہد با غلامِ امیر

امیر کے غلام کے ساتھ زاہد کی حکایت کی طرف واپسی

پس ترا خود ہوش کو و عقل کو
تا خوری مَے اے تو دانش را عدو

پھر تجھے خود ہوش کہاں اور عقل کہاں ہے؟
تاکہ تو شراب پیئے، اے عقل کے دشمن!

رُوت بس زیباست نیلی ہم بکش
ضحکہ باشد نیل بر رُوئے حبش

تیرا چہرہ بہت حسین ہے، نیل بھی لگالے
حبشی کے چہرے پر نیل مذاق ہوتا ہے

در تو نورے کے درآمد اے غوی
تا تو مے نوشی و ظلمت جو شوی

اے گمراہ! تیرے اندر نور ہی کب آیا ہے؟
کہ تو شراب پیئے اور ظلمت کا طالب بن جائے

سایہ در روزست جستن قاعدہ
در شبِ ابرے تو سایہ جو شدہ

سایہ تلاش کرنے کا قاعدہ، دن میں ہے
تو ابر والی رات میں سایہ کا طالب بنا ہے

گر حلال آمد پئے قوتِ عوام
طالبانِ دوست را آمد حرام

اگر وہ (شراب) عوام کی خوراک کیلئے حلال ہے
دوست کے طلبگاروں کے لئے حرام ہے

عاشقاں را بادہ خونِ دل بود
چشمِ شاں بر راہ و بر منزل بود

عاشقوں کی شراب، خونِ دل ہوتا ہے
ان کی نگاہ، راہ اور منزل پر رہتی ہے

در چنیں راہ و بیابانِ مخوف
اے قلاووزِ خرد با صد کسوف

ایسے راستے اور خوفناک جنگل میں
(اور) اے عقل کے رہنما سینکڑوں گہنوں میں

خاک در چشمِ قلاووزاں زنی
کارواں را ہالک و گمرہ کنی

تو راہنماؤں کی آنکھ میں دھول جھونکتا ہے
قافلہ کو تباہ اور گمراہ کرتا ہے

نانِ جو حقا حرام ست و فسوس
نفس را در پیش نہ نانِ سبوس

جَو کی روٹی (بھی)، حرام اور باعثِ افسوس ہے
نفس کے سامنے بھوسی کی روٹی رکھ

دشمنِ راہِ خدا را خوار دار
دزد را منبر منہ بردار دار

اللہ تعالیٰ کے راستہ کے دشمن کو ذلیل کر
چور کے لئے منبر نہ بچھا، سولی پر چڑھا

دزد را تو دست ببریدن پسند
از بریدن عاجزی دستش بہ بند

تو چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کو پسند کر
(اگر) تو کاٹنے سے عاجز ہے اس کے ہاتھ باندھ دے

گر نہ بندی دستِ او دستِ تو بست
گر تو پایش نشکنی پایت شکست

اگر تو اس کے ہاتھ نہ باندھے گا تو تیرے ہاتھ باندھ دیگا
اگر تو اس کا پاؤں نہ توڑے گا وہ تیرا پاؤں توڑ دیگا

بہرِ مزد: دینی لوگوں کو مستعد بنا کر نذرانہ وصول کرنے کے لئے۔ قدِ سروت۔ طنزاً کہا۔

ك پس ترا۔ زاہد کے قصہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ رُوت۔ حسین چہرے پر نظر بد سے بچانے کے لئے داغ نیل لگا دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بدصورت نیل لگائے تو اس کا مزید مذاق بنے گا۔ ضحکہ۔ ہنسی کی چیز۔ گر حلال۔ شراب اگرچہ عوام کی تقویت کیلئے حلال ہے لیکن نفس کی لذت کے لئے حلال چیز بھی پرہیزگاروں کے لئے ممنوع ہوتی ہے۔

له عاشقاں۔ عاشق شراب کی بجائے خونِ دل پیتے ہیں اور وہ راہ و منزل کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو عیش پرستی کی فرصت کہاں ہے۔ چنیں۔ راہِ طریقت، خوفناک راستہ ہے اس میں تو بہت سے حواس کی ضرورت ہے عقل جب شراب کے گہن میں ہو تو کیا راہنمائی کر سکتی ہے۔ .... خاک۔ مدہوش کی عقل کیا راہنمائی کرے گی وہ تو قافلہ کو گمراہ کر دے گی۔ نانِ جو۔ اگر جو کی روٹی سے بھی مقوی نفس حاصل ہو تو بھوسی کی روٹی کھانا چاہیے۔

سله دشمن۔ نفس، راہِ خدا کا دشمن ہے اس کو ہر وقت ذلیل رکھو اس کی عزت نہ کرو پھانسی پر چڑھا دے۔ دزد۔ چور کا ہاتھ کاٹنا چاہیے یعنی

زہر تو ہاتھ باندھ پیچے بابیں۔ گر نہ بندی۔ اگر تو نے چھوڑ کر آزاد چھوڑا تو وہ تجھے تباہ کردے گا۔ بہرچہ۔ ہاتھ کو راحت سے کیوں رکتا ہے۔ شکست۔ لہٰذا کو غیرت آئی اور اُس نے شراب کی ٹھلیا پر پتھر مارا

تو عدو رامے دہی و نیشکر
تو دشمن کو شراب اور گنا دیتا ہے
زد ز غیرت بر سبو سنگ و شکست
اُسنے غیرت سے ٹھلیا پہ پتھر مارا اور توڑ دیا

بہر چہ گو زہر نوش و خاک خور
کس لئے؟ کہہ دے زہر پیئے اور خاک پھانکے
او سبو انداخت از زاہد بجست
اُس (غلام) نے (دوسری) ٹھلیا پھینک دی (اور) زاہد سے بھاگ گیا

شرح

ایک امیر تھا جو کہ خوش دل۔ اور شراب دوست اور مستوں اور عاجزوں کی جائے پناہ اور مشفق اور غریب نواز اور منصف اور صاحبِ کرم اور لوگوں کو مال دینے والا اور دریا دل اور بڑا مرد اور مسلمانوں کا حاکم اور راہنما اور واقف اسرار، اور دُور بین تھا اور عیسٰی علیہ السلام کا زمانہ تھا جو کہ مخلوق کی دل داری کرنے والا اور کسی کو دُکھ نہ دینے والے اور پسندیدہ شخص تھے۔

اتفاق سے ایک رات اسکے یہاں ایک صاحب مہمان ہوئے جو کہ امیر اور اس کے ہم جنس اور اچھے مسلک کے آدمی تھے۔ ان صاحبوں کو درستی حالت کے لیے شراب سُبحانہٗ کرنی تھی وہ طاعت کر چکا ہے اور جس کو مخالفت کرنی تھی وہ مخالفت کر چکا غرضکہ یہ ترکیب تو ختم ہوئی۔ اسکے بعد روح کو عقوبات اور انعامات الٰہیہ کے ساتھ اور بہت سے اتصال ہونگے جن کو نہ کسی کان والے نے سُنا ہے اور نہ کسی آنکھ والے نے دیکھا ہے۔ جبکہ وہ ہنوز کتمِ غیب میں مستور ہیں۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی کان والا یعنی غافل ان کو یوں سُن لیتا۔ جیسا کہ سُننے کا حق ہے تو وہ کان والا یعنی غافل ہی نہ رہتا۔ لیکن اس وقت وہ فرط اشتغال آخرت کے سبب کوئی لایعنی بات ہی نہ سُن سکتا۔ اسلئے کہ ان امور کی ایسی مثال ہے جیسے خورشید اور کان والے یعنی غافل کی ایسی مثال ہے جیسے برف۔ پس اگر یہ برف (کان والا) آفتاب (احوال اُخرویہ) کا مشاہدہ کر لیتا تو اسکو اپنی برفیت اور غفلت سے

امید کو منقطع کر دینا پڑتا۔ اور وہ خالص مسام کی مانند ہو جاتا جو کہ لُطف ہوا سے بل کھا کر ذرہ کی مانند ہو جاتا۔ یعنی اس وقت وہ مطیع محض ہوتا حق سبحانہ کے حکم پر چلتا اور خودی میں محبوس نہ رہتا۔ اور اسکی بعد وہ آبِ حیات بن جاتا اور درختوں یعنی طالبوں کے جان کی دَوَا ہو جاتا۔ اور ہر درخت (طالب) اس کی آمد سے خوش قسمت ہو جاتا وہ خود کامل اور دوسروں کے لیے مکمل ہو جاتا۔ اسے وہ لوگ جو ٹھٹھرے ہوئے برف کی مانند اور احوال آخرت سے متحیر ہیں انکی یہ حالت ہے کہ وہ خودی میں محبوس ہیں اور درختوں کے ساتھ میل نہیں کھاتے یعنی دوسروں کو ان سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نہ تو وہ خود کسی سے میل کھاتے ہیں اور نہ ان سے کوئی میل کھاتا ہے۔ بلکہ ان کے حصہ میں بخل آگیا ہے کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ لیکن تاہم وہ بیکار نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح برف سے کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے یوں ہی ان سے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ دوسروں کو ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ سبزہ کے بادشاہ یعنی حق سبحانہ کا قاصد نہیں بن سکتے اور حق سبحانہ کے فیوض کو سبزہ تک نہیں پہنچا سکتے۔ یعنی وہ شیخ بن کر طالبین کی تربیت روحانی نہیں کر سکتے جو کہ صفت ہے کاملین کی۔ ہاں ان سے

درکار تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں شراب حلال تھی۔ اسکے پاس شراب نہ تھی اسلیئے آقا نے کہا کہ ارے غلام جا۔ اور فلاں راہب کے پاس سے جو کہ خاص شراب رکھتا ہے گھڑا بھر کے ہمارے لیے شراب لے آ۔ تاکہ خاص عام کے خیالات سے ہماری جان کو نجات ہو جائے اور ہم اسکو پی کر مست اور بے خود ہو جائیں۔

یہاں سے مولانا شراب معروف سے شراب عشق الٰہی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تارک الدنیا لوگوں کی جامِ محبت کا ایک گھونٹ وہ کام کرتا ہے جو کہ ہزاروں گھڑے اور خم کرتے ہیں۔ اور ان کے اندر وہ شراب یونہی باطنی دولت ہے جیسے کمبل میں سلطنت ہو تم ان کی ظاہری خستگی اور اس کی پھٹی ٹوٹی گدڑی کو نہ دیکھنا۔ اسلیئے کہ یہ ان کے کمال باطنی کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ قاعدہ

ہے کہ سونے کو اوپر سے کالا کر دیا کرتے ہیں تاکہ چوروں اور ڈکیتوں سے محفوظ رہے اور نظر بد سے حفاظت کے لیے وہ بظاہر قابل رد ہوتا ہے اور صرف باہر سے وہ بیش قیمت مال دود آلود ہوتا ہے اور اندر سے نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

نفیس خزانہ اور جواہرات لوگ گھروں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ ویرانوں میں رکھتے ہیں۔ جہاں کسی کو ان کے وجود کا شبہ بھی نہ ہو۔ یونہی دولت باطنی بھی خستہ حالوں کو دی جاتی ہے تاکہ بیگانوں کی نظر بد سے محفوظ رہے۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کی دولت باطنی ویرانہ یعنی ان کے جسم خاکی میں مستور تھی اسلیئے ان کی مٹی نے ابلیس ملعون کی آنکھ بند کردی اور وہ اس دولت کو نہ دیکھ سکا۔ اور مٹی پر حقارت سے نظر کرتا تھا۔ مگر ان کی جان بزبان حال کہہ رہی تھی کہ یہ میری مٹی میرے لیے اس خزانہ تک پہنچنے سے مانع ہے اور تو اپنی محرومی و شقاوت کے سبب اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

خیر یہ مضمون استطرادی تو ختم ہوا ـــــ اب قصہ سنو! غلام نے آقا کا حکم سنکر دو گھڑے لیئے اور تیز رفتاری کے ساتھ گیا اور راہبوں کے دیر میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچکر اشنی روپیہ اُن کے حوالہ کیا اور سونے کی مثل روشن شراب

شراب خرید لی اور اس طرح اسے گویا کہ پتھر دے کر موتی خرید لیے یعنی شراب لے لی جس کی یہ شان ہے کہ بادشاہوں کے سر پر چڑھتی اور ساقی کے سر پہ تاج زر رکھتی ہے۔ اور جو کہ بہت سے فتنہ اور شور و شغب پیدا کرتی اور غلاموں اور بادشاہوں کو یک رنگ کر دیتی ہے۔ اور جیسے ان کی ہڈیاں نکال کر ان کی جانیں ایک ہوجاتی ہیں یعنی ان کے امتیازات مٹ کر اتحاد پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جیسے تخت اور تختہ دونوں یکساں ہوجاتے ہیں اور جو لوگ بھلے تیل اور پانی کی طرح آپس میں نہ نکلنے والے تھے ان کی حالت مستی میں ایسی ہوجاتی ہے جیسے جان کی جسم میں اور جس طرح ہریسہ میں گیہوں اور گوشت ایک دوسرے میں فنا ہوجاتے ہیں یوں ہی ع

سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں کوئی تفوق اور فرق باقی نہیں رہتا۔
کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب گوشت اور گیہوں ہریسہ بن جاتے ہیں تو پھر گیہوں اور گوشت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور اس وقت کوئی امتیاز ایسا نہیں رہتا جو کہ مٹ نہ گیا ہو۔ غرضکہ وہ غلام ایسی شراب اس امیر کی دولت سرا کی طرف لئے جاتا تھا۔ اتفاق سے رستہ میں ایک زاہد مل گیا جو کہ محزون اور خشک مغز۔ اور مصیبت عشق میں مبتلا تھا اس کا جسم دل کی آگ سے گھل گیا تھا اور اس کا خانۂ دل غیر خدا کی محبت سے خالی ہو چکا تھا۔ عشق کی بے پناہ مصیبت اسکی گوشمالی کر رہی تھی اور اسکے دل پر اوپر تلے ہزاروں داغ تھے۔ وہ مجاہدہ و ریاضت میں ہر وقت اپنے اندر محبت کی ایک نئی خلش پاتا تھا۔ اور رات دن ریاضت کو لپٹا ہوا تھا۔ تمام سال اور تمام مہینہ خون میں لتھڑا ہوا تھا اور آدھی رات کے وقت تو اس کا صبر اور تحمل بالکل ہی فنا ہو جاتا تھا کیونکہ وہ وقت بالکل یکسوئی کا ہوتا ہے اور اس وقت خیال یار پوری طور پر اپنا کام کرتا ہے اسنے رات کے وقت ایک غلام کو دیکھا کہ وہ اپنی جلدی میں زمین کو طے کرتا تھا یعنی تیز جا رہا تھا اس پر زاہد نے اُسے ٹوکا اور کہا کہ گھڑوں میں کیا ہے اُسنے جواب دیا کہ شراب! اس پر اس نے پوچھا کہ کس کی ہے اسنے کہا کہ فلاں صاحب کی ہے جو کہ بڑے عالی رتبہ امیر ہیں اس پر اس زاہد نے کہا کہ کیا طالب خدا کا یہ کام ہوتا ہے؟ طالب خدا ہو کر تعیش و شراب نوشی؟ اور شیطان کی شراب پی کر عقل تیز ہو؟ ناممکن ہے۔ اس سے کوئی کہے کہ ارے جانور کی طرح نشہ کے جال میں گرفتار جبکہ شراب کے بغیر تیری عقل اس قدر پژمردہ ہے کہ.. اُس میں اور بہت سی عقلوں کے ملانے کی ضرورت ہے۔ تو نشہ کے وقت تیری عقل کی کیا حالت ہو گی پس تجھے ہرگز زیبا نہیں ہے کہ تو شراب کا شغل کرے اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی وہ یہ ہے
کہ ضیائے بلخ نہایت خوش الہام شخص تھے اور ان کے سائے تاج شیخ الاسلام تھے تحصیل علم کے لیے بہت سے لوگ ان کے یہاں حاضر خدمت رہتے تھے

اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے ملازمین خدمت سے ہمیشہ سبق کے طالب رہتے تھے یعنی ہر وقت تعلیم میں مصروف رہتے تھے یہ تاج دار السلطنت بلخ کے شیخ الاسلام بہت کوتہ قد اور صغیر الجثہ تھے اور اگرچہ وہ بہت بڑے فاضل اور متبحر اور صاحب علوم کثیرہ تھے اور ان کے سائے ضیا علم میں ان کے مرتبہ کے نہ تھے۔ مگر وہ ظرافت میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے نیز وہ بہت چھوٹے تھے اور ضیا بہت لمبی۔ اور شیخ الاسلام کو بہت کچھ غرور اور ناز تھا اسلئے انکو اپنے ان سائے سے بہت عار اور ننگ تھی۔ حالانکہ یہ بھی کچھ معمولی آدمی نہ تھے بلکہ بڑے صاحب ہدایت واعظ تھے ایک روز اتفاق سے ضیا ان کی مجلس میں پہنچ گئے اس وقت ان کی بارگاہ قاضیوں اور منتخب لوگوں سے پُر تھی ایسی حالت میں نہ انکو پوری تعظیم ہی کرتے ہیں اور نہ انہوں نے بالکل ترک تعظیم کو مناسب سمجھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے سائے کی تعظیم کے لئے آدھا قیام کیا پس جبکہ ضیا نے ان کے اندر اتنا تکبر دیکھا تو ان کو فوراً ایک پھبتی کہہ کر شرمندہ کیا جس کے وہ مستحق تھے اور انہوں نے ان پر ایک پھبتی کہی یعنی انہوں نے کہا کہ جی ہاں آپ بہت لمبے ہیں ..... ذرا اپنے سرو کی مانند لمبے قد میں سے کچھ اور بھی کم کر لیجئے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ایک تو ماشاءاللہ آپ کا قد ہی ایسا ہے کہ آپ کا قیام بھی مثل اوروں کے قعود کے ہے اس پر آپنے یہ کیا کہ نصف قیام کیا جس سے وہ قیام اور بھی کالعدم ہوگیا۔ بس اس قد کے ساتھ اتنا قیام نامناسب تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ارے عقل کے دشمن! تجھے ہوش اور عقل ہی کہاں ہے کہ تو شراب پیئے۔ تیرا منہ خوب صورت بھی تو بہت ہے اس پر کالا... ٹیکا بھی لگالے۔ تیری یہ حرکت نہایت نازیبا ہے کیونکہ حبشیوں کے چہرہ پر کالا ٹیکا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ موجب تمسخر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بے عقل ہوکر شراب پینا ہرگز مناسب نہیں پس تجھے شراب خواری ترک کرنی چاہیئے کیونکہ اگر تو شراب پئے گا اور اس طرح ظلمت کا طالب

ہو گا تو تیرے اندر نور پیدا نہیں ہو سکتا۔ خیر اگر عقل وافر ہو اور ایسی حالت میں شراب پی لی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ دن کے وقت سایہ تلاش کرتے ہیں مگر تو بے عقلی کی حالت میں شراب پتیا اور گویا کہ شب ابر میں سایہ ڈھونڈتا ہے کس قدر حماقت کی بات ہے۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ شراب حرام ہے نہیں بلکہ وہ حلال ہے لیکن اگر عوام کے لیے حلال ہو تو طالبان خدا کے لیے حرام ہی ہوگی۔ (فائدہ: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت نے اس کے اندر یہ تفصیل کی ہے کہ عوام کے لیے حلال اور خواص کے لئے حرام ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گو شریعت نے اسے مطلقاً حلال کیا ہے مگر خواص کو چاہیئے کہ باوجود اعتقاد حلت کے اس کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو حرام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس کو نہایت سختی اور اہتمام کے ساتھ ترک کریں کیونکہ وہ عقل کو کھو کر حق سبحانہٗ سے غافل کرنے والی چیز ہے) عاشقوں کی شراب تو خون دل ہوتا ہے اور ان کی نظر تو بجائے ساغر کے راہ اور منزل محبوب پر ہوتی ہے ایسے رستہ اور اس قدر خوفناک سامان یعنی راہ آخرت میں اور ایسی ناقص عقل رہنا اور اس پر طرہ یہ کہ تو اس ناقص رہنما کی آنکھیں اور خاک جھونکتا ہے اور قافلہ کو بالکل ہی تباہ اور اسکو راہ راست سے گمراہ کرتا ہے۔ یہ امر نہایت ہی نازیبا ہے ارے شراب تو بڑی چیز ہے۔ میں تو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کی روٹی کھانا بھی حرام اور قابل افسوس ہے نفس کے سامنے تو بھوسے کی روٹی رکھنی چاہیئے اور اس دشمن راہ خدا کو خوب ذلیل کرنا چاہیئے کیونکہ چور کے لیے منبر مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تو سولی پر چڑھانا چاہیئے اور چور کا تو ہاتھ کاٹنا پسند ہونا چاہیئے اور اسکو کاٹنا چاہیئے لیکن اگر تو اس کا ہاتھ نہ کاٹ سکے تو کم از کم اس کے ہاتھ باندھ دینے چاہئیں کیونکہ اگر تو اس کے ہاتھ نہ باندھے گا تو وہ تیرے ہاتھ باندھ دیگا اور اگر تو اس کے پاؤں نہ توڑے گا تو وہ تیرے پاؤں توڑ دے گا پس اپنے ہاتھ پاؤں

بچلنے کے لیے اسکے ہاتھ باندھنا اور پاؤں توڑنا لازم قرار پایا۔
بھلے مانس! تو دشمن کو شراب پلاتا اور گنے کھلاتا ہے یہ کیوں! ارے اس سے کہہ۔ کہ کیسے شراب اور کیسے گنے۔ زہر پی اور خاک کھا۔ یہ کہہ کر اسنے جوشِ غیرت سے گھڑے میں پتھر مارا۔ اور وہ ٹوٹ گیا اس پر غلام گھڑا پھینک کر بھاگ گیا۔ اور اس طرح زاہد کے قبضہ سے نکل گیا۔

رفتنِ امیر خشم آلودہ برای گوشمالِ زاہد

امیر کا غصہ میں بھر کر، زاہد کو سزا دینے کے لئے جانا

رفت پیشِ میر و گفتش بادہ کو
وہ (غلام) امیر سا کے پہنچا امیر نے کہا شراب کہاں ہے؟

ماجرا را گفت یک یک پیشِ او
اس نے ایک ایک کر کے اسکے سامنے قصہ کہہ دیا

میر چون آتش شد و برجست راست
امیر آگ جیسا ہو گیا اور سیدھا اٹھا

گفت بنما خانۂ زاہد کجاست
بولا دکھا، زاہد کا گھر کہاں ہے؟

تا بدین گرزِ گران کوبم سرش
تاکہ میں اس بھاری گرز سے اس کا سر توڑ دوں

آن سرِ بے دانشِ مادر غرش
وہ سر جو بے عقل، مادر بخطا کا ہے۔

او[1] چہ داند امرِ معروف از سگی
وہ بھلائی کا حکم کرنا کیا جانے؟ کتے پن سے

طالبِ معروفی ست و شہرگی
نام آوری اور شہرت کا طالب ہے

تا بدین سالوس خود را جا کند
تاکہ اس مکر سے اپنی جگہ بنائے

تا بچیزے خویشتن پیدا کند
تاکہ کسی طور سے اپنے آپ کو نمایاں کرے

کو ندارد خود ہنر الا ہماں
وہ خود ہنر نہیں رکھتا ہے، بجز اس کے

کہ تسلس میکند با این و آں
کہ ہما شما سے مکاری کرتا ہے

او اگر دیوانہ است و فتنہ کاو
وہ اگر دیوانہ ہے اور فتنہ انگیز

داروی دیوانہ باشد کیرِ گاو
دیوانہ کی دوا، بیل کا آلۂ تناسل ہے

تا کہ شیطاں از سرش بیروں رود
تاکہ اس کے سر سے شیطان باہر نکل جائے

بے لتِ خربندگاں خر چوں رود
گدھا کمہاروں کی مار کے بغیر کب چلتا ہے؟

میر[2] بیروں جست دبوسے بدست
امیر باہر نکلا، اور گرز ہاتھ میں تھا

نیم شب آمد بزاہد نیم مست
زاہد کے پاس آدھی رات کو آدھی مستی میں پہنچا

رفت۔ غلام بھاگا بھاگا امیر کے پاس پہنچا اور اس نے اس کو سارا قصہ سنا دیا۔ مادر غر۔ فاحشہ ماں۔

[1] او چہ امیر نے غصہ سے کہا وہ زاہد خود کتا ہے اس کو امر بالمعروف سے کیا واسطہ وہ محض شہرت کا طالب ہے۔ جا کند مرتبہ بنائے۔ الا۔ اس کا ہنر صرف لوگوں سے مکر کرنا ہے۔ فتنہ کاو۔ فتنہ برپا کرنے والا۔ کیرِ گاو۔ بیل کا عضو سکھا کر اس کا دُرّہ بنا لیا جاتا تھا۔ بے لت۔ گدھا لاتوں کے بغیر کب چلتا ہے۔

[2] میر۔ امیر غصہ میں پاگل ہو رہا تھا۔ دبوس۔ تازیانہ۔

خواست کشتن مردِ زاہد را ز خشم — مردِ زاہد گشت پنہاں زیرِ یشم

غصے سے زاہد کو مار ڈالنا چاہا — زاہد انسان، اُون کے نیچے چھپ گیا

مردِ زاہد می شنود از میرِ آن — زیرِ یشمِ آں رسن تاباں نہاں

زاہد انسان، امیر سے وہ سن رہا تھا — رسی بٹنے والوں کی اُون کے نیچے چھپا ہوا

گفت در رو گفتنِ زشتیِ مرد — آئینہ تاند کہ رو را سخت کرد

بولا انسان کی بُرائی منہ در منہ — آئینہ کر سکتا ہے جس نے منہ کو سخت کر لیا ہے

رویِ باید آئینہ وار آہنیں — تات گوید روی زشتِ خود ببیں

آئینہ جیسا لوہے کا منہ چاہیئے — تاکہ تجھ سے کہے کہ اپنا بھدا چہرہ دیکھ

حکایت[1] مات کردنِ دلقک سید شاہِ ترمذ را

ایک مسخرے کی سید شاہِ ترمذ کو مات دینے کی حکایت

شاہ با دلقک ہمی شطرنج باخت — مات کردش زود خشمِ شہ بتاخت

بادشاہ نے مسخرے کے ساتھ شطرنج کی بازی لگائی — اُس نے اُس (شاہ) کو مات دی، بادشاہ کا غصہ جلد دوڑ پڑا

گفت شہ شہ واں شہِ کبر آورش — یک یک آں شطرنج میزد بر سرش

اُس نے شہ شہ کہا اور وہ متکبر بادشاہ — شطرنج کا ایک ایک مُہرہ اُس کے سر پر مارتا تھا

کہ[2] بگیر اینک شہت اے قلتباں — صبر کرد آں دلقک و گفت الاماں

کہ اے دیوث! لے یہ تیری شہ ہے — اُس مسخرے نے صبر کیا اور پناہ چاہی

دستِ دیگر باختن فرمود میر — او چناں لرزاں کہ عور از زمہریر

امیر نے دوسری بازی لگانے کو کہا — وہ اس طرح کانپا جیسے کہ ننگا جاڑے سے

باخت دستِ دیگر و شہ مات شد — وقتِ شہ شہ گفتن و میقات شد

اُس نے دوسری بازی کھیلی اور بادشاہ کو مات ہو گئی — شہ شہ کہنے کا وقت اور جگہ آ گئی

بر جہید آں دلقک و در کنج رفت — شش نمد بر خود فگند از بیم تفت

وہ مسخرا کودا اور گوشہ میں چلا گیا — فوراً خوف سے چھ نمدے اپنے اوپر ڈال لئے

زیرِ بالشہا و زیرِ شش نمد — خفت پنہاں تا ز زخمِ شہ رہد

تکیوں کے نیچے اور چھ نمدوں کے نیچے — چھپ کر لیٹ گیا تاکہ بادشاہ کی مار سے نجات پائے

گفت[3] شہ ہے ہے چہ کردی چیست ایں — گفت شہ شہ شہ شہ اے شاہِ گزیں

بادشاہ نے کہا ہائیں ہائیں تو نے کیا کیا، یہ کیا ہے؟ — بولا اے منتخب شاہ! شہ شہ شہ شہ

کے تواں حق گفت جز زیرِ لحاف — با چو تو خشم آورِ آتش سجاف

حق بات لحاف کے نیچے کے علاوہ کب کہی جا سکتی ہے؟ — آپ جیسے غصیلے آگ کے اُستر والے کے سامنے

زیرِ یشم۔ زاہد بھاگ کر اُون کی رسی بانٹنے والوں کی اُون میں چھپ گیا اور وہاں امیر کی بُری بھلی باتیں سنتا رہا۔ گفت۔ زاہد نے اپنے دل میں کہا کہ کسی کے منہ پر بُرائی کرنے کے لئے آئینہ کا سا لوہے کا چہرہ ہونا چاہیئے تاکہ اس کو رکھ سکے، آئینہ لوہے سے بنتا تھا۔

[1] حکایت۔ اس حکایت میں یہ بتایا ہے کہ مسخرے نے نمدوں میں لپٹ کر بادشاہ کو شہ شہ کہا تاکہ چوٹ سے بچ سکے۔ دلقک۔ مسخرہ۔۔۔۔ مات کردش۔ مسخرے نے بادشاہ کو ہرا دیا۔ گفت شہ شہ۔ ہرنے والے کی تحقیر کے لئے لفظ شہ شہ کہہ دیا جاتا ہے۔ تن شطرنج۔ یعنی شطرنج کے مُہرے۔

[2] کہ بگیر۔ بادشاہ مسخرے کے سر پر شطرنج کے مُہرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ لے یہ تیری شہ ہے۔ قلتبان۔ دیوث۔ دستِ دیگر۔ دوسری بازی۔ عور۔ ننگا۔ وقتِ شہ۔ اب مسخرے کے لئے شہ کہنے کا وقت آ گیا۔ بر جہید۔ مسخرہ بھاگ کر ایک گوشے میں چھ نمدے اپنے اوپر ڈال کر لیٹ گیا۔

[3] گفت شہ۔ بادشاہ نے دریافت کیا یہ کیا حرکت ہے۔ گفت۔ مسخرے نے کہا شہ شہ کہنے کے لئے نمدوں میں چھپ گیا ہوں۔ کے تواں۔ غصہ ور آدمی سے حق بات لحافوں میں گھس کر ہی کہی جا سکتی ہے ورنہ زخم برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

اے تو مات و من ز زخمِ شاہ مات — میزنم شہ شہ ز زیرِ رختہات

آپ ہارے اور میں شاہ کی مار سے ہارا — میں کپڑوں کے نیچے سے آپکو شہ شہ کہتا ہوں

آمدنِ امیر بدر خانۂ زاہد و بہ لگد کوفتنِ در

امیر کا زاہد کے دروازے پر آنا اور لاتوں سے دروازے کو پیٹنا

چون[15] محلہ پُر شد از ہیہایِ میر — وز لگد بر در زدن وز دار و گیر

جب امیر کی ہا ہو سے محلہ بھر گیا — دروازے پر لاتیں مارنے سے اور پکڑ دھکڑ سے

خلق بیرون جست زود از چپ و راست — کاے مقدم وقتِ عفوست و رضاست

دائیں اور بائیں سے لوگ باہر نکل آئے — کہ اے پیشرو! معافی اور راضی ہوجانے کا وقت ہے

مغزِ او خشک ست و عقلش این زماں — کمترست از عقل و فہمِ کودکاں

اس کا دماغ خشک ہوگیا ہے اور اب اس کی عقل — بچوں کی عقل اور سمجھ سے کم تر ہے

زہد و پیری ضعف بر ضعف آمدہ — و اندراں زہدش کشادے نامدہ

زہد اور بڑھاپا، کمزوری پر کمزوری آگئی — اور اس زہد میں اس کو بسط حاصل نہ ہوا

رنج[16] دیدہ گنج نادیدہ زیار — کارہا کردہ ندیدہ مزدِ کار

اس نے تکلیف برداشت کی، یار کا خزانہ نہ دیکھا — کام کئے، کام کی مزدوری نہ دیکھی

یا نبود آں کارِ او را خود گہر — یا نیامد وقتِ پاداش از قدر

یا تو اس کے کام میں خود جوہر نہ تھا — یا تقدیر (خداوندی) سے بدلے کا وقت نہیں آیا ہے

یا که بود آں سعی چوں سعیِ جہود — یا جزا وابستۂ میقات بود

یا اس کی کوشش، یہود کی کوشش کی طرح تھی — یا بدلہ، وقتِ مقررہ سے وابستہ تھا

مر ورا درد و مصیبت ایں بس ست — کاندریں وادیِ پُر خوں بیکس ست

اس کے لئے یہ درد اور مصیبت کافی ہے — کہ وہ اس خونناک وادی میں بیکس ہے

چشم[17] پُر درد و نشستہ او بہ کنج — رو ترش کردہ فرو افگندہ لنج

آنکھ درد سے پُر ہے اور وہ گوشہ نشین ہے — منہ بنائے ہوئے ہے ہونٹ لٹکائے ہوئے ہے

نے یکے کحال کو را غم خورد — نیش عقلے کو بکحلے پے برد

نہ کوئی آنکھوں کا معالج ہو کہ اس کی فکر کرے — نہ اس کو عقل ہے، کہ وہ سرمہ کی تلاش کرے

اجتہادے میکند با وہم و ظن — کار در بوک ست تا نیکو شدن

وہم اور گمان کے ساتھ کوشش کر رہا ہے — معاملہ ٹھیک ہونے تک "بو" وہم میں ہے

زاں رہش دورست تا دیدارِ دوست — کو نجوید سر رئیسی عشقِ پوست

اسی لئے دوست کے دیدار تک کا راستہ اسکے لئے دور ہے — کیونکہ چھلکے کے عشق سے اسکے سر میں کوئی نہیں رہا

---

[15] چوں محلہ۔ امیر کے شور و غوغا اور زاہد کے کواڑوں پر لاتیں مارنے سے محلے کے آدمی جمع ہوگئے۔ مقدم۔ پیشرو مغز او۔ زاہد کا دماغ خشک ہوگیا ہے ایک تو بڑھاپا پھر زہد جس نے اسکو نرے کمزور کردیا اور پھر اُس پر کشادگی یعنی بسط کی کیفیت طاری نہیں ہوئی ہے۔

[16] رنج۔ زاہد نے تکلیفیں اُٹھائیں اور ابھی تک کچھ فیض نہ پایا ہے محنت کی ہے اور ابھی تک کوئی مزدوری نہیں ملی ہے۔ خود گہر یعنی اس کی عبادت میں خلوص نہ تھا... یا نیامد۔ اعبادت تو مقبول ہوئی ہے اور اجر کا وقت نہیں آیا ہے۔ سعی جہود۔ یہود کی عبادت بیکار ہے مر ورا۔ اُس زاہد کو تو اپنی ہی مصیبتیں کافی ہیں آپ اور کس کو مصیبت میں ڈالتے ہیں۔ وادی پر خوں۔ راہ عشق۔

[17] چشم۔ وہ مایوسی کی حالت میں گوشہ نشین ہے۔ لنج۔ ہونٹ۔ کحال۔ معالج چشم۔ بوک۔ "بو دکہ" ہوسکتا ہے کہ" یہ کسی معاملہ میں شک کی صورت میں کہا جاتا ہے۔ زاں رہ دور کہ ابھی اُس کا اپنی ہستی سے تعلق ہے اسی لئے شاہد کی منزل اس سے دور ہے۔

ساعتے اُو با خدا اندر عتاب | کہ نصیبم رنج آمد زیں جناب
کسی وقت وہ خدا سے غصہ میں ہے | کہ اس درگاہ سے مجھے غم کا حصہ ملا ہے

ساعتے با بختِ خود اندر جدال | کہ ہمہ پرّاں و ما بریدہ بال
کسی وقت اپنے مقدر سے لڑائی میں ہے | کہ سب پرواز میں ہیں اور ہم بال کٹے ہیں

ہر کہ محبوس ست اندر بو و رنگ | گرچہ در زہد ست باشد خوش تنگ
جو شخص بو اور رنگ میں مقید ہے | اگرچہ وہ زہد میں ہے، بہت تنگ ہوگا

تا بروں نایدازیں تنگیں مناخ | کے شود خویش خوش و صدرش فراخ
جب تک وہ اس تنگ پڑاؤ سے باہر نہ نکلے | اس کی عادت بھلی اور اس کا سینہ فراخ کب ہوگا!

زاہداں را در خلا پیش از گشاد | تیغ و استرہ نشاید ہیچ داد
(اسی لئے) زاہدوں کو بسط سے پہلے تنہائی میں | تلوار اور استرہ کبھی نہ دینا چاہیئے

کز[۵] ضجر خود را بدراند شکم | غصۂ آں بے مرادیہا و غم
کیونکہ تنگدلی کی وجہ سے وہ اپنا پیٹ پھاڑ دیگا | ان ناکامیوں کے غصہ اور غم (سے)

بے مرادی ہای ایں دنیا خوش ست | با مرادی تند خوی و سرکش ست
اس دنیا کی نامرادیاں بھلی ہیں | مرادمندی، بدمزاج اور سرکش ہے

انداختن مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود را از کوہِ حرا از وحشت و دیر نمودنِ دیدار و نمودنِ جبرئیل علیہ السلام خود را بوے کہ میندازکہ ترا دولتہا و سعادتہا در پیش ست

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حرا پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرنا اور جبرئیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کرنا کہ گرائیے کیونکہ آپ کو دولتیں اور سعادتیں درپیش ہیں۔

مصطفیٰ را ہجر[۶] چوں بفراختے | خویش را از کوہ می انداختے
حضرت مصطفیٰؐ پر جب فراق غلبہ پاتا | اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ کرتے

تا بگفتے جبرئیلش ہیں مکن | کہ ترا بس دولت ست از امرِ کُن
حتیٰ کہ اُن کو جبرئیل کہتے خبردار! یہ نہ کیجئے | کیونکہ امرِ کُن کی وجہ سے آپ کے لئے بہت دولتیں ہیں

مصطفیٰ ساکن شدے ز انداختن | باز ہجراں آوریدے تاختن
حضرت مصطفیٰؐ گرانے سے رُک جاتے | پھر، فراق حملہ کرتا

باز خود را سرنگوں از کوہ او | میفگندے از غم و اندوہ او
پھر خود کو وہ پہاڑ سے اوندھا | غم اور رنج کی وجہ سے گرانے کا ارادہ کرتے

ساعتے۔ وہ کسی وقت تو خدا سے بھی لڑنے لگتا ہے۔

[۴] ساعتے کسی وقت خود اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ ہر کہ جس میں خودی باقی ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو وہ تنگی میں رہتا ہے۔ تا بروں جب تک خودی کے تنگ تانے کو نہ توڑے اُسکو بسط کی کیفیت حاصل نہ ہوگی۔ زاہداں بسط کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے قبض کی حالت میں بسا اوقات سالک خود کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اسلئے تنہائی میں کبھی تلوار اور استرہ نہ دینا چاہیئے

[۵] کز ضجر قبض کی حالت میں اس قدر دل تنگ ہوتا ہے کہ اپنی نامرادی کے رنج میں سالک اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے۔ نامرادی۔ دنیا کی ناکامی انسان کے لئے بہتر ہے۔ بامراد، بدمزاج اور سرکش ہو جاتا ہے۔ انداختن آنحضورؐ سے جب وحی کا انقطاع ہوا تو قبض کی ایک کیفیت ہوئی۔ آنحضورؐ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا حضرت جبرئیلؑ آکر تسلی دیتے تھے تب آپ کو سکون ہوتا تھا۔

[۶] ہجر۔ یعنی قبض کی کیفیت جو حق کے مشاہدہ نہ ہونے سے پیدا ہوئی تھی ورنہ ذات اقدس کو ایک گونہ مشاہدہ ہر وقت حاصل تھا۔ امر کُن یعنی اللہ کے حکم سے۔ بے بدیل نظیر۔

باز خود پیدا شدے آں جبرئیل — کہ مکن ایں اے تو شاہے بے بدیل

پھر وہ جبرئیلؑ خود رونما ہوتے — کہ اے بے مثال شاہ! یہ نہ کیجئے

ہمچنیں[ملہ] می بود تا کشفِ جیب — تا بیابیداں گہر را او زجیب

پردہ کھلنے تک یہی ہوتا رہتا — یہاں تک کہ انہوں نے جیب میں سے وہ موتی پایا

بہرِ ہر محنت چو خود را می کُشند — اصلِ محنتہاست ایں چونش کُشند

جبکہ ہر مصیبت کی وجہ سے اپنے آپکو مار ڈالتے ہیں — یہ مصیبتوں کی جڑ ہے اسکو کیسے برداشت کریں

از فدائی مرداں را حیرتیست — ہر یکے از ما فدائے سیرتیست

قربان ہونے پر لوگوں کو حیرت ہے — (حالانکہ) ہم میں سے ہر ایک ایک خصلت پر قربان ہے

اے[لہ] خنک آنکو فدا کرد ست تن — بہرِ آں کارز زد فدای آں فن

وہ قابلِ مبارکباد ہے جس نے جسم کو قربان کر دیا — اس کام پر جو قربان ہو جانے کے لائق ہے

مردِ حق بارے فدای ایں فن ست — کاندرو صد زندگی در کشتن ست

بہر حال مردِ خدا اس فن پر قربان ہے — جس میں فنا ہو جانے میں سینکڑوں زندگیاں ہیں

عاشق و معشوق و عشقش بر دوام — در دو عالم بہرہ مند و نیک نام

عاشق اور معشوق اور اس کا عشق ہمیشہ — دونوں جہان میں نصیبہ ور اور نیکنام ہیں

در جہاں ہر کس فدای آں فنے ست — کاندراں رہ صرفِ عمر و کشتنے ست

دنیا میں ہر شخص اس فن پر قربان ہے — کہ اس راہ میں عمر کا خرچ ہوتا اور مر جانا ہے

کشتنی اندر غروبی یا شروق — کہ نہ شائق ماند آنجا نے مشوق

غروبی یا شروق میں مر جانا (بھلا ہے) — کیونکہ وہاں نہ عاشق رہتا ہے، نہ معشوق

یا کرامی ارحموا اہل الہوی — شانُہم ورد التَّوی بعد التَّوی

اے میرے مہربان! اہلِ عشق پر رحم کرو — انکی حالت ہلاکت کے بعد ہلاکت کے گھاٹ پر آنا ہے

عفو کن اے میر بر سختیِ او — در نگر در درد و بد بختیِ او

اے امیر! اس کی سختی کو معاف کر دے — اس کے درد اور بدبختی پر نظر کر

تا ز جرمت ہم خدا عفوے کند — زلّتت را مغفرت در آگند

تاکہ خدا تیری خطا بھی معاف کر دے — تیری لغزش کو معافی سے بھر دے

تو ز[ملہ] غفلت بس سبو بشکستۂ — بر امیدِ عفو دل در بستۂ

تو نے غفلت سے بہت سی ٹھلیاں توڑی ہیں — معافی کی امید سے دل وابستہ کیا ہے

عفو کن تا عفو یابی در جزا — می شگافد مو قدر اندر سزا

معاف کر تاکہ بدلے میں تو معافی حاصل کرے — تقدیر (خداوندی) سزا میں مو شگافی کرتی ہے

[ملہ] ہمچنیں۔ آنحضرتؐ پر جب تک مزید مشاہدہ کا پردہ نہ ہٹ جاتا اور گوہر مقصود جیب میں سے نہ پالیتے یہی کیفیت رہتی۔ بہر ہر محنت انسان دنیا کی مصیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرلیتا ہے قبض کی یہ کیفیت تو تمام مصائب کی جڑ ہے۔ اگر کوئی انبیا اور بزرگ جو راہِ حق میں فدا ہوتے ہیں اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے حالانکہ ہر انسان اس سیرت پر جان دیتاہے جو اس کی ہے۔

[لہ] اے خنک۔ راہِ حق میں فدا ہوجانا قابلِ مبارکباد ہے۔ راہِ حق اس کے سزاوار ہے کہ اس پر قربان ہوجانا چاہیئے... مردِ حق۔ اس راستہ پر قربان ہونے سے سیکڑوں زندگیاں حاصل ہوتی ہیں۔ معشوق یعنی حق تعالےٰ۔ در جہاں۔ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی مشغلہ پر ایسا فریفتہ ہوتاہے جس میں عمر صرف کردیتاہے اور اپنے آپ کو فنا کردیتاہے سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو غروبی یعنی ہجرِ حق میں فنا کردے یا وصل میں فنا کردے وصل میں فنا کردیگا تو نہ پھر عاشق باقی ہے نہ معشوق یعنی ذاتِ باری معشوق کی حیثیت سے باقی نہ رہیگی بجز ذاتِ حق باقی رہیگی۔ غروبی یعنی ہجر۔ شروق۔ یعنی حالتِ مشاہدہ۔

[ملہ] اہل الہوی۔ محبت کرنے والے عاشق۔ شانہم۔ عاشق پر محویت طاری رہتی ہے اور وہ ہمہ وقت فنا ہوتا رہتاہے۔ عفو کن۔ سمد والوں نے ناچ پر

گوش کافانِ قدر را ہوش دار
قدر یا خداوندی کے نکتہ چینوں کیلئے ہوش کر

بازلشنو قصۂ میلاں دگر
پھر دوسرے امیروں کا قصہ سن لے

قصۂ ما را تو نیکو گوش دار
تو ہمارے قصہ کو اچھی طرح سن لے

تا بیابی زیں حکایت صد خبر
تاکہ تجھے اس قصہ سے سینکڑوں خبریں حاصل ہوں

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ یعنی جو ایک ذرہ خیر کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو ایک ذرہ شر کرے گا اس کو دیکھے گا۔ باز بشنو۔ دوسرے ظالم امیروں کے انجام کے قصے سن کر عبرت حاصل کرے۔

غضبناک امیر نے کہا۔ ذرا فکر نہ کرو بدبختی میں جتلا ہے تاکہ اور کیا سزا دیتا ہے تاکہ عبرت۔ حدیث شریف ہے اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ گاؤ۔ وہ غفلت یعنی تو نے بھی غفلت سے بہت سے قصور کئے ہیں۔ تم نے کیا فرمان فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ

شرح

وہ غلام زاہد کے پاس سے بھاگ کر امیر کے پاس پہنچا۔ امیر نے کہا کہ شراب کہاں ہے اس نے الف سے لیکر "ی" تک سارا قصہ مفصل کہہ دیا یہ واقعہ سنکر امیر غصہ سے آگ ہوگیا اور بے تابانہ کھڑا ہوگیا اور کہا کہ چل بتا اس زاہد کا مکان کہاں ہے۔ تاکہ میں اس سارے گرز سے اس کا سر یعنی وہ سر کوٹوں جو عقل سے خالی اور بدمعاش ہے (مادر غر ایک گالی ہے اور غیر زن فاحشہ کو کہتے ہیں) وہ اپنے کتے پن کے سبب امر بالمعروف کیا جانے اور وہ کسی کی اصلاح کیا کریگا وہ تو خود قابل اصلاح ہے کیونکہ ریاکار اور طالب شہرت و نام ہے اور مقصود اس کا یہ ہے کہ اس فریب سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلے اور لوگوں پر ظاہر کردے کہ میں کچھ ہوں حالانکہ واقع میں اس میں کوئی خوبی بھی نہیں بجز اس کے کہ وہ لوگوں سے دھوکہ بازی اور بناوٹ کرتا ہے وہ اگر دیوانہ ہوگیا ہے اور خواہ مخواہ فتنہ اٹھاتا ہے۔ تو میں اس کا کیر گاؤ سے علاج کروں گا کیونکہ دیوانوں کا علاج کیر گاؤ ہی سے ہوتا ہے (فائدہ: کیر گاؤ سے مراد بیل کا عضوِ تناسل ہے جو کہ بجائے کوڑے اور ہنٹر کے استعمال کیا جاتا تھا) تاکہ شیطان اس کے سر سے بالکل نکل جائے۔ وہ بدوں سزا کے ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ گدھے بدوں گدھے والوں کی لاتوں کے نہیں چلتے۔

الغرض وہ امیر باہر نکلا۔ گرز اسکے ہاتھ میں تھا اور آدھی رات کے وقت شراب سے کسی قدر مخمور زاہد کے مکان پر آیا۔ اور چاہا کہ مرد زاہد کو مارے غصہ کے مار ڈالے لیکن وہ خوف سے اُون کے نیچے چھپ گیا اور رسّی بٹنے والوں کی اُون کے تلے چھپا ہُوا امیر کی گفتگو سُن رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ آدمی کی بُرائی کو اس کے منہ پر کہہ دینا آئینہ کا کام ہے جو نہایت بیباک اور دلیر ہے اور آئینہ کی طرح لوہے کے منہ کی ضرورت ہے کہ مجھ سے کہے کہ اپنا برا منہ دیکھ یعنی اس کام کے لیے بے باکی اور جرأت کی ضرورت ہے اور مجھ میں یہ بات ہے نہیں۔ اسلئے میں معذور ہوں۔

اب مولانا اسکی مناسب ایک حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس زاہد کی ایسی مثال تھی جیسے دلقک کی اور قصہ اس کا یہ ہے کہ بادشاہ دلقک کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ دلقک نے بادشاہ کو مات کردی اسسے بادشاہ کو غصہ آگیا۔ دلقک نے حسب عادت شطرنج بازاں شہ شہ کہنی شروع کی۔ یہ سُنکر مغرور بادشاہ نے شطرنج کے مہرہ لے کر ایک ایک کو مہرہ ان کے سر میں ٹھونکنا شروع کیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ لے یہ ہے تیری شہ۔

دلقک نے اس مصیبت پر صبر کیا اور کہا کہ حضور مجھے امان دیں۔ خیر یہ قصہ ختم ہوگیا اور بادشاہ کا غصہ جاتا رہا۔ اسکے بعد بادشاہ نے کہا کہ اچھا اب کے پھر کھیلو۔ وہ یہ سُنکر یوں کانپنے لگا جیسے سخت جاڑے میں ننگا آدمی کانپتا ہے لیکن مجبوراً اُسے کھیلنا پڑا اور بادشاہ کو پھر مات ہوگئی اور شہ شہ کہنے کا وقت آیا اس وقت وہ اچھل کر ایک کونہ میں گیا اور وہاں جاکر خوف سے اسنے اپنے اوپر چھ نمدے ڈال لیے اور وہ بادشاہ کی مار سے چھپنے کے لیے چھ نمدہ کے فرشوں کے نیچے چھپ رہا۔ بادشاہ نے کہا کہ ارے یہ کیا حرکت! اسنے کہا کہ حضور والا شہ شہ شہ شہ۔ جناب اصل بات یہ ہے کہ آپکے غصہ ور اور آتش لباس شخص کے سامنے حق بدوں لحاف کے نہیں کہا جاسکتا۔ پس چونکہ میں نے آپکو مات کی ہے

اور آپکے مار سے مجھے اسلئے میں آپکو۔ فروش کے نیچے سے شہ شہ کرتا ہوں۔
[فائدہ: محشین نے شہ شہ کو بضم شین منضبط کہا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ لفظ بفتح شین بمعنی مات ہے۔]
خیر یہ قصہ تو ختم ہوا۔ اب سنو! کہ جب امیر نے بہت کچھ شور و شغب کیا تو اسکے شور و شغب سے لوگ اکٹھے ہو گئے اور محلہ لوگوں سے بھر گیا۔ اور انہوں نے خوشامد کرنی شروع کی اور کہا کہ حضور یہ موقع معافی اور رضا مندی کا ہے آپ اسے معاف کر دیجئے کیونکہ اسکی دماغ میں خشکی آگئی ہے اور اس زمانہ میں اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں ہے جتنی کہ بچوں کو ہوتی ہے اسلئے کہ اوّل تو وہ زاہد ہے اور دوسرے بڈھا ہے اسلیے اس میں دوہرا ضعف آگیا ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اس زہد میں اسکو بسط نہیں ہوا ہے بلکہ ہنوز قبض میں مبتلا ہے کیونکہ تکلیف تو اس نے اٹھائی مگر دولت وصال اسے ہنوز میسر نہیں ہوئی اور اسنے کام تو کیا مگر صلہ اسے نہیں ملا۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہے اور یا یہ وجہ ہو کہ ابھی ثمرہ مرتب ہونے کا وقت نہیں آیا بنا بریں یا تو اس کی سعی کوشش کفار کی طرح بے سود ہے یا بے سود تو نہیں مگر اس کی جزا ایک وقت خاص سے متعلق ہے خیر کچھ بھی ہو وہ اس وقت ناکام ضرور ہے اور یہ تکلیف اور یہ مصیبت ہی اسکے لیے کافی ہے کہ وہ اس وادی پر خون میں بیکس ہے۔ اور اس کی آنکھیں درد سے پُر ہیں۔ اور وہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے اور غم سے منہ چڑھائے ہوئے اور ہونٹ لٹکائے ہوئے ہے اور نہ کوئی اسکی آنکھوں میں سرمۂ بصیرت لگانے والا ہے کہ جس سے اس کی باطنی آنکھیں کھلیں اور نہ اسے اتنی عقل ہے کہ وہ خود کوئی سرمہ معلوم کرے۔ غرضکہ وہ محض وہم اور ظن کی بنا پر مجاہدات کر رہا ہے اور جب تک اسکی حالت درست نہ ہو جائے اس وقت تک وہ لیت و لعل میں گرفتار رہے اور اسلئے ہنوز اسکے لیے حصول وصال کی کوئی توقع ہی نہیں ہے کہ عشق پوست (راحت ولذت میں ان کا مغز سر ختم ہو گیا ہے کیونکہ کبھی تو وہ خدا سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بس ہمارے حصہ میں تو آپکے یہاں سے

صرف رنج آیا ہے اور خوشی ہماری قسمت ہی میں نہیں ہے اور کبھی اپنی قسمت سے لڑتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ تو عروج کر رہے ہیں اور ہم لاچار اور مجبور ہیں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! جو شخص بُو و رنگ (راحت و لذت) میں گرفتار ہوتا ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور جب تک وہ اس تنگ مقام سے باہر نہیں نکلتا۔ اس وقت تک وہ خوش خُلق اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ حل مشکل اور حصول مقصود سے پہلے زاہدوں کو تلوار یا استرہ کچھ نہ دیا جائے کیونکہ وہ دل تنگی اور پریشانی کے سبب اور اپنی ناکامیوں کے رنج و غم میں اپنا پیٹ پھاڑ لے گا اسلئے اسکو اپنی ناکامی کا سخت صدمہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنی جان سے بیزار ہوتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے کیونکہ اخروی ناکامی ضرور رنج کے قابل ہے مگر بشرطیکہ واقعی ہو اور مثل عدم حصول کشف وغیرہ امور غیر مقصودہ خیالی نہ ہو۔ لیکن دنیاوی ناکامیاں اور رنج بری چیز نہیں ہیں بلکہ وہ اچھی ہیں۔ کیونکہ ان سے تذلّل اور تمسکن اور افتقار کی شان پیدا ہوتی ہے اور جو کوئی کامیاب ہوتا ہے۔ وہ تند خُو اور سرکش ہو جاتا ہے۔

[فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ بے مرادہائے ایں دنیا سے عدم حصول کشف وغیرہ مراد ہو۔ اور مقصود یہ ہو کہ ان امور غیر مطلوبہ کا حاصل نہ ہونا ہی اچھا ہے کیونکہ ان سے نایدازیں تنگیں مناخ کے دعویٰ اور غرور پیدا ہو جاتا ہے ویؤید ہذا الاحتمال قولہ ہر کہ محبوس ست اندر بو و رنگ۔ گرچہ در زہد ست باشد خوش بہ تنگ۔ تا بروں نایدازیں کے شود خویش خوش وصدرش فراخ

خیر! یہ جملہ تو معترضہ تھا۔ اب ہم زاہدوں کے دل تنگی اور ان کی جان سے بیزاری کی تائید ایک واقعہ سے کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ جب صدمہ فراق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے جاتا۔ تو آپ وہاں پہنچکر اپنے کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام آپ کی تسکین فرماتے اور کہتے تھے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ آپ کو بحکم خداوندی بہت سی دولتیں ملنے والی ہیں مگر ہنوز ان کا وقت نہیں ہے آپ گھبرائیں نہیں اور صبر فرمائیں۔ اس تسکین

سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو گرانے سے رُک جاتے تھے۔ پھر بحر یورش کرتا تھا تو پھر آپ رنج وغم سے اپنے کو گرانے کا ارادہ کرتے تھے لیکن پھر جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے تھے کہ یہ مناسب نہیں ہے ایسا نہ کیجئے۔

غرضکہ جب تک حسب دل خواہ کشف حجاب نہیں ہوگیا۔ اور گوہر مقصود جیب قلب سے نہیں پالیا۔ اس وقت تک آپ کی یہ حالت رہی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ جب آدمی عام مصیبتوں کے سبب اپنے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ تو مصیبت فراق حق سبحانہ، تو تمام مصائب سے بڑھ کر ہے اسکو وہ کیونکر جھیل سکتے ہیں۔ لوگوں کو حیرت ہے کہ زاہد لوگ کیونکر اپنی جان دیدیتے ہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ ان کو یہ حیرت کیوں ہے اسلیے کہ ہر ایک کی یہ حالت ہے کہ وہ کسی نہ کسی بات پر جان دے رہا ہے اور کسی کو مال مطلوب ہے وہ مال کے لیے جان دے رہا ہے اور کسی کو جاہ مطلوب ہے وہ جاہ کے لیے جان دے رہا ہے۔ ہکذا پھر زاہدوں کے جان... دینے پر کیوں تعجب کیا جاتا ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی مقصود کے لیے جان دے رہا ہے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ بڑے مزہ میں ہے وہ شخص جو اپنے جسم کو ایسے مقصود کے لیے فنا کردے جو فدا کرنے کے قابل ہے اور وہ اہل اللہ ہیں جو کہ ایسے مقصود کے لیے فنا کرتے ہیں جسکے لیے جان دینے میں سینکڑوں زندگیاں ہیں۔

اور یہ عشاق اور ان کا معشوق اور ان کا عشق سب کے سب باقی ہیں اور یہ لوگ دین اور دنیا دونوں میں نیک نام ہیں۔ رہے اہلِ دنیا سو ان کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے ہر شخص ایک مقصود پر قربان ہے جس کی راہ میں عمر کھونا اور جان دینا ہے اور یہ جان دنیا غروب آفتاب یا شرق آفتاب کے اندر ہے جہاں کہ نہ مطلوب رہے گا اور نہ طالب (مطلب یہ ہے کہ ان کے عشق کا تعلق عالم ناسوت سے ہے۔ جو محل طلوع وغروب آفتاب اور فانی ہے اور اسلئے خود وہ بھی فانی ہیں اور ان کے معشوق بھی اور ان کا عشق بھی (واللہ اعلم)

خلاصہ یہ ہے کہ عشق بُری بلا ہے اور عشاق کا کام پیہم بلائیوں میں پڑنا ہے لہذا

ان کی حالت قابلِ رحم ہے پس لوگو! تم ان پر رحم کرو۔

اب مولانا بنا بر استحضار واقعہ امیر کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں اے امیر آپ بھی اس کی مصیبت پر رحم کریں اور اس کی تکلیف اور بدقسمتی پر نظر کریں تاکہ حق سبحانہٗ آپ کے قصور بھی معاف فرمائیں اور آپ کی لغزش کو مغفرت سے بھر دیں آپنے بھی اپنی غفلت کے سبب امر حق کے بہت سے گھڑے توڑے ہیں اور تاہم آپ عفو الٰہی کی توقع رکھتے ہیں پس آپ بھی اس کا قصور معاف کر دیجیے تاکہ اس کے معاوضہ میں حق سبحانہٗ آپ کے قصور کو معاف کر دیں کیونکہ جس طرح آپ اس غریب کے مقابلہ میں بال کی کھال نکالتے ہیں یوں ہی حکم الٰہی آپ کے مقابلہ میں بھی بال کی کھال نکالے گا۔ پس آپ موشگافان تقدیر کو نظر انداز نہ کیجیے اور ان کا لحاظ رکھیے اور ہماری نصیحت کو خوب اچھی طرح سن لیجیے!

اس گفتگو کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا! اب پھر اس امیر کا قصہ سنو کہ اسنے انہیں کیا جواب دیا۔ تاکہ اس واقعہ کی تم کو بخوبی اطلاع ہو جائے۔

(فائدہ: واضح ہو کہ ہم نے ؎ عفو کن اے میر بر سختی او الخ کو خود مولانا کی سفارش قرار دیتا ہے اور اس کے تین قرینہ ہیں قرینہ اوّل سفارش عام ہے جو مولانا نے ؎ یا کرامی ارحموا اہل النوی الخ سے فرمائی ہے اور قرینۂ دوم اختلاف طرز سفارش ہے کہ لوگوں کی سفارش میں خوشامد کا رنگ ہے۔ اور اس سفارش میں شان ارشاد غالب ہے اور تیسرا قرینہ مولانا کا قول باز بشنو قصۂ میر آں دگر الخ سے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک گفتگو خود مولانا کی تھی واللہ اعلم)

جواب گفتنِ امیر مرآں شفیعانِ زاہد را کہ گستاخی چرا کرد او

امیر کا اُن زاہد کے سفارشیوں کو جواب دینا کہ اُس نے گستاخی کیوں کی؟

سبوئے ما را چرا بشکست من دریں باب شفاعت قبول

اور ہماری مٹلیا کیوں توڑی؟ میں اِس سلسلے میں سفارش قبول

نخواہم کرد کہ سوگند خوردہ ام کہ سزای او بدہم

نہ کروں گا کیوں کہ میں نے قسم کھائی ہے، کہ اُس کو سزا دوں گا

میر گفت آں کیست تا سنگے زند ۔۔۔ بر سبوئے ما سبو را بشکند

امیر نے کہا وہ کون ہوتا ہے، کہ پتھر مارے ۔۔۔ ہماری مٹلیا پر، مٹلیا کو پھوڑ دے؟

چوں گذر سازد ز کویم شیرِ نر ۔۔۔ ترس ترساں بگذرد با صد حذر

جب میرے کوچہ سے نر شیر گذرتا ہے ۔۔۔ سینکڑوں بچاؤ کے ساتھ ڈرتا ڈرتا گذرتا ہے

بلکہ بگذارد ز ہیبت پنجہ را ۔۔۔ مور گردد پیشِ قہرم اژدہا

بلکہ خوف سے پنجہ کو چھوڑ بھاگتا ہے ۔۔۔ اژدہا میرے غصہ کے سامنے چیونٹی بن جاتا ہے

بندۂ ما را چرا آزرد دل ۔۔۔ کرد ما را پیشِ مہماناں خجل

اُس نے ہمارے غلام کا دل کیوں دُکھایا؟ ۔۔۔ اُس نے ہمیں مہمانوں کے سامنے شرمندہ کیا

شربتِ[2] کاں بہ ز خونِ او بریخت ۔۔۔ ایں زماں ہمچوں زناں از ما گریخت

وہ شراب جو اُس کے خون سے بہتر تھی اُس نے بہادی ۔۔۔ اب عورتوں کی طرح ہم سے بھاگ گیا

لیک جاں از دستِ من او کے برد ۔۔۔ گرچہ ہمچوں مرغ بر بالا پرد

لیکن وہ میرے ہاتھ سے جان کہاں بچا سکے گا! ۔۔۔ اگرچہ پرندے کی طرح اوپر کو اُڑ جائے

تیرِ قہرِ خویش بر پرّش زنم ۔۔۔ پر و بالِ مردہ ریگش بر کنم

میں اپنے قہر کا تیر اُس کے پروں پر ماروں گا ۔۔۔ اُس کے ورثہ کے بال اور پر نوچ دوں گا

ور شود چوں ماہی اندر آبِ در ۔۔۔ از نہیبِ من شود زیر و زبر

اگر وہ مچھلی کی طرح پانی میں گھس جائے ۔۔۔ میرے خوف سے تہ و بالا ہو جائے گا

جاں[3] نخواہد برد از شمشیرِ من ۔۔۔ ور کند صد حیلہ و تدبیر و فن

وہ میری تلوار سے جان نہ بچا سکے گا ۔۔۔ خواہ سینکڑوں حیلے اور تدبیر اور فن کرلے

گر رود در سنگِ سخت از کوششم ۔۔۔ از دلِ سنگش کنوں بیروں کشم

اگر وہ میری کوشش سے بچ کر سخت پتھر میں گھس جائے گا ۔۔۔ اُس کو پتھر کے اندر سے باہر نکال لوں گا

من بر انگیزم بر تنِ او ضربتے[1] ۔۔۔ کہ بود مر دیگراں را عبرتے

میں اُس کے جسم پر ایسی ضرب لگاؤں گا ۔۔۔ جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوگی

۱؎ میر گفت۔ سفارشیوں کے جواب میں امیر نے کہا کہ اُس زاہد کی کیسے ہمت ہوئی کہ میری گلی میں گھڑا پھوڑے، میری گلی سے تو شیر بھی گذرتا ہے تو ڈرتا ہوا گذرتا ہے بلکہ خوف سے اپنے پنجے چھوڑ بھاگتا ہے، میرے سامنے اژدہا بھی چیونٹی بن جاتا ہے۔ بندہ۔ اس نے میرے غلام کو ستایا مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ کیا۔

۲؎ شربت۔ ایسی قیمتی شراب بہادی جو اُس کے خون سے بھی زیادہ قیمت کی تھی اور اب ڈر کر عورتوں کی طرح گھر میں گھس گیا۔ لیک۔ لیکن یہ میرے ہاتھ سے بچ نہ سکے گا اگر یہ پرندہ بن کر اڑ جائے گا تو بھی تیر چلا کر ہلاک کر دوں گا۔ ور شود۔ اگر مچھلی بن کر پانی میں گھسے گا میرا قہر وہاں بھی اس کو تہ و بالا کر دے گا۔

۳؎ جاں نخواہد۔ وہ خواہ کوئی تدبیر کرے مجھ سے بچ نہ سکے گا۔ گر رود۔ اگر وہ پتھر کے دل میں گھسے گا میں اس کو وہاں سے بھی نکال لوں گا۔

۱؎ ضربت۔ مار۔ کہ بود۔ اس کو پٹتا دیکھ کر دوسرے عبرت حاصل کریں گے اور ان کو ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہوگی۔ مکاری۔ اس زاہد کا کام مکاری اور حیلہ بازی ہے

اور یہ مکر کیا اس نے اپنی شہرت کا فاش کیا ہے سب سے تو مکر کرتا تھا مجھ سے بھی اس نے مکاری برتی اب اس کو اور اس جیسے سینکڑوں کو سزا دونگا۔ ختم ہا اس امیر کو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ اس کے منھ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

کارِ اُو سالوس و زرق و حیلت است
اُس کا کام مکر اور فریب اور حیلہ ہے
لیک مقصودش بیانِ شہرت است
لیکن اُس کا مقصد شہرت ظاہر کرنا ہے

با ہمہ سالوس و با ما نیز ہم
سب کے ساتھ مکر اور ہمارے ساتھ بھی
دادِ اُو و صد چو اُو ایں دم دہم
میں اُس کا اور اُس جیسے سینکڑوں کا ابھی انصاف کرونگا

بر سرش چندان زنم گرزِ گران
بھاری گرز اُس کے سر پر اتنے ماروں گا
کز تنش بیروں رود جان و رواں
کہ اُس کے جسم سے روح اور جان باہر نکل پڑے

خشمِ خونخوارش فتدہ بدسرکشے
اُس (امیر) کا خونخوار غصہ بے قابو ہو گیا تھا
از دہانش می برآمد آتشے
اُس کے مُنھ سے آگ نکل رہی تھی

شرح امیر نے جواب دیا کہ وہ ہمارے گھڑے کو پتھر مار کر توڑ دینے والا کون ہوتا تھا اور اسنے کیوں توڑا۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ جب ہمارے کوچے سے شیر نر گذرتا ہے تو وہ بھی بہت ڈرتا ڈرتا گذرتا ہے۔ بلکہ ہیبت سے اپنا پنجہ ہمارے کوچہ میں چھوڑ جاتا ہے یا یوں کہو کہ اپنا زور اور سرکشی چھوڑ دیتا ہے اور اژدہا ہمارے قہر کے سامنے چیونٹی ہو جاتا ہے اور باوجود اسکے اسنے میری گستاخی کی بس وہ ضرور قابل سزا ہے آخر اسنے ہمارے غلام کو کیوں ستایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہم کو اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ ہم اسے ضرور سزا دیں گے اسنے وہ شراب گرائی جو کہ اسکے خون سے بہتر تھے۔ پھر اس کا خون کیوں نہ بہایا جائے اسنے یہ گستاخی کی۔ مگر اب عورتوں کی طرح ہمارے سامنے سے بھاگ گیا لیکن وہ اس تدبیر سے بچ نہیں سکتا۔ وہ اگر پرندہ بن کر ہوا میں اُڑ جائے گا تب بھی ہم سے جانبر نہ ہوگا ہم اپنے قہر کا تیر اسکے پُر پر ماریں گے اور اسکے ذلیل پر و بازو توڑ ڈالیں گے اور اگر وہ مچھلی بن کر پانی میں چلا جائے گا تب بھی وہ نجات نہ پائے گا کیونکہ میرے خوف سے وہاں بھی وہ برباد ہو جائے گا۔

الغرض! وہ میری تلوار سے نجات نہیں پا سکتا خواہ وہ سینکڑوں تدبیریں کر لے اگر وہ پتھر میں بھی گھس جائے گا۔ تب بھی میں اپنی کوشش سے اسے پتھر میں

سے نکال لوں گا اور اسکے جسم پر ایسی کاری ضرب لگاؤں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ اس کا کام مکر اور فریب اور حیلہ ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ وہ برا ہو۔ مگر بایں ہمہ اس کا مقصود یہی نیکنامی کا ظہور ہے نخیر اوروں کے ساتھ تو وہ مکر کرتا ہی تھا۔ ہم سے بھی فریب کرتا ہے پس میں اس کی اور ایسے سینکڑوں کی بھی گت بناؤں گا اور اسکے سر پر اتنے گرز ماروں گا کہ اسکے جسم سے جان نکل جائے۔ الغرض اس کا خونخوار غصہ سرکش ہوگیا تھا جو کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا اور اسکے منہ سے آگ نکل رہی تھی۔

دوم بار دست و پائے امیر را بوسہ دادن و لابہ کردنِ

اس زاہد کے پڑوسیوں اور سفارشیوں کا امیر کے ہاتھ پاؤں کو دوبارہ بوسہ

شفیعان و ہمسایگانِ زاہد

دینا اور خوشامد کرنا

آں[۵۲] شفیعاں ز دمِ ہیہای اُو
اُن سفارشیوں نے اسکے شور و غوغا، دھمکی کی وجہ سے

چند بوسیدند دست و پای اُو
اس کے ہاتھ پاؤں بہت چومے

کاے امیر از تو نشاید کیں کشی
کہ اے امیر بدلہ لینا آپ کے مناسب نہیں ہے

گر شُد بادہ تو بے بادہ خوشی
اگر شراب جاتی رہی تو آپ بغیر شراب کے اچھے ہیں

بادہ سرمایہ ز لُطفِ تو برد
شراب آپکے سرور سے سرمایہ حاصل کرتی ہے

لُطفِ آب از لطفِ تو حسرت خورد
پانی کا لطف آپ کے لطف پر حسرت کرتا ہے

بادشاہی کُن بہ بخشش اے رحیم
اے رحم کرنیوالے! بادشاہی کر، اسکو بخش دے

اے کریم ابنُ الکریم ابنُ الکریم
اے داتا! داتا کے بیٹے، داتا کے پوتے

ہر[۵۳] شرابے بندۂ ایں قدّ و خد
ہر شراب اس قد اور رخسار کی غلام ہے

جملہ مستاں را بوَد بر تو حسد
تمام مستوں کو آپ پر حسد ہے

ہیچ محتاجِ مے گلگوں نۂ
تو کسی گلابی شراب کا محتاج نہیں ہے

ترک کُن گلگونہ تو گلگونۂ
تو گلگوں کو چھوڑ، تو خود گلگوں ہے

اے[۵۴] رُخِ چوں زُہرہ ات شمسُ الضّحٰی
تیرا زہرہ جیسا رخ دن چڑھے کا سورج ہے

اے گدای رنگِ تو گلگونہا
گلگوں تیرے رنگ کے بھکاری ہیں

---

۵۲ آں شفیعاں۔ سفارشیوں نے دوبارہ اس امیر کے ہاتھ پاؤں خوب چومے۔ کیں کشی۔ بدلہ لینا۔ گر شُد۔ امیر سے کہا اگر آپ کی شراب ضائع ہو گئی ہے تو کیا مضائقہ ہے، آپ بغیر شراب کے بھی خوب بھلے ہیں۔ بادہ۔ شراب تو آپ کے سرور سے فیضیاب ہے اور پانی کی پاکیزگی آپ کی پاکیزگی کے سامنے ہیچ ہے۔

۵۳ ہر شرابے۔ آپ کا قد اور رخسار بغیر شراب کے حسین اور خوبصورت ہے اور آپ میں بغیر شراب کے مستی ہر کوشت اس پر حسد کرتے ہیں۔ ہیچ۔ آپ کا رنگ خود گلگون ہے آپ کو گلگوں شراب کی اور گلال کی کیا ضرورت ہے۔

۵۴ اے۔ جبکہ آپ کا رخ خود منور ہے اور گلال آپ کے رنگ کا محتاج ہے تو آپکو شراب درکار ہے نہ گلال۔

بادہ کاندر خُم ہمی جوشد نہاں
چھپی ہوئی شراب جو مٹکے میں جوش مار رہی ہے

ز اشتیاقِ رُوی تو جوشد چُناں
تیرے چہرے کے شوق میں اس طرح جوش مار رہی ہے

اے ہمہ دریا، چہ خواہی کرد، نم
اے مجسّم دریا! تو شبنم کا کیا کرے گا!

وے ہمہ ہستی چہ می جوئی عدم
اے مجسّم ہستی! تو عدم کا جویاں کیوں ہے؟

اے مہِ تاباں چہ خواہی گرد کرد
اے چمکدار چاند! تو گرد کا کیا کرے گا!

اے کہ خورد در پیشِ رُویت رُوی زرد
اے وہ کہ تیرے چہرے کے سامنے سورج کا چہرہ زرد ہے

تو خوشی و خوب و کانِ ہر خوشی
تو بھلا ہے اور خوبصورت اور تو ہر بھلائی کی کان ہے

تو چرا خود منّتِ بادہ کشی
تو کیوں شراب کا احسان لیتا ہے؟

تاجِ کرّمناست بر فرقِ سرت[۲]
تیرے سر پر "ہم نے مکرم بنایا" کا تاج ہے

طوقِ اعطیناک آویزِ برت
"ہم نے آپ کو دیا" کا ہار تیرے سینے کا آویزہ ہے

جوہرست انسان و چرخ او را عرض
انسان جوہر ہے اور آسمان اُس کا عرض ہے

جملہ فرع و سایہ اند و او غرض
سب سایہ اور فرع ہیں اور وہ مقصود ہے

اے غلامت عقل و تدبیرات و ہوش
اے وہ کہ عقل اور تدبیریں اور ہوش تیرے غلام ہیں

چوں چنینی خویش را ارزاں فروش
تو اپنے آپ کو اتنا سستا بیچنے والا کیوں ہے؟

خدمتت بر جملہ ہستی مفترض[۳]
تمام موجودات پر تیری خدمت فرض ہے

جوہرے چوں مزد خواہد از عرض
جوہر، عرض سے کیسے مزدوری چاہے گا؟

علم جوئی از کتبہا اے فسوس
اے افسوس تو کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے

ذوق جوئی تو ز حلوای سبوس
تو بھوسی کے حلوے سے لطف حاصل کرتا ہے

بحرِ علمی در نمے پنہاں شدہ
تو قطرے میں چھپا ہوا علم کا سمندر ہے

در سہ گز تن عالمے پنہاں شدہ
تین گز کے جسم میں عالم پنہاں ہو گیا ہے

مے چہ باشد یا جماع و یا سماع
شراب، یا جماع، یا سماع کیا ہوتا ہے!

تا بجوئی زو نشاط و انتفاع
کہ تو اُس سے نشاط اور نفع اندوزی چاہتا ہے

آفتاب[۱] از ذرہ کے شد وام خواہ
سورج، ذرے سے قرض مانگنے والا کب بنا ہے!

زہرہ از خمرہ کے شد کام خواہ
زہرہ، مٹکے سے کب مقصد کا خواہاں ہوا ہے!

جان بے کیفے شدہ محبوسِ کیف
بے کیف جان، کیف میں مقید ہو گئی

آفتابے حبسِ عقدہ اینت حیف
سورج عقدہ میں پھنس گیا، یہ افسوس ہے

بادہ۔ شراب میں جو جوش ہے وہ آپ کے چہرے کے شوق کی وجہ سے ہے۔ اے ہمہ۔ سمندر کو قطرے کی کیا ضرورت ہے۔ وے۔ آپ مجسّم وجود ہیں زاہد کو معدوم کر کے کیا کریں گے۔ تو خوشی۔ آپ خود مجسّم خوشی ہیں شراب سے خوشی حاصل کر کے کیا کریں گے۔

[۲] تاج کرّمنا۔ کائنات پر انسانی فضیلت کے بیان میں قرآن پاک میں ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ "اور البتہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔" قرآن پاک میں ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر "بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے۔" اگرچہ یہ آنحضورؐ کی خصوصیت ہے لیکن یہ فضیلت آنحضورؐ کو انسانِ کامل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ بر۔ سینہ، بغل۔ جوہرست۔ انسان بمنزلہ جوہر کے ہے اور تمام کائنات بمنزلہ عرض کے ہے قرآن پاک میں ہے خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا "جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔ چنینی۔ جبکہ انسان کے یہ فضائل ہیں تو اس کو اپنے آپ کو رائیگاں نہ کرنا چاہیئے۔

[۳] خدمت۔ کائنات انسان کی خادم ہے۔ خمرہ۔

[۱] آفتاب۔ انسان آفتاب ہے اور کائنات ذرات ہے۔ زہرہ۔ یہ ستارہ خود چمکدار ہے۔ جان۔ روح مجرد ہے اور کیف سے منزہ ہے۔ عقدہ۔ وہ برج جس میں پہنچ کر سورج گہن میں آجاتا ہے۔

انسان کو علم کی ترقی حاصل کرنا چاہیئے۔ حلوای سبوس۔ یعنی گھٹیا چیز۔ بحرِ علمی۔ انسان علم کا سمندر ہے اُس کو معمولی علوم میں منہمک نہ ہونا چاہیئے۔ نم۔ قطرہ۔ در سہ۔ صوفیا کے نزدیک انسان عالمِ اکبر ہے۔ مے چہ باشد۔ دنیا کی لذتیں فانی ہیں۔ انتفاع۔ نفع حاصل کرنا۔

شرح

ان سفارشی لوگوں نے اس کی گفتگو اور شور و شغب کے سبب بہت کچھ اسکے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا کہ اے امیر آپ کو اس سے انتقام لینا مناسب نہیں کیونکہ اگر شراب جاتی رہی تو اسکی جلنے سے آپکے اندر کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ اور اس سے آپکے کمال میں فرق نہیں آیا۔ بلکہ آپ تو بدوں اس کے بھی اسی طرح اچھے ہیں جیسے پہلے تھے تو جبکہ اس کے جلنے سے آپ کا کچھ ضرر نہیں ہوا تو آپ انتقام کی فکر کیوں کرتے ہیں۔ آپ کے خوبی کی تو یہ حالت ہے کہ خود شراب اس سے خوبی حاصل کرتی ہے اور آپ کی پاکیزگی کی تو یہ حالت ہے کہ اس پر پانی کی پاکیزگی کو حسرت ہوتی ہے۔ پس اے رحیم اور کریم کے بیٹے اور کریم کے پوتے آپ بادشاہی کو کام فرمایئے اور اس کا قصور معاف کیجئے ـــــ صاحب شراب کی تو یہ حالت ہے کہ وہ آپکے قد اور رخسار کی لونڈی ہے اور تمام مستوں کو آپ پر رشک ہوتا ہے کہ آپ ایسی شراب رکھتے ہیں جس کی شراب معروف لونڈی ہے یعنی شراب حسن۔ پس آپکو بادۂ گلگوں کی اصلاً ضرورت نہیں ہے آپ اسکی جانے کا افسوس نہ کریں۔ اے امیر! آپ کا زہرہ کی مانند چہرہ خود آفتاب چاشت کی مانند ہے اور گلگونہ آپکے رنگ کے گدا ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اسکو بالکل ترک فرمادیں کیونکہ آپ تو خود گلگوں ہیں۔ آپ کو شراب پی کر چہرہ کو گلگوں بنانے کی کیا حاجت ہے۔

شراب جو خم میں جوش کھاتی ہے تو یہ اس کا اس طرح جوش کھانا آپکے چہرہ کے اشتیاق میں ہے ـــــ اجی آپ تو سراسر دریائے خوبی ہیں پس آپ تم یعنی اس معمولی خوبی کو کیا کریں گے جو کہ شراب سے حاصل ہوتی ہے۔ اور آپ تو سراپا ہستی و کمال ہیں۔ آپ کمال شراب کو کیوں طلب کرتے ہیں جو کہ آپکے کمال کی مقابلہ میں بمنزلہ عدم کے ہے اور آپ عقل کے لحاظ سے ماہ تاباں ہیں۔ آپ نشہ شراب کو کیا کریں گے جو کہ اس لئے بمنزلہ گرد کے ہے اور آپ کی تو یہ حالت ہے کہ آپ کے حسن کے مقابلہ میں آفتاب شرمندہ ہے۔ اور آپ تو سراپا خوبی۔ اور سراسر خوب اور ہر خوبی کی کان ہیں آپ شراب کا احسان کیوں لیتے ہیں۔ آپکے سر پر کرمنا کا تاج ہے اور اعطیناک الکوثر

کا طوق آپ کے سینہ پر لٹکتا ہے یعنی معظم و مکرم ہیں اور خدا نے آپ کو بہت کچھ کمالات عطا فرمائے ہیں۔ پھر آپ اپنے کو ایک ذلیل اور خسیس شے شراب کا محتاج کیوں سمجھتے ہیں۔
یہ باتیں آپ کے شایاں نہیں ہیں آپ شراب کا خیال چھوڑیں اور زاہد کو معاف فرمادیں
آگے مولانا مطلق انسان کی حالت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان متبوع ہے اور آسمان وجود میں اس کا تابع اسلئے وہ بمنزلہ جوہر کے ہے اور آسمان بمنزلہ عرض کے۔ اور آسمان ہی کی تخصیص نہیں۔ بلکہ تمام ممکنات خلقت ہیں اسکے تابع ہیں اور وہ مقصود بالخلقت پس ہم اسکو کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جوکہ اس قدر عالی رتبہ ہے کہ عقول و تدبیرات اور ہوش تیرے خادم ہیں۔ تونے اپنے کو اس قدر معمولی قیمت میں کیوں بیچ... رکھا ہے کہ ادنیٰ اور معمولی لذت کے لیے ہر خسیس شے کا غلام بنا ہوا ہے ارے تیری خدمت تو تمام کائنات پر لازم ہے پھر تو اپنے غلاموں کا غلام کیوں بنا ہوا ہے اور ان سے اپنے خدمتوں کا صلہ کیوں چاہتا ہے بھلا کہیں جوہر بھی اعراض سے خدمت کرتا۔ اور ان سے کوئی منفعت چاہتا ہے ہرگز نہیں۔ پس تو کیوں چاہتا ہے۔
ہائے افسوس تو کتابوں سے علم چاہتا ہے اور بھوسے کے حلوے سے لذت چاہتا ہے کس قدر غضب کی بات ہے۔ ارے تیرا مقصود اصلی تو صرف علم لدنّی اور لذتِ وصال حق سبحانہٗ ہونا چاہیئے۔ اور کتب اور حلوے اسبوس وغیرہ کو خدمتگاروں کے درجہ میں رکھنا چاہیئے اور ان سے یوں کام لینا چاہیئے جیساکہ خدمتگاروں سے لیتے ہیں مگر تونے خود ان کو مقصود اصلی بنالیا ہے اور ان کی خدمت کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیا ہے تو تو علم حقیقی کا ایک سمندر ہے جوکہ تری یعنی علم ظاہری میں مستور ہوگیا ہے اور گو تیرا قد تین گز کا ہے مگر تیری جامعیت کمالات ہیں جوکہ درجہ استعداد میں تیرے لیے حاصل ہے۔ ایک عالم حیران ہے پس جبکہ تیری حالت یہ ہے تو شراب یا جماع یا راگ باجے کیا چیز ہیں کہ تو ان سے تفریح اور نفع کا طالب ہو۔ تو تو ایسا ہے جیسا آفتاب! اور دیگر اشیاء ایسی ہیں جیسے ذرّہ! بھلا کہیں آفتاب بھی ذرّہ سے کمال کا طالب ہوتا ہے ہرگز نہیں تو پھر تو ان سے کیوں طالب ہوتا ہے نیز تیری ایسی مثال ہے جیسے زہرہ اور دوسری اشیاء کی ایسی

مثال ہے جیسے چنگاری۔ پھر کہیں زہرہ بھی چنگاری سے کوئی مقصود حاصل کرتا ہے جبکہ نہیں کرتے تو تو کیوں کرتا ہے۔ افسوس کہ تیری روح جو خود بے کیف اور عالمِ ناسوتی سے خارج تھی۔ کیف یعنی عالم ناسوت میں گرفتار ہوگئی ہے اور اس طرح اُس کے کمالات مخفی ہوگئے ہیں اور اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آفتاب گرہ میں آکر گہن میں پڑ گیا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے (فائدہ ۱: علم ہیئت میں یہ امر مقرر ہے کہ جب آفتاب اور ماہتاب عقدہ راس یا ذنب پر مجتمع ہوتے ہیں تو سورج گہن ہوتا ہے پس آفتاب حبس عقدہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے اور حبس عقدہ کہنا یہ ہے کسوف آفتاب سے۔)

بازجواب گفتنِ امیر مرشفیعان را

امیر کا سفارشیوں کو پھر جواب دینا

گفت نے نے من حریفِ آں مَیَم — من بذوقِ ایں خوشی قانع نِیَم

اُس نے کہا نہیں نہیں میں اُس شراب کا دوست ہوں — میں اِس خوشی کے ذوق پر قانع نہیں ہوں

وارہیدہ از ہمہ خوف و اُمید — کز ہمی گردم بہر سُو ہمچو بید

میں سب خوفوں اور امیدوں سے نجات پائے ہوئے ہوں — بید کی طرح ہر جانب کو جھومتا ہوں

من چناں خواہم کہ ہمچوں یاسمیں — کز شوم گاہے چناں گاہے چنیں

میں ایسا چاہتا ہوں، کہ یاسمین کی طرح — جھوموں، کبھی یوں کبھی یوں

ہمچو شاخِ بید گرداں چپ و راست — کہ ز بادش گونہ گونہ رقصہاست

بائیں اور دائیں جانب کو بید کی شاخ کی طرح جھومتا — جس کے ہوا کی وجہ سے طرح طرح کے رقص ہیں

گفت۔ امیر نے کہا میں اُس شراب کا دوست نہیں ہوں بلکہ میں شراب معرفت کا دوست ہوں۔ بید۔ بید کا درخت پابند نہیں ہے ہر طرف کو جھومتا ہے

۵۲ من چناں۔ میں ہر طرح سے آزاد ہوں۔ آگر۔ جس کو معنوی شراب حاصل ہو گئی وہ اس شراب سے مستی کیوں حاصل کریگا۔ اولیا۔ انبیاء کو معنوی شراب حاصل ہے اُن کی فطرت میں اللہ سے محبت کرنا ہے۔

شرح

امیر نے جواب دیا کہ ہم ان باتوں کو نہیں سُنتے ہم کو شراب سے تعلق ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر امید و بیم سے جدا ہو کر ہر طرف بید کی طرح جھومیں۔ اور ہم کو تو بس یہ مطلوب ہے کہ یاسمین کی طرح کبھی ادھر جھک جائیں اور کبھی اُدھر۔ اور اس شاخ بید کی طرح جو کہ ہوا کے سبب طرح طرح رقص کرتی ہے۔ ہم بھی کبھی بائیں جانب حرکت کریں اور کبھی دائیں جانب۔ اور یہ بات سوائے شراب کے اور شے میں نہیں ہے لہٰذا ہم کو شراب کے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں ہے

آنکہ خُو کرد ست با شادیِ مے ۔ ایں خوشی را کے پسندد خواجہ کے

جس نے شراب معرفت کی خوشی کی عادت ڈال لی ہو ۔ اس خوشی کو کب پسند کرتا ہے اے صاحب؟

انبیاء زاں زیں خوشی بیروں شدند ۔ کہ سرشتہ در خوشیِ حق بُدند

انبیاء اس خوشی سے اسی لئے علیحدہ ہو گئے ۔ کیونکہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی خوشی میں گندھے ہوئے تھے

زانکہ جانِ شاں آں[^1] خوشی را دیدہ بُود ۔ ایں خوشیہا پیشِ شاں بازی نمود

کیونکہ اُن کی جان نے اس خوشی کو دیکھا ہے ۔ یہ خوشیاں اُن کے لئے کھیل نظر آتی ہیں

ہر کہ را نورِ حقیقی رُو نمود ۔ کے شود قانع بتاریکی و دُود

جس کے لئے حقیقی نور نمودار ہو گیا ہو ۔ وہ اندھیرے اور دھوئیں پر کب قناعت کرتا ہے؟

وانکہ در جوع او طعام اللہ خورد ۔ کے زنان و شوربا حسرت برد

اور جو شخص بھوک میں خدا کا کھانا کھائے ۔ وہ روٹی اور شوربے کی تمنا کب کرتا ہے؟

وانکہ باشد خفتہ اندر گلستاں ۔ میلِ گلخن کے کند چوں ابلہاں

اور جو شخص گلستاں میں سویا ہوا ہو ۔ وہ بیوقوفوں کی طرح بھٹی کی خواہش کب کرتا ہے؟

چوں[^2] کند مُستسقی از آب اجتناب ۔ چوں کند مخمور دُوری از شراب

استسقا کا مریض، پانی سے کیسے پرہیز کرے؟ ۔ شرابی، شراب سے کیسے دور ہو؟

سیر نبوَد ہیچ عاشق از حبیب ۔ صبر نکند ہیچ رنجور از طبیب

عاشق، معشوق سے کبھی سیر نہیں ہوتا ہے ۔ کوئی بیمار، طبیب سے صبر نہیں کرتا ہے

بابُتِ[^3] زندہ کسے چوں گشت یار ۔ مُردہ را چوں در کشد اندر کنار

جو شخص زندہ معشوق کا دوست ہو گیا ہو ۔ وہ مُردے سے بغل گیر کب ہوگا؟

مُردہ را کس در کنار آرد مگر ۔ کو ندارد در جہاں از دل خبر

ہاں، مُردے کو وہ بغل میں لے گا ۔ جس کو دنیا میں دل کا پتہ نہ چلے

تفسیر ایں آیہ کہ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

اس آیت کی تفسیر کہ ۔ اور بیشک آخرت کا گھر وہی زندہ ہے کاش وہ جان لیتے،

کہ در و دیوار و عرصۂ آں عالم و آب و کوزہ و میوہ و درخت

کیونکہ اُس عالم کے درو دیوار اور صحن اور پانی اور پیالہ اور پھل اور درخت

ہمہ زندہ اند و سخن گو و سخن شنو جہت آں فرمودہ مصطفیٰ

سب زندہ ہیں اور بات کرنے والے اور بات سننے والے، اسی لئے حضرت مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کہ اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَّطَالِبُھَا کِلَابٌ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مُردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں

[^1]: آں خوشی۔ اللہ کی خوشی۔ ایں خوشیہا۔ ظاہری خوشیاں۔ ہر کہ۔ حقیقی نور کے بالمقابل ہر چیز تاریک ہے۔ وانکہ۔ حدیث شریف ہے۔ اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰہِ یُرْزَقُ بِہٖ الصَّادِقِیْنَ "بھوک اللہ کا کھانا ہے جس کے ذریعہ سچوں کو رزق دیتا ہے۔" گلستاں۔ اللہ کی خوشی۔ گلخن۔ بھٹی یعنی ظاہری خوشی۔

[^2]: چوں کند جس طرح استسقاء کا مریض پانی سے سیر نہیں ہوتا اور شرابی شراب سے کنارہ کش نہیں ہوتا یہی حال نور حقیقی کے عاشق کا ہے۔

[^3]: بابُتِ زندہ یعنی عالم آخرت کا عاشق۔ مُردہ یعنی یہ دنیا۔ کنار۔ بغل۔ تفسیر۔ اس آیت میں عالم آخرت کی زندگی اور دنیا کی مُردگی بتائی ہے۔

اگر آخرت را حیات نبودے آخرت ہم جیفہ بودے جیفہ
اگر آخرت کے لئے زندگی نہ ہوتی آخرت بھی مُردار ہوتی، مُردار کو

را از برائے مُردگیش جیفہ[3] گویند نہ برائے بوئی زشت
اس کے مُردہ ہونے کی وجہ سے مُردار کہتے ہیں، نہ کہ بدبو کی وجہ سے

آں جہاں چوں ذرّہ ذرّہ زندہ اند ۔۔۔ نکتہ دانند و سخن گوینده اند
جبکہ اُس جہان کا ذرّہ ذرّہ زندہ ہے ۔۔۔ وہ نکتہ کو سمجھنے والے اور بات کرنے والے ہیں

در جہانِ مُردہ شاں آرام نیست ۔۔۔ کایں عَلَف جُز لائقِ انعام نیست
مُردہ جہان میں اُن کو راحت نہیں ہے ۔۔۔ کیونکہ یہ چارہ چوپاؤں ہی کے لائق ہے

ہر کرا گلشن بُوَد بزم و وطن ۔۔۔ کے خورد او بادہ اندر گولخن
جس شخص کی مجلس اور وطن چمن ہو ۔۔۔ وہ بھٹی میں شراب کب پیئے گا؟

جایِ رُوحِ پاک علیّین[1] بُوَد ۔۔۔ جایِ رُوحِ ہر نجس سجّیں بُوَد
پاک روح کا مقام علیّین ہے ۔۔۔ ہر ناپاک روح کا مقام سجّین ہے

جایِ بُلبل گُلبن و نسریں بُوَد ۔۔۔ کِرم باشد کِش وطن سرگیں بُوَد
بلبل کا مقام، بوٹا اور نسرین ہے ۔۔۔ کیڑا ہوتا ہے، جس کا وطن گوبر ہوتا ہے

بہرِ مخمورِ خدا جامِ طہور ۔۔۔ بہرِ ایں مُرغانِ کور ایں آبِ شور
خدا کے مست کے لئے (شرابِ) طہور کا جام ہو ۔۔۔ اِن اندھے پرندوں کے لئے کھاری پانی ہے

ہر کرا عدلِ عمرؓ ننمود دست ۔۔۔ پیشِ او حجّاجِ خونی عادل ست
جس کے لئے عمرؓ کا انصاف نمودار نہ ہوا ۔۔۔ اُس کے لئے خونی حجاج مُنصف ہے

دختراں را لُعبتِ مُردہ دہند ۔۔۔ کز لعبِ زندگاں بے آگہند
لڑکیوں کو مُردہ گڑیاں دیتے ہیں ۔۔۔ کیونکہ وہ زندوں کے کھیل سے واقف نہیں ہیں

چوں ندارند از فتوّت زور و دست ۔۔۔ کودکاں را تیغِ چوبیں بہتر ست
جبکہ جوانی کی قوت، بازو نہیں رکھتے ہیں ۔۔۔ بچوں کے لئے لکڑی کی تلوار بہتر ہے

کافراں قانع بہ نقشِ انبیا ۔۔۔ کہ نگاریدہ ست اندر دیرہا
کافر انبیاء کی تصویروں پر قانع ہیں ۔۔۔ جو کہ انھوں نے گرجا گھروں میں بنا رکھی ہیں

واں[2] جہاں ما را چو روزِ روشنے ست ۔۔۔ ہیچ ماں پروایِ نقش و سایہ نیست
وہ جہان ہمارے لئے روشن دن کی طرح ہے ۔۔۔ ہمیں تصویر اور سایہ کی کچھ پروا نہیں ہے

واں یکے نقشش نشستہ در جہاں ۔۔۔ واں دگر نقشش چو مہ بر آسماں
اُن کا ایک نقش دنیا میں بیٹھا ہوا ہے ۔۔۔ اور اُن کا دوسرا نقش چاند کی طرح آسمان پر ہے

ایں دہانش نکتہ گویاں با جلیس ۔۔۔ واں دِگر با حق بگفتار و انیس
اُن کا یہ منہ، ہم نشین سے نکتے کہتا ہے ۔۔۔ اور وہ دوسرا اللہ (تعالیٰ) کا ہمکلام اور دوست ہے

---

[3] جیفہ۔ مُردار۔ شاں۔ یعنی اہلِ آخرت۔ علف جیفہ۔ چارہ ناتمام، چوپایہ۔ گولخن۔ بھٹی۔

[1] علیّین۔ جنت کا اعلیٰ مقام ہے۔ سجّین جہنم کا بُرا مقام ہے۔ کرم۔ کیڑا۔ سرگین۔ گوبر۔ مخمور۔ جو خاصانِ خدا ہیں وہ شرابِ طہور پیتے ہیں۔ مُرغانِ کور۔ دنیادار۔ حجّاج۔ یعنی یوسف ثقفی کا بیٹا۔ لُعبت۔ کھلونا گڑیا۔ لعبِ زندگاں۔ یعنی شادی بیاہ۔ فتوّت۔ جوانی۔ نقش یعنی بُت تصویر۔

[2] واں جہاں۔ چونکہ ہمارے لئے عالمِ آخرت روزِ روشن کی طرح ہے لہٰذا ہمیں تصاویر کی کوئی پروا نہیں ہے۔ نقش و سایہ۔ تصویر نقوش سے اور عکس سے بنتی ہے۔ یکے نقشش۔ انبیا کا ایک نقش دنیا میں ہوتا ہے اور ایک نقش عالمِ بالا پر ہوتا ہے۔ ایں دہاں۔ ظاہری نقش کے اعضا دنیا کے کاموں میں ہوتے ہیں اور دوسرے اعضا حضرتِ حق کے ساتھ مصروف رہتے ہیں۔

گوشِ ظاہر[۳] ضبطِ ایں افسانہ کُن
ظاہری کان اس افسانے کو سننے والا ہے

گوشِ جانش جاذبِ اسرارِ کُن
اُس کی جان کا کان "کُن" کے رازوں کو جذب کرنے والا ہے

چشمِ ظاہر ضابطِ حُلیہ بشر
ظاہری آنکھ انسان کے حُلیے کو محفوظ رکھنے والی ہے

چشمِ سِر حیرانِ مَازَاغَ الْبَصَرُ
باطنی آنکھ "مَازَاغَ الْبَصَر" میں حیران ہے

دستِ ظاہر میکُند داد و ستَد
ظاہری ہاتھ لین دین کرتا رہتا ہے

دستِ باطن بر درِ فردِ صمد
باطنی ہاتھ، یکتا بے نیاز کے در پر ہے

پایِ ظاہر در صفِ مسجد صواف[۴]
ظاہری پاؤں مسجد کی صف میں صف باندھنے والوں میں ہے

پایِ معنیٰ فوقِ گردوں در طواف
باطنی پاؤں آسمان پر طواف میں ہے

جُزو جُزوش را تو بشمر ہمچنیں
تو اُس کے جُزو جُزو کو اسی طرح گِن لے

ایں درونِ وقت و آں بیرونِ حیں
یہ زمانہ کے اندر ہے اور وہ وقت سے باہر ہے

اینکہ در وقتست باشد تا اجل
یہ جو وقت میں ہے موت تک ہے

واں دگر یارِ ابد قرنِ ازل
اور وہ دوسرا اَبد کا یار، ازل کا ساتھی ہے

ہست[۵] یک نامش ولی الدولتین
اُس کا ایک نام "دونوں دولتوں کا والی" ہے

واں دِگر نامش امامُ القبلتین
اور اُس کا دوسرا نام "دونوں قبلوں کا امام" ہے

خلوت و چلہ برو لازم نماند
تنہائی اور چلہ کشی، اُس کے لئے ضروری نہ رہی

ہیچ غیمے مرورا غامُم نماند
کوئی ابر اُس پر چھانے والا نہ رہا

قرصِ خورشید ست خلوت خانہ اش
اُس کا تنہائی کا گھر، سورج کی ٹکیا ہے

کے حجاب آرد شبِ بیگانہ اش
اجنبی رات اس کے لئے کب پردہ ڈال سکتی ہے!

علت[۶] و پرہیز شُد بحراں نماند
بیماری اور پرہیز ختم ہو گیا، بحران نہ رہا

کفرِ اُو ایماں شُد و کفراں نماند
اُس کا کفر ایمان بن گیا، ناشکری نہ رہی

چوں الف از استقامت شُد بپیش
الف کی طرح راستی سے وہ پیشی میں پہنچ گیا

اُو ندارد ہیچ از اوصافِ خویش
اُس کا اب کوئی اپنا وصف نہ رہا

گشت فرد از کسوتِ خوہائے خویش
وہ اپنی عادتوں کے لباس سے برہنہ ہو گیا

شُد برہنہ جاں بجاں افزایِ خویش
ننگی جان کیساتھ اپنی جان بڑھانے والے کی جانب روانہ ہو گیا

چوں برہنہ رفت پیشِ شاہ فرد
جب یکتا شاہ کے پاس، وہ ننگا پہنچا

شاہش از اوصافِ قدسی جامہ کرد
شاہ نے اُس کو قدسی اوصاف کا لباس پہنا دیا

خلعتے پوشید از اوصافِ شاہ
اُس نے شاہ کے اوصاف کا لباس پہن لیا

بر پرید از چاہ تا ایوانِ جاہ
کنوئیں سے مرتبہ کے محل پر اُڑ کر چلا گیا

---

[۳] گوشِ ظاہر۔ ظاہری کان انسانوں کی باتیں سنتا ہے باطنی کان اللہ تعالیٰ کے اسرار سنتا ہے۔ چشمِ ظاہر۔ ظاہری آنکھوں سے انسانوں کے حلیے دیکھتے ہیں۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ حضورؐ کے بارے میں ہے کہ آپ کی آنکھ نے نہ کجی برتی اور نہ سرکشی کی بلکہ صحیح دیکھا یعنی اولیاء مشاہدۂ حق میں حیران رہتے ہیں۔

[۴] صواف۔ صف بندی کرنیوالے نمازی۔ یعنی جسم ظاہری زمان و مکان کا پابند ہے۔ واں۔ یعنی جسم نوری زمان اور مکان سے پاک ہے۔ اینکہ۔ یعنی جسم عنصری۔ اجل۔ موت۔ قرن۔ قرین۔ ساتھی یعنی جسم نوری اَبدی اور ازلی ہے۔

[۵] ہست۔ جس طرح اُس کے دو جسم ہیں اسی طرح نام بھی دو ہیں۔ ولی الدولتین۔ دنیا اور آخرت کے سلطنت کا والی۔ امام القبلتین۔ یعنی بیت اللہ اور بیت المقدس کا امام۔ خلوت۔ اب اُس کو نہ تنہائی کی ضرورت ہے نہ چلہ کشی کی وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے دنیا اُس کے لئے حجاب نہیں ہو سکتی۔ شبِ بیگانہ۔ یعنی اُس کے لئے ہر وقت دن ہے رات کی تاریکی اُس کے لئے حجاب نہیں ہے۔

[۶] علت۔ یعنی نہ اُس میں مرض ہے نہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ بحران۔ مرض کی شدت میں کمی۔ درگاہ اُلوہیت۔ گشت۔ وہ اپنے اوصاف بشری سے برہنہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچا لہٰذا اُس کے مراتب بہت بلند ہو گئے۔ ایں چنیں۔ جب قلب صاف ہو جاتی ہے تو شعشعے بالائی حصہ میں آجاتی ہے۔

اینچنیں باشد چو دُردے صاف گشت — از بُنِ طشت آمد او بالائے طشت

یہی ہوتا ہے جب تلچھٹ صاف ہو جاتی ہے — طشت کی تہ سے طشت کے اوپر آجاتی ہے

[1] دَر بُنِ طشت ار چہ بُود او دردناک — شومیِ آمیزشِ اجزایِ خاک

طشت کی تہ میں وہ دردمند کیوں تھی؟ — خاک کے اجزاء کی آمیزش کی بدبختی کی وجہ سے

یارِ ناخوش پرّ و بالش بستہ بُود — ورنہ او در اصل بس برجستہ بُود

بُرے دوست نے اس کے پروبال باندھ دیئے تھے — ورنہ وہ اصل میں بہت تیز تھی

چوں عتابِ اِھبِطُوا انگیختند — ہمچو ہاروتش نگوں آویختند

جب انہوں نے نیچے اترو کا عتاب برپا کیا — اس کو ہاروت کی طرح اُلٹا لٹکا دیا

[2] بود ہاروت از ملائک بیگماں — از عتابے شد معلق ہمچناں

ہاروت یقیناً فرشتوں میں سے تھا — وہ عتاب کی وجہ سے اس طرح لٹکا دیا گیا

سرنگوں زاں شد کہ از سر دور ماند — خویش را سر ساخت تنہا پیش راند

وہ اوندھا اس لئے ہوا کیونکہ وہ اصل سے دور ہو گیا — اس نے اپنے آپ کو سر بنایا، تنہا آگے چل رہا

آں سبد خود را چو پُر از آب دید — کرد استغنا و از دریا بُرید

ٹوکری نے جب اپنے آپ کو پانی سے بھرا دیکھا — اس نے بے نیازی برتی اور دریا سے جدا ہو گئی

در جگر چوں قطرۂ آبش نماند — بحرِ رحمت کرد او را باز خواند

جب اس کے جگر میں پانی کا ایک قطرہ نہ رہا — سمندر نے رحم کیا، اس کو واپس بلایا

رحمتِ بے علتے بے خدمتے — آید از دریا مبارک ساعتے

بغیر سبب، بغیر تکلیف کے رحمت — دریا سے مبارک وقت میں آتی ہے

[3] اللہ اللہ گردِ دریا باز گرد — گرچہ باشند اہلِ دریا بار زرد

خدا کے لئے، دریا کی جانب واپس ہو — اگرچہ دریا والے زرد ہوں

تا کہ آید لطفِ بخشایش گری — سُرخ گردد رُوی زرد از گوہری

حتیٰ کہ بخشش کی مہربانی آ پہنچے — جوہر بننے سے زرد چہرہ سرخ ہو جائے

زردیِ رُو بہترینِ رنگہاست — زانکہ اندر انتظارِ آں لقاست

چہرے کی زردی رنگوں میں سب سے بہتر ہے — کیونکہ وہ اس ملاقات کے انتظار میں ہے

لیک سُرخی بر رُخے کاں لامعت — بہرِ آں آمد کہ جانش قانع ست

لیکن اس چہرے پر سرخی جو چمکدار ہے — [4] اس لئے آئی ہے کہ اس کی جان قانع ہے

تو حضرت حق تعالےٰ نے اپنے اوصاف کا جامہ اس کو پہنا دیا۔ اب وہ خدائی اخلاق والا ہے۔ تخلقے [illegible] ہے۔ چونکہ وہ صاف تھا وہ زیریں سے منکشف ہے۔

[1] دَر بُن۔ طشت کی تہ میں اس وقت تک ہے جب تک کہ اس میں خاک کی آمیزش ہے۔ روح جب جسمانی عوارض سے پاک ہو جاتی ہے عالمِ بالا میں پہنچ جاتی ہے۔ یارِ ناخوش۔ جسمانی علائق نے اس روح کو روک رکھا تھا ورنہ وہ پرواز میں چالاک ہے۔ چوں عتاب۔ حضرت آدمؑ کو نیچے اترنے کا حکم گندم کھا لینے کی وجہ سے ملا اسی لئے روح کو جسم کے کنوئیں میں آویزاں کر دیا گیا۔

[2] بود ہاروت۔ ہاروت ملائکہ میں سے تھا اللہ تعالےٰ کی ناراضی کی وجہ سے وہ کنوئیں میں لٹکا دیا گیا۔ سرنگوں۔ وہ اس لئے سرنگوں ہوا کہ اس نے سرکشی کی اور اصل سے دور ہوا۔ آں سبد۔ ٹوکری جو دریا میں ہے اپنے پانی پر گھمنڈ کر کے دریا سے دور ہوئی تو پانی سے خالی ہو گئی اس پر سمندر نے رحم کیا اور اس کو دوبارہ بلا لیا۔ روح کو جب ذلتِ افتقار بدرجۂ اتم محسوس ہوئی اور شائبۂ کبر ختم ہوا تو بغیر سبب اور بغیر محنت کے دریائے وحدت کی رحمت کو پہنچی اور اس کو واپس بلا لیا۔

[3] اللہ اللہ۔ انسان کو قربِ الٰہی کی جستجو کرنی چاہیئے۔ اہلِ دریا یعنی اہل اللہ۔ بار۔ کثرت کے لئے ہے جس طرح زنگبار، رودبار۔ سُرخ۔ وہ چہرہ

[4] جو غم واندوہ سے زرد ہے اس میں جوہر پیدا ہو جائے گا اور وہ سرخرو ہو جائے گا۔ زردی۔ اہل اللہ کا چہرہ زرد، اللہ کی ملاقات کے انتظار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیک سُرخی۔ جو ایک مقام پر ٹھہر کر جم جاتا ہے اس کا چہرہ سُرخ رہتا ہے۔

کہ[1] طمع لاغر کند زرد و ذلیل	نے ز درد و علت آید آں علیل
کیونکہ لالچ کمزور، زرد اور ذلیل کرتا ہے	وہ درد اور بیماری کا مریض نہیں ہوتا ہے
چوں بہ بیند رُوی زردِ بے سقم	خیرہ گردد عقلِ جالینوس ہم
جب بغیر بیماری کا زرد چہرہ دیکھتی ہے	جالینوس کی عقل بھی حیران ہوجاتی ہے
چوں طمع بستی تو در انوارِ ہُو	مُصطفےٰ گوید کہ ذَلَّت نفسُہٗ
جب تونے اللہ تعالےٰ کے انوار سے طمع وابستہ کردی	مصطفےٰ فرماتے ہیں کہ اُس کا نفس ذلیل ہوگیا
نُورِ بے سایہ لطیف و عالیست	آں مُشبّک سایۂ غربالیست
بے سایہ نور، پاکیزہ اور بلند ہے	جالیدار سایہ، چھلنی والا ہے
عاشقاں[2] عُریاں ہمی خواہند تن	پیشِ عِنّیناں چہ جامہ چہ بدن
عاشق ننگے بدن کے خواہاں ہیں	نامردوں کے لئے کیا کپڑا، کیا بدن؟
روزہ داراں را بُود آں نان و خواں	خر مگس را چہ آبا چہ دیگ داں
وہ روٹی اور خوان، روزہ دار کے لئے ہے	بڑی مکھی کے لئے کیا شوربا، کیا چولہا؟

[1] کہ طمع۔ جو مزید درجات کے لالچ میں رہتے ہیں وہ لاغر اور زرد رُو رہتے ہیں۔ نے ز درد۔ اہل اللہ کے چہرے کی زردی درد اور بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے چوں بہ بیند۔ اہل اللہ کے چہروں کی زردی جبکہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے تو اطبا ظاہری اُس سے حیران ہوتے ہیں۔ چوں طمع۔ جب سالک اللہ تعالےٰ کے انوار سے اپنی طمع وابستہ کردیتا ہے تو اسکے نفس کو ذلت حاصل ہوتی ہے۔ نورِ بے سایہ جب بشری صفات بالکل فنا ہوجاتی ہیں تو سالک کو نور بے سایہ حاصل ہوجاتا ہے اور اگر صفاتِ بشری کچھ باقی رہتی ہیں تو نور بے سایہ حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسا نور حاصل ہوتا ہے جیسے کہ چھلنی میں سے گذر کر نور آئے اس میں کچھ نور ہوگا کچھ سایہ ہوگا۔

[2] عاشقاں۔ جو عاشق ہیں وہ بالکل بشری صفات سے عاری ہونا چاہتے ہیں نامرد کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی روزہ دار جو مجاہدے کرتے ہیں وہ بشری صفات سے خالی ہوجاتے ہیں تو یہ خوانِ نعمت اُن روزہ داروں کیلئے ہے دنیا دار جو بڑی مکھی جیسے ہیں انکے لئے شوربا اور چولہا یکساں ہے وہ انہی کو چاٹتے ہیں۔ تاویل۔ مصداق۔ ایں سخن۔ یعنی محبوب کی باتیں۔

شرح

یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر کا عذر بھی ایک حد تک صحیح ہے کیونکہ جو شراب کی خوشی کا عادی ہو وہ اس خوشی خوشامد وغیرہ کو کب پسند کرسکتا ہے پس اس سے معلوم ہُوا کہ اعلیٰ خوشی کے مقابلہ میں ادنیٰ خوشی نظر انداز کردی جاتی ہے اور اسی سے انبیاء کی ترک تنعم کا راز معلوم ہوگیا یعنی یہ کہ اُنہوں نے خوشی دنیاوی کو اس وجہ سے چھوڑا ہے کہ خوشی وصال حق ان کی گھُٹی میں پڑی ہوئی تھی اور چونکہ انہوں نے اس خوشی کو دیکھا تھا جو کہ تمام خوشیوں سے اعلیٰ ہے اسلئے یہ خوشیاں ان کی نظر میں کھیل معلوم ہوتی ہیں تم غور تو کرو کہ جس کو نورِ حقیقی دکھائی دیگا وہ کہیں ظلماتِ ناسوتیہ پر قناعت کرسکتا ہے اور جو بھوک میں طعام اللہ اور غذائے روحانی کھائے گا اسکو روٹی اور شوربے کی حسرت ہوسکتی ہے؟ اور جو باغ میں سو رہا ہے کیا وہ احمقوں

کی طرح کوڑی کی طرف مائل ہوگا؟ بھلا مستسقی پانی سے کیسے پرہیز کر سکتا ہے اور
شرابی شراب سے کیونکہ دور رہ سکتا ہے اور کوئی عاشق اپنے معشوق سے سیر نہیں
ہو سکتا۔ اور کوئی بیمار طبیب کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اور جب کوئی کسی زندہ معشوق کا
ندیم ہو جائے تو پھر وہ مردہ کو بغل میں کیسے لے سکتا ہے۔ مُردہ کو تو وہ ہی بغل میں
لے گا جس کو عالم میں دل کی خبر نہ ہو۔ پس انبیا جو کہ بھوک میں طعام اللہ کھاتے
تھے اور نورِ حقیقی کو دیکھتے تھے اور گلزارِ روحانی میں آرام کر رہے تھے اور عشقِ الٰہی سے انکو
وہی نسبت تھی جو مستسقی کو پانی سے۔ اور شرابِ عشق اُن کے لیے ایسے تھی جیسے مستوں
کے لیے شراب معروف اور حق سبحانہٗ سے انکو وہ تعلق تھا جو کہ عاشق کو معشوق سے
اور بیمار کو طبیب سے اور وہ حق سبحانہٗ کے ندیم تھے۔ ایسی حالت میں وہ اشیائے ناسوتیہ
کی طرف کیسے مائل ہو سکتے تھے۔ اور لذاتِ روحانیہ کو کیسے چھوڑ سکتے تھے چونکہ
عقبیٰ زندہ ہے اور اسکی ہر چیز میں حیات ہے اور وہ نکتہ داں اور سخن گو ہے اسلیے
ان کو اسی سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس مُردار دنیا میں اسلئے ان کو آرام نہ
ملتا تھا کہ اس کی اشیا تو جانوروں کا چارہ ہیں اور آدمیوں کی غذا نہیں ہیں۔

پس انکو اس میں کیسے آرام حاصل ہو سکتا تھا پس وہ دنیا میں مصروف
تنعم اسلئے نہ ہوتے تھے کہ عقبیٰ جو کہ اپنی خوبی میں بمنزلہ باغ کے ہے اور جس کے مقابلہ
میں دنیا بمنزلہ کوڑی کے ہے۔ ان کا وطن اور ان کی محفل تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ جس
کا وطن اور جس کی بزم باغ ہو وہ کوڑی پر مصروف تنعم نہیں ہو سکتا لہٰذا ضروری تھا کہ
وہ بھی دنیا میں مصروف تنعم نہ ہوں۔ اس میں مصروفِ تنعم ہونا اہلِ دنیا کا کام ہے
نہ کہ اہل اللہ کا۔ کیونکہ ان کا وطن عقبیٰ ہے اور ان کا وطن دنیا۔ اور ہر کوئی اپنے وطن
میں مصروف تنعم ہوتا ہے اور اسکو ایسے تنعم میں مزہ آتا ہے جو اسکے وطن میں ہو ہم نے
یہ کیوں کہا کہ ان کا وطن عقبیٰ ہے اور اہلِ دنیا کا وطن دنیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک
کا وطن اسکے مناسب ہوتا ہے مثلاً ارواحِ پاک کا وطن علیین ہے اور ارواحِ خبیثہ کا
وطن سجّین۔ اور بلبل کا وطن گل اور نسرین وغیرہ ہیں۔ اور جعل کا وطن سرگین۔ اور چونکہ

اہل اللہ مستی عشقِ الٰہی میں چُور ہیں اسلئے ان کے حصہ میں شراب طہور عقبیٰ ہے اور اہلِ دنیا مثل اندھے جانوروں کے ہیں اسلئے ان کے حصہ میں آب شور دنیا ہے مگر وہ اسی سے اسلیئے خوش ہیں کہ انہوں نے اس شراب طہور کو نہیں پیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی اعلیٰ اشئے سے ناواقف ہوتا ہے تو وہ ادنیٰ ہی کو اعلیٰ سمجھتا ہے۔

چنانچہ جس نے عدل عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا وہ حجاج خونیں ہی کو عادل سمجھے گا۔ اور لڑکیوں کو بے جان گڑیا اسلیے دیتے ہیں کہ وہ زندوں کے کھیل سے ناواقف ہوتی ہیں نیز چونکہ بچوں میں مردانگی کا زور بازو نہیں ہوتا اسلئے اُن کے لیے لکڑی کی تلوار ہی اچھی ہوتی ہے۔ نیز کفار چونکہ عقبیٰ سے ناواقف ہوتے ہیں اسلیئے وہ انبیار کی صرف ان تصاویر پر قناعت کرتے ہیں جوکہ ان کے معبدوں میں منقوش ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہم کو عقبیٰ کا علم ہے اور پھر عقبیٰ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اسلئے ہم ان نقوش کی پرواہ نہیں رکھتے۔

پس ان واقعات کی بنا پر ضروری ہے کہ وہ آب شور دنیا ہی کو نعمت عظمیٰ سمجھیں اگر کوئی کہے کہ اہل دنیا ہی کی کیا تخصیص ہے اہل اللہ بھی تو لذاتِ دُنیا سے متمتع ہوتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ صحیح ہے لیکن دونوں کے تمتع میں فرق ہے اہل دنیا نے ان کو مقصود سمجھ رکھا ہے اور وہ عقبیٰ سے غافل ہیں مگر اہل اللہ نے ان کو مقصود نہیں سمجھا اور وہ عقبیٰ سے غافل ہیں۔ بلکہ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی ایک تصویر (جسم) دنیا میں ہے اور دوسری تصویر (روح) چاند کی طرح آسمان پر ہے۔ اور ان کا جسمانی ذہن اپنے ہم نشین سے نکات بیان کر رہا ہے اور روحانی و قلبی منہ حق تعالےٰ سے ہم کلام اور اس کا انیس ہے اور ان کا جسمانی کان عام گفتگوئیں سن رہا ہے۔ اور گوش قلب اسرار خداوندی کھینچ رہا ہے اور ان کی ظاہری آنکھ آدمیوں کی صورتیں دیکھ رہی ہے اور چشم باطن مشاہدۂ حق میں مصروف دَو دُو تگ ہے اور اس سے ہٹتی نہیں ہے اور ان کا ظاہری ہاتھ لین دین کرتا ہے لیکن ان کا باطنی ہاتھ خدا کے سامنے پھیلا ہوا ہے اور ان کے ظاہری پاؤں مسجد میں صف بستہ ہیں مگر ان کے باطنی پاؤں عالم بالا کا چکر لگا رہے ہیں

غرضکہ تم ان کے ایک ایک جزو کو یوں ہی گن جاؤ۔ اور سمجھو کہ ان کا ایک جزو زمانہ میں محبوس ہے، اور دوسرا زمانہ سے خارج لیکن جو جزو ان کا زمانہ میں محبوس ہے وہ ان کا اصلی جزو نہیں ہے بلکہ وہ تو اس کے ساتھ صرف موت تک ہے۔ رہا دوسرا جزو جو زمانہ سے خارج ہے وہ ان کا اصلی جزو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے ساتھ رہنے والا ہے۔ اب سمجھو! کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہے ان کا نام ولی الدولتین اور امام القبلتین ہے۔ کیونکہ وہ دولت دینی و دنیوی دونوں سے بہرہ مند ہیں اور دین و دنیا دونوں کے بادشاہ ہیں اور جب آدمی اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس پر خلوت اور چلّہ لازم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خلوت اور چلّہ کی غرض یہ ہے کہ ان امور سے انقطاع ہو جو کہ توجہ الی الحق سے مانع ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے لیے کوئی چیز مانع نہیں رہتی اور کوئی امیر دنیاوی آفتاب حقیقی کو ان کی نظر سے مخفی نہیں کر سکتا اور قرصِ خورشید (روز روشن) ان کا خلوت خانہ ہے۔ یعنی ان کو دن کے وقت جلوت میں بھی وہی بات حاصل ہے جو کہ رات کے وقت خلوت میں اور اغیار جو کہ ستر آفتاب حقیقی میں بمنزلہ شب کے ہیں۔ آفتاب حقیقی کو ان کی نظر سے مخفی نہیں کر سکتے بس انکو خلوت اور چلّہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مرض اور پرہیز کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور بحران یعنی روح اور نفس و شیطان کی جنگ کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اس میں روح کو کامل فتح حاصل ہو چکی ہے۔ اور ان کا کفر مبدل بہ ایمان حقیقی ہو گیا ہے اور کفر ان کا نام تک باقی نہیں رہا ہے اور خلوت و چلہ کی ضرورت مرض اور پرہیز اور تحصیل ایمان کے لیے تھی تو جب مرض جاتا رہا اور پرہیز کا زمانہ ختم ہو گیا اور ایمان حقیقی۔ حاصل ہو گیا تو اب ان کی ضرورت نہ رہی۔

(فائدہ: واضح ہو کہ مولانا نے یہ فرمایا ہے کہ اشخاص مذکورہ پر خلوت اور چلّہ لازم نہیں رہتا۔ اور ان کا تکلیف احکام شرعیہ کے احاطہ سے خارج ہو جانا اور غیر مکلف بن جانا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ خلوت اور چلّہ کا لزوم عارضی تھا نہ کہ اصلی۔ پس وہ تو زوال عارض سے ساقط ہو سکتے ہیں لیکن عبادات اصلیہ چونکہ کسی

عارضی پر مبنی نہ تھیں اسلئے وہ کسی وقت میں ساقط نہیں ہو سکتین اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

بعض لوگ ایسے مضامین یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ کاملین پر نہ کوئی طاعت لازم ہے اور نہ انکو کوئی معصیت مضر ہے۔ یہ خیال بالکل اسلام کے خلاف اور سراسر الحاد ہے اعاذنا اللہ منہ)

(فائدہ ۲ کفر او ایمان شد الخ میں کفر سے مراد عدم ایمان کامل ہے جو شامل ہے۔ کفر محض اور نقص ایمان دونوں کو۔ اور معنی یہ ہیں کہ پہلے جو اسکو کمال ایمان حاصل نہ تھا۔ اب وہ بات نہ رہی۔ بلکہ اب وہ مومن کامل ہو گیا۔ اور اب نہ اس میں کفر حقیقی رہا اور نہ کفر مجازی یعنی نقص ایمان واللہ اعلم)

وہ درست اور سیدھا ہو کر الف خالی کی طرح حق سبحانہ کے سامنے گیا ہے اور اپنے اوصاف میں سے کچھ بھی اپنے اندر نہیں رکھتا یعنی وہ خودی کو بالکل ہٹا چکا ہے اور اپنے خصائل کا لباس بالکل اتار چکا ہے اور اپنے جان افزا محبوب کے پاس اس لباس سے بالکل ننگا ہو کر گیا ہے پس جبکہ وہ اپنے لباس سے ننگا ہو کر حق سبحانہ کے سامنے گیا ہے۔ تو حق سبحانہ نے اُسکو اپنے اوصاف قدسیہ کا لباس پہنایا ہے اور اسکی اوصافِ خداوندی کی خلعت زیب تن کر لی ہے۔ یعنی وہ متخلق با خلاق اللہ ہو گیا ہے۔ اور اس طرح وہ چاہ ناسوت سے نکل کر دیوان تقرب من اللہ تک پہنچ گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ تلچھٹ کے اجزاءِ لطیفہ جس وقت اجزاءِ ارضیہ سے جدا ہو جائیں تو پھر وہ طشت کی تہہ میں نہیں رہتے بلکہ اوپر آجاتے ہیں۔

اچھا اب اسکی وجہ سمجھو کہ وہ دُردی کی طرح غیر مصفا شخص طشت ناسوت کی تہہ میں کیوں تھا۔ اسکی وجہ اجزائے ارضیہ یعنی جسم ناسوتی کی نحوست تھی اور ناپسندیدہ ساتھی نے اسکی پَر و بال باندھ رکھے تھے یعنی ناسوتی جسم نے اُس کے قوای عروجِ روحانی کو معطل کر رکھا تھا۔ اور اس کو عروج روحانی نہ کرنے دیتے تھے

ورنہ وہ اپنی ذات سے نہایت ترقی کرنے والا - اور بلند پرواز تھا - تفصیل اس کی یہ ہے
کہ جس وقت قضا وقدر نے معاتبانہ حکم اھبطو کیا - یعنی اسکو تسفل ... کا حکم دیا -
تو وہ جاہ ناسوت میں ہاروت کی طرح سے الٹا لٹکا .... دیا گیا یعنی اس کا رُخ تعلی
سے تسفل کی طرف کر دیا گیا - ہاروت کی طرح ہم نے اسلئے کہا کہ وہ بھی اصل میں فرشتہ
اور تعلی طلب تھا - مگر عتاب خداوندی سے یوں ہی لٹکا دیا گیا - جیساکہ شخص
مذکور لٹکا دیا گیا - اچھا اب یہ سُنو! اس پر عتاب کیوں ہُوا - اور وہ الٹا کیوں ہُوا - اس
کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے سردار (حق سبحانہٗ) سے دُور رہ گیا - اور اسنے خود اپنے کو
سردار بنا لیا اور تنہا روئی اختیار کی - اور جب اس ٹوکری کی طرح مُشبک اور سوراخ
دار یعنی فی نفسہٖ معرا عن الکمال شخص نے اپنے کو آب کمال مثل قدرت و احیاء و علم و سمع و بصر وغیرھا
سے پُر دیکھا - تو اسنے اپنے کو دریائے حقیقی (حق سبحانہٗ) سے مستغنی سمجھا اور اس سے
قطع تعلق کر دیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا کمال روحانی سب جاتا رہا اور وہ خالی
رہ گیا لیکن جبکہ پھر اُسے ہوش آیا اور وہ منفعل ہُوا - اور روتے روتے اس کے
جگہ میں قطرۂ اشک باقی نہ رہا تو پھر دریائے حقیقی نے رحم کیا اور اسکو واپس بلا لیا -
اس سے تم یہ نہ سمجھنا کہ اس کی رحمت پابند ہے رونے دھونے کے - نہیں - بلکہ ایسا ہی
ہوتا ہے کہ کسی نیک ساعت میں اس کی رحمت بلا کسی سبب اور بلا کسی خدمت کے
متوجہ ہو جاتی ہے - عبد کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اسے کھینچ لیتی ہے -
(خلاصہ اس کا یہ ہے) کہ روح اپنی ذات سے متوجہ الی الحق تھی - مگر جبکہ اس کا تعلق
جسم سے ہو گیا تو وہ حق سبحانہٗ سے غافل ہو کر لذات جسمانیہ میں مصروف ہو گئی -
گویا کہ اسنے اپنے کمال کو ذاتی سمجھا - اسلئے اپنے کو مستقل خیال کیا -
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معتوب ہوئی - اور معتوب ہو کر سرنگوں ہو گئی اور بجائے
اوپر کی طرف جانے کے نیچے کی طرف چلے گئے اور روز بروز اس کی حالت رَدی
ہوتی گئی اور اس کا تسفل بڑھتا گیا لیکن جبکہ اس کو ندامت ہوئی اور وہ خوب
روئے دھوئے اور اشتغال بالجسم کو چھوڑا اور خصائل ذمیمہ جو اس اندر اشتغال

بالجسم سے پیدا ہو گئی تھی ان کو دور کیا۔ تو حق سبحانہٗ نے اس پر پھر رحم کیا اور اسکو اپنے قرب سے سرفراز فرمایا۔ پس اسکو عروج سے روکنے والے اور ناسوت کی تہہ میں مقید کرنے والے اجزاءِ عروضیہ تھے)۔

ہاں اے مخاطب! گو یہ ضرور ہے کہ ساحل کے رہنے والوں کا رنگ زرد ہوتا ہے اسلئے اگر تو دریائے حقیقی سے قرب حاصل کریگا تو ریاضات و مجاہدات کے سبب تیری رنگت بھی زرد ہو جائے گی۔ مگر تو اس کی پرواہ نہ کر۔ اور قرب دریائے حقیقی ضرور حاصل کر۔ تاکہ ایسا کرنے سے کسی نہ کسی وقت اس جواد و کریم کی تجھ پر نظرِ عنایت ہو جائے اور تجھے دولت وصال میسّر ہو جائے جس کی خوشی سے تیری زردی رنگ سرخی سے بدل جائے۔ اور اگر بالفرض اگر یہ رنگ نہ بھی بدلے تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ خود یہ زردی رنگ بھی تمام رنگوں سے بہتر ہے کیونکہ اس کا سبب دیدار حق سبحانہٗ کا انتظار ہے رہی سُرخی جو کہ کسی تمتماتے ہوئے چہرہ پر ہے۔ سو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی جان کے اندر طلب حق سبحانہٗ نہیں ہے اور وہ اسکے فراق پر قناعت کئے ہوئے ہے کیونکہ اسکو طلب ہوتی تو سرخی رنگ ناممکن تھی اسلئے کہ طلب کا خاصہ ہے کہ وہ دُبلا اور زرد اور سکین طبیعت بنا دیتی ہے اور وہ کسی بیماری اور تکلیف سے بیمار نہیں ہوتا کہ زردئی رنگ اس بیماری اور تکلیف کے سبب ہو۔ بلکہ یہ صرف اس طلب اور انتظار کا اثر ہوتا ہے اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر جالینوس بھی اس کا بدن کھلا مرض کے زرد چہرہ دیکھ لے تو اس کی عقل بھی دنگ ہو جائے اور کہے کہ یہ شخص بیمار تو ہے نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اس کا چہرہ زرد ہے۔

الغرض! تم کو زردی رنگ سے خوف نہ کرنا چاہیئے (کیونکہ اوّل تو وہ عارضی ہے اور وصال کے بعد سرخی سے بدل جائے پھر اگر نہ بھی بدلے تو وہ زردی جو انتظار دیدارِ حق سبحانہٗ میں ہو۔ اس سرخی سے بہتر ہے جو استغناء

عن الحق کے سبب ہو) اور طلب حق سبحانہٗ میں مصروف ہونا چاہیئے۔

دیکھو! جب تم انوار حق سبحانہٗ کے طالب ہوگے تو تمہاری سرکشی فانی رہے گی۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دل میں طمع اور جس قدر تمہاری طلب بڑھے گی اسی قدر تمہاری سرکشی فنا ہوگی اور جس قدر تمہاری .. سرکشی فنا ہوگی اُسی قدر صفائی باطن حاصل ہوگی۔ پس تم کو طلب کامل حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم کو صفائی کامل حاصل ہو۔ اور حجابات تمام مرتفع ہو جائیں اور نور بے سایہ تم کو حاصل ہو۔ اور تم بلا حجاب دیدار حق سبحانہٗ سے مشرف ہو۔ کیونکہ جس نور میں سایہ کی آمیزش نہ ہو وہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ رہا شبک یعنی نور و تاریکی آمیختہ۔ سو وہ چھلنی کا سایہ ہوتا ہے سو وہ ایسا اچھا نہیں ہے جیساکہ وہ نور جس میں سایہ کی بالکل آمیزش نہ ہو پس تم طلب ناقص اور تصفیہ ناقص پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ اسکو کامل کرو۔ نور بے سایہ اور مشاہدہ بلا حجاب کی قدر اہل اللہ جانتے ہیں عوام اسکی قدر نہیں جان سکتے کیونکہ عشاق چاہتے ہیں کہ اُن کا اور ان کے محبوب کا جسم بالکل ننگا ہو اور ان کے اور ان کے محبوب کے درمیان کپڑا بھی حائل نہ ہو۔ تاکہ انہیں وصل عُریان حاصل ہو جائے۔

رہے نامرد۔ سو ان کے نزدیک کپڑا اور بدن دونوں برابر ہیں علیٰ ہٰذا۔ روٹی اور خوان روزہ داروں کے لیے ہوتے ہیں۔ رہے زخموں پر بیٹھ کر ان میں کیڑے ڈالنے والی مکھی ــــ سو اُسے نہ شوربے سے واسطہ ہے اور نہ چولہے سے (فائدہ: واضح ہو کہ حجابات کا بالکلیہ مرتفع ہو جانا اور فنا کے تمام مدارج کا طے ہو جانا ناممکن ہے پس اس مقام پر تمام حجابات کے مرتفع ہونے اور حصول فنائے تام سے مراد استغراق حقیقی نہیں ہے بلکہ مقصود محض کثرت ہے۔ واللہ اعلم۔

دیگر بار استدعای شاہ از ایاز کہ تاویلِ کارِ خود بگو و مشکلِ منکراں

شاہ کا ایاز سے دوبارہ کہنا کہ اپنے کام کا مطلب بتا اور منکروں اور

وطاعناں را حل کن کہ ایشاں را در التباس رہا کردن مروت نیست

معترضوں کی مشکل کو حل کر دے، کیونکہ اُن کو شبہ میں مبتلا چھوڑ دینا مروت نہیں ہے

این سخن از حد و اندازست بیش
یہ بات حد اور اندازہ سے زیادہ ہے

اے ایازا کنوں بگو احوالِ خویش
اے ایاز! اب تو اپنے احوال بتا

ہیں بگو احوالِ خود را اے ایاز
ہاں اے ایاز! اپنے احوال بتا

گرچہ تصویرِ حکایت شد دراز
اگرچہ حکایت کا نقشہ دراز ہو گیا ہے

ہست احوالِ تو از کانِ نوی
تیرے احوال، نئی کان کے ہیں

تو بدیں احوال کے راضی شوی
تو ان احوال پر کب راضی ہوتا ہے؟

ہیں حکایت کن از آں احوالِ خوش
ہاں اپنے اچھے احوال بیان کر

خاک بر احوال و درسِ پنج و شش
پانچ چھ کے سبق کے احوال پر خاک پڑے

حالِ باطن گر نمی آید بگفت
باطن کا حال اگر کہنے میں نہیں آ سکتا

حالِ ظاہر گویمت در طاق و جفت
میں تجھ سے طاق اور جفت میں ظاہر کا حال بیان کرتا ہوں

کز لطفِ یار تلخیہای مات
کیونکہ شکست کی تلخیاں یار کی مہربانی سے

گشت بر جاں خوشتر از قند و نبات
جان کیلئے قند و شکر سے زیادہ اچھی ہو گئی ہیں

زاں نبات ار گرد در دریا رود
اگر اُس شکر کی گرد بھی سمندر میں پہنچ جائے

تلخیِ دریا ہمہ شیریں شود
سمندر کا کھاراپن سب میٹھا ہو جائے

صد ہزار احوالِ عالم ایں چنیں
اِسی طرح، عالم کے لاکھوں احوال

باز سوی غیب رفتند اے امیں
اے امانتدار! پھر غیب کی جانب چلے گئے

حالِ ہر روزے بہ دی مانند نے
ہر روز کا حال کل کی مانند نہیں ہے

ہمچو جُو اندر روش کش بند نے
جیسے کہ جاری ہونے میں وہ نہر جس پر کوئی بند نہیں ہے

شادیِ ہر روز از نوعِ دگر
ہر روز کی خوشی ایک دوسری قسم کی ہے

فکرتِ ہر روز را دیگر اثر
ہر روز کے فکر کا اثر دوسرا ہے

سلہ حالِ باطن۔ ایاز نے کہا اگر باطنی احوال ناقابل بیان ہیں تو ظاہری احوال خاص اور تغیبہات کیساتھ سنائے دیتا ہوں۔ طاق۔ یعنی خاص حال۔ جفت۔ یعنی تغیبہات کے ساتھ حال سنانا۔ کز لطف۔ اگر یار کی مہربانی ہو تو امتحان کی تلخیاں خوشگوار ہو جاتی ہیں زاں۔ اُن تلخیوں کا اسقدر شیریں ہوتی ہے کہ اگر اُسکا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سمندر کا کھاراپن ختم ہو جائے۔ صد ہزاراں۔ احوال کا بقا نہیں ہے وہ طاری ہوتے ہیں اور پھر عالمِ غیب کیطرف چلے جاتے ہیں۔

سلہ حال۔ ہر روز کا حال کل کو معدوم ہو جاتا ہے اور دوسرا حال آ جاتا ہے جسطرح نہر کا پانی گذرتا رہتا ہے اور اُس کی جگہ نیا پانی لیتا رہتا ہے شادی۔ ہر روز ایک نئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور ہر روز کے فکر کا نیا اثر ہوتا ہے۔

سلہ احوال۔ وہ کیفیات جو سالک پر طاری ہوتی ہیں۔ کانِ نوی۔ تیرے اوپر نئے نئے احوال طاری ہوتے ہیں۔ بدیں احوال۔ یعنی جو کیفیات سے حاصل ہو چکی ہیں۔ ہیں۔ اپنی اچھی کیفیات کی بات سنا، شش جہات اور پنج حواس کی باتوں پر خاک ڈال۔

شرح اچھا مذکورہ بالا گفتگو تو ختم نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ حد اور اندازہ سے خارج ہے اسلئے اسے چھوڑ دو اور سُنو کہ محمودؒ نے ایاز سے کیا کہا۔ اسنے کہا کہ اے ایاز! تو اپنے احوال بیان کر۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ہاں اے ایاز! گو قصہ کو طول ہوگیا ہے مگر اسکی کچھ پرواہ نہیں تم اپنی حالت ضرور بیان کرو۔ بھائی! تمہارے احوال تو نہایت تر و تازہ اور پسندیدہ اور گویا کہ جدت کی کان سے نکلے ہیں۔ پس تم ان احوال کو کیوں پسند کروگے جو میں تمہارے بیان کرتا ہوں لہذا تم خود اپنے ان پاکیزہ اور نفیس حالات کو بیان کرو۔ اور ان احوال پر خاک ڈالو۔ جو اس بیان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا علاقہ عالم ناسوت سے ہے لیکن تم تو بیان نہیں کرتے اسلئے مجبوراً میں ہی بیان کرتا ہوں اور اگر تمہارے باطنی احوال بعینہا بیان میں نہیں آسکتے کیونکہ وہ وجدانی ہیں ــــ جس کا ادراک وجدان سے ہوسکتا ہے۔ تو تمہارے ظاہری اور سرسری احوال ہی خلاو بلا میں بیان کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تمہاری یہ حالت ہے کہ تمہارے یار کی خوبی اور پاکیزگی نے تمہارے ناگاہوں کی تلخیوں اور ناگواریوں کو اس قدر گوارا اور شیریں بنادیا ہے کہ وہ قند اور نبات سے بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر شیریں ہوگئی ہیں۔ کہ اگر ان کی گرد بھی سمندر میں پڑجائے تو سمندر کی تمام تلخی شیرینی سے بدل جائے یعنی تم اپنے محبوب سے اس قدر محبت کرتے ہو۔ اور وہ تمہاری نظر میں اس درجہ محبوب اور مرغوب ہے کہ اسکے عشق میں جو مصیبت بھی تم پر پڑتی ہے اور جو ناکامی بھی تم کو پیش آتی ہے تم اپنے محبوب کی خاطر اسکو نہایت فراخ حوصلگی اور کشادہ روئی کے ساتھ قبول کرتے ہو (فائدہ: ہم نے ہیں بگوا احوال خود را اے ایازا الخ کو مولانا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شعر مذکور کا مصرع ثانی اور اشعار آئندہ باواز بلند اس امر کو ظاہر کرتے ہیں۔ شراح نے اس مقام پر بہت خبط کیا ہے۔ تنبہ لہ)

یہاں تک اس مضمون کو بیان فرما کر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اوپر تلخی دریا کے فنا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ سُنو بھائی! ایک تلخی دریا کیا چیز ہے عالم

میں لاکھوں احوال آئے اور پھر غیب کو سدھار گئے چنانچہ ہر روز کی حالت اس سے پہلے دن کی حالت کے مشابہہ نہیں ہوتی ۔ جیسے ندی کا بہتا ہوا پانی جس کے لیے کوئی روک نہیں ہے کہ وہ ہر دم نیا ہوتا ہے اور جو ایک دفعہ آ چکا وہ پھر نہیں آتا ۔ اور ہر روز کی خوشی پہلے دن کی خوشی سے مختلف ہوتی ہے اور ہر روز کے خیال کا اثر پہلے دن کے خیال کے اثر سے جدا ہوتا ہے ۔ اِس بیان سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے ۔

تمثیلِ تنِ آدمی بمہمانخانہ واندیشہائے مختلف ہمچوں
آدمی کے جسم کی مثال مہمان خانہ سے ہے اور مختلف فکریں مہمانوں کی طرح

مہمانان و عارفِ صابر دراں اندیشہا چوں مردِ مہمان
ہیں اور عارف، صابر اُن فکروں کے معاملہ میں مہمان

دوست غریب نوے از خلیل وار
دوست غریب نواز ابراہیم خلیل اللہ کی طرح ہے

هست مہمان خانہ ایں تن اے جواں
اے جوان! یہ جسم مہمان خانہ ہے

ہر صباحے ضیفِ نو آید دواں
ہر صبح کو نیا مہمان دوڑتا آتا ہے

نے غلط گفتم کہ آید دم بدم
نہیں میں نے غلط کہا، لمحہ بہ لمحہ آتا ہے

ضیفِ تازہ فکرتِ شادی و غم
خوشی اور رنج کے فکر کا نیا مہمان

میزبانِ تازہ رُو شو اے خلیل
اے خلیل! خندہ پیشانی والا میزبان بن

در مبند و منتظر شو در سبیل
دروازہ بند نہ کر اور راستہ میں منتظر رہ

ہر چہ آید از جہانِ غیب وش
غیب جیسے جہان سے جو آئے

در دلت ضیفست اُو را دار خوش
وہ تیرے دل میں مہمان ہے اُسکو خوش رکھ

ہیں مگو کیں ماند اندر گردنم
خبردار! نہ کہہ کہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا

کو ہم اکنوں باز پرّد در عدم
کیونکہ وہ ابھی اب عدم کیجانب پرواز کر جائیگا

تمثیل ۔ جو عارف صابر ہیں وہ اپنے احوال کو اسی طرح نوازتے ہیں جس طرح کوئی معزز مہمان کو نوازتا ہے ۔

۳ ہر صباحے ۔ جب انسان صبح کو سو کر اٹھتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال آتا ہے نے غلط ۔ میں نے یہ غلط کہا کہ صبح کو خیال مہمان بنکر آتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ صبح ہی کو نہیں بلکہ ہر وقت خوشی اور غم کا خیال انسان کے ذہن میں آتا رہتا ہے ۔

اے خلیل ۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مہمان نوازی مشہور ہے ۔

حکایتِ آں مہمان وزنِ خداوند خانہ کہ آہ باراں گرفت

مہمان اور گھر کے مالک کی بیوی کی حکایت، کہ ہائے بارش جم گئی

ومہمان در گردنِ ما ماند

اور مہمان ہماری گردن میں پڑ گیا

آں یکے را بیگہاں آمد قنق
ایک (میزبان) کے یہاں بے وقت مہمان آگیا

ساخت اُو را ہمچو طوق اندر عنق
اُس نے اسکو گلے کے طوق کی طرح بنا لیا

خواں کشید اُو را کرامتہا نمود
اُسکے لئے دسترخوان بچھایا، تواضع کی

آں شب اندر کوئے ایشاں سور بود
اُس رات میں اُن کی گلی میں شادی تھی

مرد زن را گفت پنہانی سخن
شوہر نے بیوی سے آہستہ سے کہا

کامشب اے خاتون دو جامہ خواب کن
اے خاتون! آج رات کو دو بستر بچھانا

بسترِ ما را بگستر سوئے در
ہمارا بستر، دروازے کی جانب بچھا

بہرِ مہماں گستراں سوئے دگر
مہمان کے لئے دوسری جانب بچھا

گفت زن خدمت کنم شادی کنم
بیوی نے کہا خدمت بجالاؤنگی، خوش ہونگی

سمع وطاعت اے دو چشمِ روشنم
اے میری دو روشن آنکھیں! سنا اور مانا

ہر دو بستر گسترید و رفت زن
بیوی نے دونوں بستر بچھائے اور چلی گئی

سوئے خانۂ سور کرد آنجا وطن
شادی کے گھر کی جانب وہاں ٹھہر گئی

ماند مہمانِ عزیز و شوہرش
مہمان عزیز اور اس کا شوہر رہ گئے

نُقل بنہادند از خشک و ترش
خشک اور کھٹا چبینا انہوں نے (سامنے) رکھا

در سمر گفتند ہر دو منتخب
دونوں شریفوں نے کہانی میں ذکر کیا

سرگذشت نیک و بد تا نیم شب
آدھی رات تک، نیک اور بد کا قصہ

بعد ازاں مہماں ز خواب و از سمر
اُسکے بعد نیند اور کہانی کی وجہ سے مہمان

شد دراں بستر کہ بُد آں سوئے در
اُس بستر میں چلا گیا جو دروازے کی جانب تھا

شوہر از خجلت بدو چیزے نگفت
شوہر نے شرمندگی کی وجہ سے اُس سے کچھ نہ کہا

کہ ترا ایں سوست اے جاں جائے خفت
کہ اے جان! تیرے سونے کی جگہ اس جانب ہے

کہ برای خواب تو اے بوالکرم
کہ اے بزرگ! تیرے سونے کے لئے

بستر آں سوئے دگر افگندہ ام
میں نے بستر دوسری طرف بچھوایا ہے

آں قرارے کہ بزن اُو دادہ بود
وہ بات جو اُس نے بیوی سے طے کی تھی

گشت مبدل واں طرف مہماں غنود
بدل گئی، اور اُس جانب مہمان سو گیا

۵۱ بیت۔ کسی مہمان خیال کو یہ نہ کہہ کہ یہ میری گردن کا ہار بن گیا۔ حکایت۔ بیوی نے مہمان کو گلے کا ہار بنا لیا۔ خداوند خانہ۔ گھر والا۔ بیگہان۔ بے وقت۔ قنق۔ مہمان۔ عنق۔ گردن۔ سور۔ شادی بیاہ۔

۵۲ مرد۔ شوہر نے بیوی سے کہا کہ آج چونکہ مہمان بھی ہے دو بستر بچھانا۔ جامۂ خواب۔ سونے کا بستر۔ بسترِ ما۔ میرا بستر دروازہ کے قریب بچھانا اور مہمان کا بستر اندر کو بچھانا۔ سمع و طاعت۔ سننا اور کرنا۔

۵۳ خانۂ سور۔ شادی والا گھر۔ نُقل۔ چبینا۔ سمر۔ رات کی کہانی۔ منتخب۔ میزبان اور مہمان دونوں برگزیدہ شخص تھے۔ بعد ازاں۔ کھانے اور کہانیوں کے بعد مہمان میزبان کے بستر پر لیٹ گیا۔ شوہر نے مہمان سے یہ نہ کہا کہ آپ کے سونے کے لئے دوسرا بستر ہے۔

۵۴ بوالکرم۔ مہربان۔ آں قرارے۔ جو بات بیوی سے طے ہوئی تھی وہ الٹی ہو گئی۔

آنشب آنجا سخت باراں گرفت کز شکوہِ ابرشاں آمد شگفت

اُس رات کو وہاں سخت بارش ہونے لگی کہ ابر کی ہیبت سے وہ حیران ہوگئے

زن بیامد بر گمانِ آنکہ شو سوی در خفتہ است و آنسو آں عمو

بیوی آئی، اِس گمان سے کہ شوہر دروازے کی جانب سویا ہوا ہے اور اُس جانب وہ چچا

رفت عریاں در لحاف آندم عروس داد مہماں را برغبت چند بوس

دلہن ننگی ہوکر فوراً لحاف میں گھس گئی اور رغبت سے مہمان کے چند بوسے لئے

گفت می ترسیدم اے مردِ کلاں خود ہماں آمد ہماں آمد ہماں

اس نے کہا اے بزرگ میاں! میں ڈرتی ہوں وہی ہوا، وہی ہوا، وہی

مردِ مہماں را گل و باراں نشاند[2] بر تو چوں صابونِ سلطانی بماند

مہمان شخص کو کیچڑ اور بارش نے بٹھا دیا آپ پر شاہی ٹیکس کی طرح ہوگیا

اندریں باران و گل اُو کے رود بر سر و جانِ تو اُو تاواں شود

اس بارش اور کیچڑ میں وہ کب جائے گا آپ کے سر اور جاں پر وہ تاوان بنے گا

زود مہماں جست و گفت اے زن بہل موزہ دارم من ندارم غم ز گل

جلدی سے مہمان اٹھا اور بولا اے عورت! جانے دے میرے پاس موزہ ہے مجھے کیچڑ کا فکر نہیں ہے

من[3] رواں گشتم شما را خیرباد در سفر یکدم مبادا روح شاد

میں چل دیا، تم سلامت رہو خدا کرے سفر میں تھوڑی دیر کیلئے بھی روح خوش نہو

تاکہ زوتر جانبِ معدن رود کایں خوشی اندر سفر رہزن شود

تاکہ بہت جلد کان کی جانب چل جائے کیونکہ یہ خوشی سفر میں رہزن بنجاتی ہے

زن پشیماں شد ازاں گفتارِ سرد چوں رمید و رفت آں مہمان فرد

عورت اُس سرد (بھری) کی بات سے شرمندہ ہوگئی جبکہ وہ یکتا مہمان بھڑک گیا اور چلا گیا

زن بسے گفتش کہ آخر اے امیر گر مزاحے کردم از طیبت مگیر

عورت نے اُس سے بہت کہا کہ اے سردار! آخر میں نے مذاق کیا ہے، مذاق سے رنجیدہ نہ ہو

سجدہ و زاریِ زن سودے نداشت رفت و ایشاں را دراں حسرت گذاشت

عورت کے سجدے اور عاجزی نے فائدہ نہ دیا وہ چلا گیا اور اُن کو اس حسرت میں چھوڑ گیا

جامہ[1] ازرق کردزاں پس مرد و زن صورتش دیدند شمع بے لگن

مہمان (بیوی) نے اس کے بعد کپڑے نیلے کرلئے اُنھوں نے اسکی صورت بے شمعدان کی شمع دیکھی

میشد و صحرا ز نورِ شمعِ مرد چوں بہشت از ظلمتِ شب گشت فرد

وہ جا رہا تھا اور جنگل، مرد کی شمع کے نور سے بہشت کی طرح، رات کی تاریکی سے جدا ہوگیا

کرد مہمانخانہ خانہ خویش را از غم و از خجلت ایں ماجرا

اُس نے اپنے گھر کو، مہمان خانہ بنا دیا اِس قصّہ کے رنج اور شرمندگی کی وجہ سے

آنشب۔ اُس رات ایسی بارش ہوئی کہ اُسکے ابر کو دیکھکر ڈر لگتا تھا۔ عریاں۔ ننگا۔ مہماں۔ مہمان کو شوہر سمجھکر اُسکے بوسے لینے لگی۔ گفت۔ پھر مہمان کو شوہر سمجھکر کہنے لگی کہ جس چیز کا مجھے ڈر تھا وہی ہوئی

[2] مردِ مہماں۔ اب کیچڑ اور بارش کیوجہ سے مہمان روانہ نہ ہوگا۔ صابونِ سلطانی۔ کسی شخص کے لئے ایک رقم پر کوئی چیز بادشاہ کیجانب سے مقرر ہونا۔ گل نے کچھ موزہ دارم۔ میرے پاس چمڑے کے موزے ہیں مجھے کیچڑ کی فکر نہیں ہے۔

[3] من رواں گشتم۔ چلتے وقت مہمان نے میزبانوں کو دعا دی۔ در سفر۔ دنیا کی زندگی سفر کی حالت ہے اور منزل آخرت ہے سفر میں خوشی اور آرام رہزن بنتا ہے

[1] جامہ ازرق۔ رنج میں نیلے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ صورتش۔ اس مہمان سے جنگل روشن ہورہا تھا اور جنت کا نمونہ بن گیا۔ کرد۔ اس میزبان نے اس شرمندگی میں اپنے گھر کو مہمان خانہ بنا دیا۔

در درونِ ہر دو از راہِ نہاں — ہر زماں گفتے خیالِ میہماں

مخفی راہ سے، دونوں کے باطن میں — ہر وقت مہمان کا خیال کہتا

کہ بُدم یارِ خضر صد گنج جود — می فشاندم لیک روزی تاں نبود

کہ میں خضر یار تھا، بخشش کے سیکڑوں خزانے — میں نے بکھیرے لیکن تمہارا حصہ نہ تھے

تمثیلِ فکرِ ہر روزینہ کہ اندر دل آید بمہمانِ نو کہ از اول روز در خانہ فرود آید و تحکم و بدخوی کند و فضیلتِ مہمانداری و نازِ مہمان کشیدن

ہر روز جو خیال دل میں آتا ہے اس کی مثال دینا اُس نئے مہمان کیساتھ جو پہلے ہی دن گھر میں آتا ہے اور حکم چلاتا ہے اور بدمزاجی کرتا ہے اور مہمانداری کی فضیلت اور مہمان کی ناز برداری کرنا

ہر دمے فکرے چو مہمانِ عزیز — آید اندر سینہ ہر روز نیز

ہر وقت عزیز مہمان کی طرح ایک فکر — ہر روز سینہ میں بھی آتا ہے

فکر را اے جاں بجائے شخص داں — زانکہ شخص از فکر دارد قدرِ جاں

اے جان! فکر کو انسان کی طرح سمجھ — کیونکہ انسان فکر ہی سے جان کی قدر کرتا ہے

فکرِ غم گر راہِ شادی میزند — کارسازیہائے شادی میکند

غم کا فکر، اگر خوشی کی رہزنی کرتا ہے — وہ خوشی کے سامان مہیا کرتا ہے

خانہ می روبد بہ تندی اُو ز غیر — تا در آید شادیِ نو ز اصلِ خیر

وہ سختی سے غیر سے گھر کو صاف کرتا ہے — تاکہ اصلی خیر سے، نئی خوشی آئے

میفشاند برگِ زرد از شاخِ دل — تا بروید برگِ سبزِ متصل

دل کی شاخ سے زرد پتے جھاڑ دیتا ہے — تاکہ مسلسل سبز پتے اُگ آئیں

می کَنَد اُو بیخِ سروِ کہنہ را — تا خرامد سروِ نو از ماورا

وہ پُرانے سرو کی جڑ اکھاڑ دیتا ہے — تاکہ عالمِ غیب سے نیا سرو جھومے

غم کَنَد بیخِ کژِ پوسیدہ را — تا نماید بیخِ رُو پوشیدہ را

غم، ٹیڑھی سڑی ہوئی جڑ کو اکھاڑتا ہے — تاکہ جڑ چھپے رُخ کو ظاہر کرے

غم ز دل ہر چہ بریزد یا برد — در عوض حقا کہ بہتر آورد

غم، دل سے نکالتا یا گراتا ہے — یقیناً بدلے میں بہتر لاتا ہے

خاصہ آں را کہ یقینش باشد ایں — کہ بُوَد غم بندۂ اہلِ یقیں

خصوصاً اس کے لئے جس کو یہ یقین ہو — کہ غم اہلِ یقین کا غلام ہوتا ہے

گر ترش روئی نیارد ابر و برق — رز بسوزد از تبسمہائے شرق

اگر ابر اور بجلی بدمزاجی نہ کرے — مشرق کی مسکراہٹوں سے انگور کی بیل جل جائے

---

٢ کہ بُدم۔ دونوں میہماں بیوی کے دل میں مہمان کا تصور، یہ کہتا تھا کہ میں تمہیں فائدہ پہنچانے آیا تھا لیکن تمہارے مقدر میں نہ تھا۔ یارِ خضر، ہم نے ترجمہ خضر یار کیا ہے یعنی وہ خیال کہتا تھا کہ میں تمہارا دوست خضر تھا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میں خضر کا ایک دوست تھا اور اگر خضر خاد کے زیر اور ضاد کے زبر سے پڑھا جائے تو سبزی و شادابی کے معنی میں ہے۔ تمثیل۔ فکر خواہ ناخوشگوار ہو اس کو بہ مزاج مہمان سمجھو جس کی بحالت خدمت کرنی ہے۔ تحکم۔ حکم چلانا۔

٣ زانکہ۔ جان کی قدر اسی لئے ہے کہ اس میں قوتِ فکریہ ہے۔ فکرِ غم۔ غم کا فکر سیکڑوں خوشیوں کا پیش خیمہ ہے۔ خانہ۔ غمگین فکر میں انسان دوسرے افکار بھول جاتا ہے۔ اصلِ خیر اللہ تعالیٰ۔

١ می فشاند۔ غم انگیز فکر تمام افکار کو ختم کر دیتا ہے تاکہ دل میں خوشی اُگے۔ ماورا، عالمِ غیب۔ غم۔ غم پُرانے افکار کی بوسیدہ جڑیں اکھاڑ پھینکتا ہے تاکہ چھپی ہوئی نئی جڑ برگ و بار لائے۔ بہتر آورد۔ یعنی روح کی صفائی۔ اغلبی کا خیال۔ اہلِ یقین۔ غم ان کی خدمت کے لئے ان کے پاس آتا ہے۔

٥ گر ترش روئی۔ بجلی اور ابر کی ترش روئی انگور کی بیل کی حیات ہے ورنہ سورج کی مسکراہٹیں اس کو جلا ڈالتی ہیں۔ شرق۔ مشرق۔

سعد و نحس اندر دلت مہماں شود — چوں ستارہ خانہ خانہ میرود
تیرے دل میں اچھا اور برا مہمان ہوتا ہے — ستارے کی طرح خانہ بخانہ چلتا ہے

آں زماں کہ او مقیمِ برجِ تست — باش ہمچوں طالعش شیریں و چست
جس زمانے میں وہ تیرے برج میں مقیم ہے — تو اس کے عروج کی طرح خیر بیں اور چست بن

تاکہ با مہ چوں شود او متصل — شکر گوید از تو با سلطانِ دل
تاکہ جب وہ سورج سے ملے — دل کے شاہ (خدا) سے تیرا شکریہ ادا کرے

ہفت سال ایوبؑ با صبر و رضا — در بلا خوش بود با ضیفِ خدا
(حضرت) ایوبؑ صبر اور خوشی کیساتھ سات سال — خدا کے مہمان کے ساتھ مصیبت میں خوش تھے

تا چو وا گردد بلای سخت رو — پیشِ حق گوید بصد گوں شکرِ او
تاکہ جب سخت مصیبت واپس ہو — اللہ (تعالےٰ) کے سامنے سیکڑوں طرح اسکا شکریہ ادا کرے

کز محبت با منِ محبوب کش — رو نکرد ایوبؑ یک لحظہ ترش
کہ مجھ دوست کش کے ساتھ محبت سے — (حضرت) ایوبؑ نے ایک لمحہ کیلئے بھی منہ نہ بنایا

از وفا و خجلتِ حکمِ خدا — بود چوں شیر و عسل او با بلا
وفاداری اور اللہ (تعالےٰ) کے حکم کے لحاظ سے — وہ مصیبت میں دودھ اور شہد کی طرح تھے

فکر[1] در سینہ در آید نو بنو — خند خنداں پیشِ او تو باز رو
فکر سینہ میں تازہ بتازہ آتا ہے — تو ہنستا ہنستا پھر اس کے سامنے جا

کہ اعذنی خالقی من شرہٖ — لا تحرمنی انل من برہٖ
کہ اے میرے پیدا کرنے والے مجھے اسکے شر سے پناہ دے — مجھے محروم نہ کر، مجھے اس کی بھلائی عطا کر

رب اوزعنی ان اشکر ما اری — لا تعقب حسرۃ لی ان مضیٰ
اے رب! میرے دل میں ڈال کہ میں جو دیکھتا ہوں اسکا شکر ادا کروں — اگر وہ چلا جائے، اس کے بعد تو حسرت پیدا نہ فرما

آں ضمیرِ رو ترش را پاسدار — آں ترش را چوں شکر شیریں شمار
ترشرو خیال کا تو لحاظ کر — تو اس ترش کو شکر شمار کر

ابر را گر ہست ظاہر رو ترش — گلشن آرندہ ست ابر و شورہ کش
ابر اگرچہ بظاہر ترش رو ہے — وہ چمن پیدا کرنے والا ہے اور شور کو مٹانے والا ہے

فکرت[2] غم را مثالِ ابر داں — با ترش تو رو ترش کم کن چناں
تو غم کے فکر کو ابر کی طرح سمجھ — اس طرح تو ترشرو کے ساتھ ترشروئی نہ کر

بو کہ آں گوہر بدستِ او بود — جہد کن تا از تو او راضی رود
ہو سکتا ہے کہ کوئی گوہر اس کے ہاتھ میں ہو — کوشش کر تاکہ وہ تجھ سے خوش جائے

ور نباشد گوہر و نبود غنی — عادتِ شیریں خود افزوں کنی
اگر گوہر (بھی) نہ ہو اور وہ مالدار بھی نہ ہو — تو اپنی شیریں عادت بڑھالے گا

سعد نحس۔ رنج و خوشی اسی طرح دل کے خانوں کو طے کرتے ہیں جس طرح سعد و نحس ستارے آسمان میں اپنے منازل کو طے کرتے ہیں۔ آو۔ یعنی خیال۔ برج یعنی دل۔ تاکہ۔ وہ فکر بارگاہِ خداوندی میں تمہاری شکر گذاری کا ذکر کرے۔

[2] ایوبؑ۔ حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے۔ ضیف خدا۔ خدائی مہمان یعنی مصیبت۔۔ محبوب کش۔ فکر و غم جس سے تعلق پیدا کرتے ہیں اس کو مار ڈالتے ہیں۔ خجلت۔ یعنی حضرت ایوبؑ اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ یہ مصیبت اللہ کے حکم سے آئی ہے۔

[1] فکر۔ جو نئے نئے افکار دل میں آئیں انکو ہنسی خوشی قبول کر۔ ترجمہ۔ خوشی سے قبول کرنا یہ ہے کہ تو یہ دعا کر کہ اللہ تعالےٰ اس فکر کے شر سے مجھے محفوظ رکھ اور مجھے اس کی بھلائی سے محروم نہ کر جو میں تیری جانب سے دیکھوں اس پر شکر کروں اور اسکے چلے جانے کے بعد مجھے یہ حسرت نہ ہو کہ میں نے اس پر صبر کیوں نہ کیا۔ ابر۔ زمین کے لئے ابر ترشرو ہے لیکن وہی چمن پیدا کر دیتا ہے اور اس کے شور پن کو زائل کر دیتا ہے۔

[2] فکرت۔ اپنے غم کو ابر کی طرح سمجھ اور اسکے فوائد پر غور کر۔ بو۔ ہو سکتا ہے کہ اس فکر میں تیری خیر مضمر ہو۔ ور نباشد۔ اگر خیر بھی مضمر نہیں ہے تو تیرے صبر میں اضافہ کا سبب ہے۔ جا بجا گر۔ یہ صبر کی عادت دوسری جگہ بھی

جای دیگر سود دارد عادتت تیری عادت دوسری جگہ مفید ہوگی	ناگہاں روزے برآید حاجتت اچانک کسی روز تیری مراد بر آئے گی
فکرتے[۳] کز شادیت مانع شود وہ فکر جو تیرے لئے خوشی سے مانع ہو	آں بامر و حکمت صانع شود وہ خدا کے حکم اور حکمت کی بنا پر ہوتا ہے
تو مخواں دو چار دانگش اے جواں اے جوان! تو اس کو حقیر نہ سمجھ	بو کہ نجمے باشد و صاحبقراں ہو سکتا ہے کہ وہ ستارہ اور سعادت مند ہو
تو مگو فرع ست او را اصل گیر تو (اس کو) شاخ نہ کہہ اس کو جڑ سمجھ	تا شوی پیوستہ بر مقصود چیر تاکہ ہمیشہ مقصود پر غالب رہے
ور تو آں را فرع گیری و مُضِر اگر تو اس کو شاخ اور مُضر سمجھے گا	چشم تو در اصل باشد منتظر تیری آنکھ جڑ کے لئے منتظر رہے گی
زہر[۵] آمد انتظار اندر چشش انتظار ذائقہ میں زہر ہے	دائما در مرگ باشی زاں رَوِش اس روش سے تو ہمیشہ موت میں رہیگا
اصل داں آنرا بگیرش در کنار اس کو جڑ سمجھ اس کو بغل میں لے لے	باز رہ دائم زمرگ انتظار موت کے انتظار سے ہمیشہ نجات حاصل کر

[۳] فکرتے۔ جو غم شادی سے مانع ہوتا ہے وہ بھی خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ناگہاں ناگہ۔ دوچار دانگ یعنی حقیر۔ صاحبقراں۔ خوش نصیب ہے جس کی ولادت یا نطفہ کے استقرار کے وقت زحل اور مشتری ایک برج میں ہوں۔ تو مگو۔ اس فکر کو اصل سمجھ اور اسی کو مقصود بنا تاکہ مقصد رسی ہو ورنہ تو مقصود سے محروم اور اسکا منتظر رہیگا۔

[۵] زہر آمد۔ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے جو کچھ وقت سے آتا ہو اس کو خدا کے اسماء میں سے کسی اسم کا مظہر سمجھتا ہے۔ یہی اسماء وصفات کے عشق کا اثر ہے۔

شرح

یعنی تمہارا دل ایک مہمان خانہ ہے جس میں ہر روز ایک نیا مہمان آتا ہے۔ نہیں۔ میں نے غلط کہا۔ بلکہ ہر دم آتا ہے اس نئے مہمان سے مراد ہماری کیا ہے؟ خوش کن یا رنجدہ خیال۔ پس تم کو چاہیئے کہ تم کشادہ رُو میزبان بنو۔ اور نہایت خوشی کے ساتھ اسکو اپنے یہاں ٹھہراؤ۔ اور اسکی لئے دروازہ بند نہ کرو۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح راہ میں اسکے منتظر رہو۔

حاصل یہ ہے کہ عالم علوی سے (جو کہ عوام سے غائب اور خواص کے سامنے حاضر ہے جس کو غیب وَش اور مثل غیب کہا جا سکتا ہے) تمہارے دل میں خیالات مہمان خداوندی ہوکر آتے ہیں پس تم کو چاہیئے کہ ان کو راضی رکھو۔ دیکھنا تم یہ نہ کہنا کہ یہ میرے گلے کا ہار اور وبالِ جان ہوگئے ہیں کیونکہ وہ رہنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ جہاں سے آئے تھے وہیں پھر لوٹ جائیں گے یعنی عدم سے آئے تھے اور عدم کو واپس ہو جائیں

گے اور ان کے چلے جانے کے بعد ممکن ہے کہ تمہیں افسوس ہو! جیساکہ ان خاوند اور بیوی کو ہُوا تھا۔ جن کا قصہ یہ ہے ۔

ایک صاحب ایک شخص کے یہاں بے وقت مہمان ہوئے اسنے انکو یوں عزیز رکھا جیساکہ گلے میں طوق ہوتاہے اور اسنے اُن کے سامنے کھانا رکھا۔ اور بھی اُن کی بہت کچھ خاطر کی۔ اتفاق سے اس روز ان کے محلہ میں کوئی محفل شادی تھی اور عورت کو وہاں جانا تھا اسلیے اس مرد نے اپنی عورت سے چُپکے سے کہا کہ آج دو بستر بچھا دینا اور ہمارا بسترہ دروازہ کی طرف کرنا اور مہمان کا بستر دوسری طرف رکھنا۔ عورت نے کہا بہت اچھا! میں ایسا ہی کرونگی۔ بنا بریں اسنے دو بستر بچھا دیئے اور عورت تقریب میں چلی گئی ـــــ اب وہ شوہر اور مہمان رہ گئے انہوں نے اپنے سامنے کچھ کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیں اور کھاتے رہے اور آدھی رات تک اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہے ۔ اس حالت میں مہمان کو نیند آگئی اور وہ گفت گو کو ختم کرکے اس بستر پر آلیٹا جوکہ دروازہ کی طرف تھا۔ میزبان کو یہ کہتے ہوئے شرم آئی کہ یہ بستر میرا ہے آپ دوسرے بستر پر تشریف رکھئے اسلئے وہ خاموش ہورہا۔ اب وہ قرارداد جو عورت اور مرد کے درمیان ہوچکی تھی بدل گئی اور جو جانب شوہر کے لیے تجویز ہوئی تھی اس طرف مہمان سورہا۔ اتفاق سے اس رات کو بارش بکثرت ہوئی اور یہ حالت تھی کہ اَبر کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ خیر عورت بدیں خیال کہ شوہر دروازہ کی طرف سورہا ہے اور مہمان دوسری جانب۔ ننگی ہوکر لحاف میں آداخل ہوئی اور مہمان کے چٹاچٹ بوسے لینے لگی اور یہ کہاکہ دیکھو جس بات کا مجھے کھٹکا تھا وہ ہوکر رہا یعنی اَبر اور بارش نے مہمان کو روک لیا اور وہ شاہی ٹیکس کی طرح تم پر وبال ہوگیا۔ بھلا اس گارے پانی میں وہ کیونکر جاوے گا اسلئے تجھ ہی پر ڈنڈ ہوگا یہ سُنتے ہی مہمان اُٹھ بیٹھا اور کہاکہ بی بی مجھے چھوڑ! میرے پاس جوتا ہے۔ مجھے گارے کی پرواہ نہیں ہے۔ اچھا لو! میں جاتا ہوں اور تم کو خیرباد کہتا ہوں اور یہ ناگواری جو سفر میں مجھے پیش آئی ہے میں اسکو غنیمت سمجھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ خدا کرے سفر میں

آدمی کو راحت نہ ملے ۔ تاکہ وہ جلد اپنے وطن کی طرف لوٹ جائے کیونکہ سفر میں خوشی راہزن ہو جاتی ہے اور وطن کا خیال بُھلا دیتی ہے ۔

(فائدہ: اس میں اشارہ ہے اِس طرف کہ طالب آخرت کے لیے تنعم دنیاوی سخت خطرہ کی چیز ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہے اس کا کہ وہ دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو جائے) اور اگر در سفر یکدم مباد اُرح شاد کو مولانا کا مضمون ارشادی کہا جائے تو پھر یہ اس مدعا میں نص ہو گا ۔ واللہ اعلم)

خیر جبکہ وہ چلنے لگا تو عورت کو اپنی بے مروّتی کی گفتگو پر سخت ندامت ہوئی اور اسکی بہت کہا کہ میں نے تو محض خوش طبعی سے مذاق میں یہ بات کہی تھی آپ اس پر گرفت نہ کیجئے مگر اسکی منت و خوشامد نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور وہ مہمان... رخصت ہو گیا اور ان کو حسرت میں چھوڑ گیا اس پر انہوں نے اسی غم میں ماتمی لباس پہن لیا کیونکہ انہوں نے اس کی صورت ایک شمع کی صورت میں دیکھی ۔ اور دیکھا کہ وہ جا رہا ہے اور اس کے نور سے تمام جنگل بہشت کی طرح جگمگا رہا ہے اور تاریکی کا اس میں نام نہیں ہے ۔ اب انہوں نے اس واقعہ سے مغموم اور شرمندہ ہو کر اپنے گھر کو مہمان خانہ بنا لیا ۔ اور جو مسافر آتا اسکو اپنے یہاں ٹھہراتے اور اس کی خوب خاطر کرتے ان کے دل میں اس مہمان کا خیال خفیہ خفیہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں خضر تھا اور چاہتا تھا کہ تم کو بہت کچھ دولت دوں گا لیکن کیا کیجئے کہ تمہاری قسمت میں نہ تھا ۔ پس تم اس واقعہ سے عبرت پکڑو اور سمجھو کہ ہر وقت خیال ایک گرامی قدر مہمان کی طرح تمہارے دل میں بھی ہر روز آتا ہے ۔

تم کو چاہیئے کہ اس خیال کو بمنزلہ آدمی کے سمجھو اور اس کی قدر کرو ۔ کیونکہ آدمی کی وقعت خیال ہی کی بنا پر ہوتی ہے پس جبکہ خیال کے سبب آدمی قابل رفعت ہے تو خود خیال بالاولیٰ قابل وقعت ہو گا ۔

یہ ضرور ہے کہ رنجدہ خیال تمہاری خوشی کو کھوتا ہے لیکن وہ تمہارے لیے خوشی کا

انتظام بھی کرتا ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کو تمہارے دل سے نکالتا اور فانیات کو تمہاری نظر میں محقر کر کے اور ان سے تمہاری توجہ کو ہٹا کر حق سبحانہٗ کی طرف پھیرتا ہے تاکہ حق سبحانہٗ کی جانب سے تم کو ایک نئی خوشی حاصل ہو جو اب تک کبھی نہ حاصل ہوئی تھی اور وہ شاخ دل سے خزاں رسیدہ تھی (خیالات بیہودہ) کو دور کرتا ہے تاکہ اس کی بجائے سبز پتے (اعلیٰ خیالات) پیدا ہوں اور وہ پرانی سرو (دنیاوی خوشی) کی جڑ اکھاڑتا ہے تاکہ اس کی جگہ ماورائے ناسوت سے ایک نیا سرو (خوشی دینی) آکر قائم ہو۔ اور وہ بری اور بوسیدہ جڑ کو اکھیڑتا ہے تاکہ وہ ایک ایسی جڑ کو ظاہر کرے جو ہنوز مخفی تھی۔ یعنی فساد عارضی کو دور کر کے صلاحیت اصلیہ کو ظاہر کرتا ہے اور بیس بہ قسم کہتا ہوں کہ غم دل سے جو چیز بھی کھوتا ہے اسکے عوض میں اس سے بہتر عطا کرتا ہے بالخصوص اس شخص کو جس کو امر مذکور متیقن ہو کیونکہ غم اہل یقین کا خادم ہوتا ہے اور ان کے لیے سامان راحت مہیا کیا کرتا ہے۔

شاید غم کی ترشروئی سے کسی کو خیال ہو کہ وہ سامان راحت و خوشی کیونکر مہیا مہیا کرتا ہے۔

اسلئے ہم اس مضمون کو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ابر اور برق ترشروئی نہ دکھلائیں تو آفتاب کی چمک کی تبسم سے انگور جل کر بھسم ہو جائے پس انگور کی سرسبزی اور شادابی کا مدار ابر و برق ترشرو ہوئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ ہر ترش رُو مُضر نہیں ہے اور وہ استبعاد جاتا رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اچھے اور برے ہر طرح کے خیالات تمہارے دل میں آتے ہیں اور ستاروں کی طرح گھر گھر پھرتے ہیں۔ پس جس وقت وہ تمہارے برج قلب میں آئیں تو تم ان کے لیے طالع کی طرح شیریں اور چست ہونا چاہیئے تاکہ جب وہ ماہِ حقیقی یعنی حق سبحانہٗ سے ملاقی ہوں تو وہ اس مالک اور بادشاہ دل سے تمہاری تعریف کریں۔ [فائدہ: باش ہمچوں طالعش شیریں وچست کی۔ تفصیل یہ ہے کہ اہل نجوم نے بارہ برجوں کو کواکب سبعہ پر یوں تقسیم کیا ہے کہ چاند

اور سورج کو ایک ایک برج دیا ہے اور باقی پانچ کو دو دو۔ اور کہا ہے کہ ہر ستارہ کو اپنے گھر میں قوت حاصل ہوتی ہے اسلئے اس کا گھر اسکے موافق ہوگا۔

پس تم کو چاہیئے کہ تم بھی خیالات کے موافق رہو۔ واللہ اعلم دیکھو! ایوب علیہ السلام ساٹھ برس تک صبر اور رضا کے ساتھ مصیبت کی حالت میں مہمان خداوندی یعنی رنج وغم سے خوش رہے تاکہ جب وہ شدید مصیبت واپس ہو۔ تو حق سبحانہ، سے ان کی بہت کچھ تعریف کرے اور کہے کہ اپنی محبت کے سبب انہوں نے مجھ محبوب کش سے ایک دم کے لیے بھی منہ نہیں چڑھایا ۔ پس وہ اپنی وفاداری اور ناخوشی حکم خدا سے شرمندگی کے سبب ساٹھ برس تک مصیبت کے ساتھ یوں ملے جلے رہے جیسے دودھ اور شہد۔ پس تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خیالات دل میں نئے نئے آتے رہتے ہیں۔ پس تم کو ان کے ساتھ ہنسی خوشی جانا چاہیئے اور یہ دعا کرنی چاہیئے کہ الٰہی جو کچھ اس کی آمد میں میرے لیے برائی ہو تو مجھے اس سے بچانا اور جو کچھ اس میں بھلائی ہو اس سے مجھے کامیاب کرنا اور اے اللہ تو مجھے توفیق عطا کرنا کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جس کو میں دیکھ رہا ہوں یعنی عطائے غم کا۔ اور اگر یہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے تو اسکے پیچھے تو میرے لیے حسرت نہ چھوڑنا۔ یعنی تو صبر اور شکر عطا کرنا۔ تاکہ اسکے زوال کے بعد مجھے افسوس نہ ہو کہ میں نے اس وقت صبر اور شکر کیوں نہ کیا اور تم کو چاہیئے کہ اس ترش رو خیال کا لحاظ کرو۔ اور اس ترش رُو کو شیریں... سمجھو اور اس کے ترش روئی سے متوحش نہ ہو۔ کیونکہ اسکی مثال ابر کی سی ہے اور ابر اگر بظاہر ترش رُو ہوتا ہے تو اس میں ایک بڑی خوبی تھی وہ یہ کہ وہ گلشن پیدا کرنے والا اور شورہ کو فنا کرنے والا ہے پس تم غم کو ابر کی مانند سمجھو اور اس ترش رُو کے ساتھ ترش روئی نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اسکے اندر کوئی مخفی دولت ہو جس کا ملنا موقوف ہو صبر اور شکر پر۔ اور شکر و صبر کرنے

سے تم اسی محروم ہو جاؤ لہٰذا کوشش کرو کہ وہ تم سے راضی جائے اور وہ دولت تمہیں دیتا جائے اور اگر اس میں کوئی دولت مخفی نہ ہو تب بھی شکر مفید ہے کیونکہ اس سے تمہاری عادت درست ہو گی اور یہ تمہاری اچھی عادت تم کو اور جگہ.. فائدہ دیگی اور ایک نہ ایک دن تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ تمام غم خالی نہیں ہو سکتے لہٰذا کوئی غم ایسا بھی ہو گا جو دولت لئے ہوئے ہو گا اور تم حسبِ عادت اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو وہ تمہیں دولت دے جائے گا۔

نیز خیال غم سے ناخوش ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ جو تمہاری خوشی کو روکتا ہے تو از خود نہیں روکتا۔ بلکہ بحکم اور باقتضائے حکمتِ الٰہی روکتا ہے ایسی حالت میں اس سے ناخوش ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

الحاصل تم غم کو حقیر نہ سمجھو! کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کوئی نہایت با سعادت ستارہ ہو اور بہت بڑی دولت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور تم اس کی ناخوشی کے سبب اس سے محروم ہو جاؤ۔ یہ گفتگو تو تمہاری تسلی کے لیے ہے ورنہ ہم کو چاہیئے کہ اسکو مقصود اور وسیلۂ دولت نہ سمجھو۔ بلکہ خود اسی کو مقصود سمجھو۔ تاکہ تم ہمیشہ کامیاب ہو۔ کیونکہ جب خود غم ہی مقصود ہو گا اور وہ حاصل ہو گا تو کامیابی ظاہر ہے۔

اور اگر تم اسکو غیر مقصود اور مضر لذاتہٖ مفید لغیرہ سمجھو گے تو اس وقت تمکو اصل مقصود کا انتظار رہے گا۔ اور انتظار کا مزہ نہایت تلخ ہے اسلئے تم ابھی اس طرز عمل سے ہمیشہ موت کی مصیبت میں مبتلا رہو گے۔ پس تم کو چاہیئے کہ خود اسی کو اصل مقصود سمجھ کر بغل میں لو۔ اور اس طرح انتظار کی موت کی مانند تکلیف سے بچ جاؤ۔ ایسا کرنے سے تم کو تکلیف بھی نہ ہو گی اور منافع غم بھی حاصل ہو جائیں گے۔

نواختنِ سلطان محمود ایاز را

سلطان محمود کا ایاز کو نوازنا

اے ایازِ پُر نیازِ صدق کیش — صدقِ تو از بحر و از کوہ ست بیش

اے نیاز مند، سچائی کے طریقہ والے ایاز! — تیری سچائی سمندر اور پہاڑ سے زیادہ ہے

نے بوقتِ شہوتت باشد عثار — کہ رود عقلِ چو کوہت کاہ وار

نہ شہوت کے وقت تیرے لئے لغزش ہے — کہ تیری پہاڑ جیسی عقل تنکے کی طرح ہو جائے

نے بوقتِ خشم و کینہ صبر ہا[۲] — سست گردد در قرار و در ثبات

نہ غصہ اور کینہ کے وقت، تیرے صبر — ٹکاؤ اور جماؤ میں سست ہوتے ہیں

ہست مردی این نہ آں ریش و ذکر — ورنہ بودے میرِ میراں کیرِ خر

مردانگی یہی ہے، نہ وہ داڑھی اور شرمگاہ — ورنہ گدھے کی شرمگاہ سرداروں کی سردار ہوتی

حق کرا خواندست در قرآں رجال — کے بود ایں جسم را آں جا مجال

جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مرد کہا ہے — وہاں اِس جسم کی کہاں گنجائش ہے؟

روحِ حیواں را چہ قدر ست اے پسر — آخر از بازارِ قصاباں گذر

اے بیٹا! حیوانی روح کی کیا قدر ہے؟ — آخر قصائیوں کے بازار سے گذر

صد[۳] ہزاراں سر نہادہ بر شکم — ارزِ شاں از دنبہ و از دم کم

لاکھوں سر ہاں، پیٹ پر رکھی ہوئی ہیں — جن کی قیمت چکدی اور دُم سے سستی ہے

تا توانی بندۂ شہوت مشو — در پئے شہوت مکن دل را گرو

جب تک تجھ سے ہو سکے شہوت کا غلام نہ بن — شہوت کے پیچھے دل کو گروی نہ کر

ورنہ شہوت خانمانت بر کند — زندہ ات در گورِ تاریک افگند

ورنہ شہوت تیرا گھر بار اکھاڑ دے گی — تجھے زندہ، اندھیری قبر میں پھینک دے گی

روسپی باشد کہ از جولانِ کیر — عقلِ او موشے شود شہوت چو شیر

رنڈی ہوگی کہ (مردکی) شرمگاہ کی حرکت سے — اُس کی عقل چوہے جیسی اور شہوت شیر جیسی ہو جاتی ہے

وصیت[۴] پدر دختر را کہ خود را نگاہ دار تا حاملہ نشوی ازیں شوہر

باپ کی بیٹی کو نصیحت کہ اپنی حفاظت کر، تاکہ تو اِس شوہر سے حاملہ نہ ہو جائے

خواجہ بودست او را دخترے — زہرہ خدے مہ رخے سیمیں برے

ایک صاحب کے ایک لڑکی تھی — زہرہ جیسے رخسار والی، چاند جیسے چہرے والی، چاندی کے جسم والی

گشت بالغ داد دختر را بشو — شو نبود اندر کفایت کفوِ او

وہ بالغ ہو گئی اُس نے وہ شوہر کو دے دی — شوہر حیثیت میں اُس کا ہمسر نہ تھا

صدق کیش۔ وہ جس نے سچائی کو مذہب بنا لیا ہو۔ عثار۔ لغزش۔ کہ رود۔ یعنی پہاڑ جیسی عقل تنکے کی طرح ہو جائے۔

[۲] کے۔ عام طور پر انسان غصہ میں صبر و ثبات کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہست۔ اصل مردانگی یہی ہے کہ غصہ کے وقت انسان اپنے آپ پر قابو پالے۔ داڑھی اور آلہ تناسل پر مردانگی کا اطلاق نہیں ہے ورنہ گدھا سب سے بڑا مرد ہوتا۔ حق۔ اللہ تعالیٰ نے "رجال" ان لوگوں کو کہا ہے جن کی روح منتہی ہو چکی ہے اور روح سے مراد روحِ حیوانی نہیں ہے۔

[۳] صد ہزاراں۔ روحِ حیوانی کی ذلت کا منظر دیکھنا ہو تو قصائیوں کے بازار میں جا کر دیکھ لے۔ ارز۔ قیمت۔ شہوت۔ شہوت پرستی انسان کی بربادی کا باعث ہے اور انسان کو زندہ در گور کر دیتی ہے۔ روسپی۔ فاحشہ عورت شہوت میں اندھی ہو جاتی ہے۔

[۴] وصیت پدر۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی شہوت سے مغلوب ہو گئی تھی۔ سیمیں بر۔ چاندی جیسے جسم والی۔ کفو۔ ہمسر، ہم پلہ۔ باب والا۔ تحریف لساد۔ یعنی جوان لڑکی ہے کوئی خرابی نہ کر بیٹھے۔

خربزہ چوں دررسد شد آبناک
خربوزہ جب پک جاتا ہے رسیلا ہو جاتا ہے
گر نہ بشگافی تبہ گشت وہلاک
اگر تو اس کو نہ چیرے گا، تباہ اور برباد ہوجائیگا

چوں ضرورت بود دختر را بداد
چونکہ مجبوری تھی، لڑکی دے دی
او بنا کفوے ز تخویفِ فساد
اُس نے فساد کے ڈر سے غیر ہمسر کو

گفت[2] دختر را کزیں داماد تو
اُس نے لڑکی سے کہا کہ تو اس داماد سے
خویشتن پرہیز کن حامل مشو
اپنے آپ کو بچا، حاملہ نہ ہو

کز ضرورت بود عقدِ ایں گدا
اس لئے کہ اس فقیر سے شادی مجبوری سے تھی
ایں غریب خوار را نبود وفا
اس ذلیل، فقیر میں وفاداری نہ ہوگی

ناگہاں بجہد کند ترکِ ہمہ
اچانک بھاگ جائیگا، سب کو چھوڑ دے گا
بر تو طفلِ او بماند مظلمہ
اُس کا بچہ تیرے ذمہ پاداش بن جائے گا

گفت دختر اے پدر خدمت کنم
لڑکی نے کہا اے ابا! تعمیل کروں گی
ہست پندت دلپذیر و مغتنم
آپ کی نصیحت دل کو لگنے والی اور غنیمت ہے

ہر دو روزے ہر سہ روزے آں پدر
ہر دوسرے اور تیسرے دن وہ باپ
دخترِ خود را بفرمودے حذر
لڑکی کو بچنے کا حکم دیتا

ایں[3] چنیں قومے بعالم ہم بدند
دنیا میں ایسے لوگ بھی تھے
کز چنیں نوعے نصیحت گر شدند
کہ اس طرح کی نصیحت کرنیوالے ہوئے ہیں

حاملہ شد ناگہاں دختر ازو
اچانک لڑکی اُس سے حاملہ ہو گئی
چونکہ بد ہر دو جواں خاتون و شو
چونکہ شوہر اور بیوی دونوں جوان تھے

از پدر آں را نہاں میداشتش
اُس نے اُس کو باپ سے چھپائے رکھا
پنج ماہہ گشت کودک یا کہ شش
بچہ پانچ یا چھ مہینے کا ہوگیا

گشت پیدا گفت بابا چیست ایں
وہ ظاہر ہوگیا، بابا نے کہا یہ کیا ہے؟
من نہ گفتم کہ ازو دوری گزیں
میں نے تجھے نہیں کہا تھا اُس سے دوری اختیار کر

آں وصیتہائے من خود باد[4] بود
وہ میری نصیحتیں خود باد ہوائی ہوئیں
کہ نکرد ت پند و وعظم ہیچ سود
کیونکہ میرے وعظ اور نصیحت نے کوئی فائدہ نہ دیا

گفت بابا چوں کنم پرہیز من
اُس نے کہا ابا! میں کیسے بچتی؟
آتش و پنبہ است بیشک مرد و زن
مرد و عورت آگ اور روئی ہیں

پنبہ را پرہیز از آتش کجاست
روئی کو آگ سے کہاں بچاؤ ہے؟
یا در آتش کے حفاظ ست و تقاست
یا آگ میں نگہداشت اور بچاؤ کہاں ہے؟

---

[2] گفت۔ باپ نے اس لڑکی کو حاملہ نہ بننے کی ہدایت کی۔ عقد یعنی نکاح۔ بجہد یعنی چھوڑ کر بھاگ جائیگا۔ مظلمہ ظلم کی پاداش۔ حذر۔ بچاؤ۔

[3] ایں چنیں۔ مولانا کہتے ہیں کہ ایسے بیوقوف بھی دنیا میں ہیں جو اس طرح کی بیہودہ نصیحتیں کرتے ہیں۔ کودک۔ یعنی پیٹ کا بچہ۔

[4] باد۔ یعنی میری نصیحت ہوا تھی جو اڑ گئی۔ گفت۔ لڑکی نے باپ سے کہا پنبہ۔ اگر آگ اور روئی ایک جگہ ہو تو روئی کب بچاؤ کر سکتی ہے۔ حفاظ۔ نگہداشت۔ تقا۔ بچاؤ۔

گفت کے گفتم کہ سوی او مرو
اُس نے کہا میں نے کب کہا تھا کہ تو اسکے پاس جا؟

تو پذیرای منیِ او مشو
(یہ کہا تھا)، تو اسکی منی کو قبول کرنے والی مت بن

درزمانِ حال وانزال وخوشی
کیفیت اور انزال اور لذت کے وقت

خویشتن باید کہ ازوے درکشی
چاہیئے (تھا) کہ اس سے اپنے آپ کو کھینچتی

گفت کے دانم کہ انزالش کیست
اُسنے کہا مجھے کب معلوم تھا، کہ اسکو انزال کب ہوگا؟

این نہانست وبغایت دور دست
یہ پوشیدہ اور انتہائی بعید ہے

گفت چوں چشمش کلاپیسہ شود
اُس نے کہا، جب اس کی آنکھیں چڑھیں

فہم کُن کاں وقتِ انزالش بُود
سمجھ لیتی کہ اس کے انزال کا وقت ہے

گفت تا چشمش کلاپیسہ شُدن
اُس نے کہا، اُس کی آنکھیں چڑھنے تک

کور میگردد ز شہوت چشمِ من
شہوت سے میری آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں

نیست ہر عقلِ حقیرے پائدار
ہر حقیر عقل، مضبوط نہیں ہے

وقتِ حرص ووقتِ جنگ وکارزار
حرص کے وقت اور جنگ وکارزار کے وقت

گفت۔ مادہ نے کہا کہ میں نے شوہر کے پاس جانے کو منع نہیں کیا تھا بلکہ یعنی انزال کے وقت اپنے آپ کو علیحدہ کرلینے کو کہا تھا۔
۵ گفت۔ لڑکی نے کہا مجھے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کو انزال کس وقت ہو رہا ہے۔ دور دست۔ وہ مقام جہاں پہنچنا مشکل ہے۔ کلاپیسہ۔ آنکھوں کا چڑھ جانا کہ پتلی نظر نہ آئے۔ گفت۔ لڑکی نے کہا اس وقت تو میں خود شہوت سے اندھی ہوتی تھی۔ وقت حرص۔ لالچ اور جنگ میں بہت کم عقلیں قائم رہتی ہیں۔

شرح

اب ہم پھر قصہ ایاز کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمود نے کہا کہ اے منکسر المزاج اور مخلص ایاز تیرا صدق نہ سمندر میں سما سکتا ہے اور نہ لوٹے میں اور نہ تجھے شہوت کے وقت لغزش ہوتی ہے جیسے کہ تیرے کوہ کی مانند غیر متزلزل عقل کاہ کی طرح اڑ جائے اور نہ غصہ اور کینہ کے وقت۔ تیرے صبر دن کے ثبات اور قرار میں خلل آتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! مردانگی اس کا نام ہے کہ آدمی نہ شہوت سے مغلوب ہو اور نہ غصہ اور عداوت سے اور مردی اس کا نام نہیں ہے۔ کہ کسی کے عضو تناسل ہو یا ڈاڑھی ہو کیونکہ اگر عضو تناسل پر مردی کا مدار ہوتا تو گدھے کا عضو تناسل کو امیر الامراء ہونا چاہیئے تھا۔ اسلئے کہ جب عضو تناسل میں یہ... خاصیت ہے کہ وہ دوسروں کو عزت اور شرف بخشتا ہے تو خود اسکو بالاولےٰ معظم اور مکرم ہونا چاہیئے اور جبکہ عضو تناسل خود مکرم اور معظم ہوا۔ تو لازم ہے کہ اُن

لوگوں سے زیادہ معظم ہو جن کو اسکی جہت سے شرف حاصل ہوا ہے اور جبکہ وہ اوروں سے زیادہ معظم ہوا تو اسکے افراد میں جو سب سے بڑا ہو گا وہ اپنے سے چھوٹوں سے ضرور معظم تر ہو گا۔ و ہو ذکر الحمار فثبت انہ امیر الامراء و اعظم الاعاظم اللازم باطل۔ فالملزوم مثلہ۔ تم غور تو کرو کہ حق سبحانہٗ نے قرآن میں رجال کن کو کہا ہے۔ کیا اہلِ ذکر کو ہرگز نہیں۔ بلکہ جن کو ۔۔۔۔۔ رجال کہا ہے ان کو تو جسمیت سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ بلکہ وہ تو غلبۂ روحانیت سے سراسر روح ہیں۔ چنانچہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے۔

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو و الاصال ۵ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ ط یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب و الابصار۔

پس مرد وہ ہیں جن کو خدا مرد کہتا ہے کہ جن کے یہ صفات بیان کرتے ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع وغیرہ ذکر اللہ اور اقامت صلوٰۃ و اعطار زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی۔ اور وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔ اور جس کیلیے مالک شہوت و غضب ہونا لازم ہے نہ کہ اہلِ ریش و ذکر (یہ استدلال شعری ہے) تم غور تو کرو کہ روح حیوانی کی قدر و قیمت ہی کیا ہے جو مناط مردے ہو سکے اسکی حیثیت تو وہ ہے جو تم کو قصائیوں کے بازار میں معلوم ہو گی تم جاذا در دیکھو۔ کہ ہزاروں سر جانور مذبوح پڑے ہوں گے اور ان کے سر ان کے پیٹ پر رکھے ہوئے ہوں گے اور ان کی قدر و قیمت دنبہ اور دم سے بھی کم ہو گی۔ یہ حیثت ہے روح حیوانی کی تو وہ کیا خاک مناط مردی و عظمت و جلالت قدر ہو سکتی ہے پس تم کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے شہوت کے غلام نہ بنو اور شہوت میں دل کو نہ ۔۔۔ پھنساؤ۔ ورنہ یہ شہوت تمہارا خانہ خراب کردے گی۔ اور تم کو زندہ درگور کردیں گے کیونکہ اسکے تمہاری حیات روحانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اس طرح گویا کہ تم زندہ

درگور ہو جاؤ گے مردوں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ مغلوب شہوت ہو جائیں وہ تو رنڈی ہوتی ہے جو مغلوب شہوت ہوتی ہے اور ذکر کی آمد و شد سے اسکی عقل مغلوب اور شہوت غالب ہو جاتی ہے مردوں کا یہ کام نہیں ہے کہ شہوت سے مغلوب ہو جائیں۔

اچھا اب ہم تمہیں ایک واقعہ سُناتے ہیں جس سے تم کو شہوت کی قوت کی حالت معلوم ہو۔ اور تم اُس سے عبرت حاصل کر سکو۔ سُنو!

ایک شخص تھے جس کی ایک نہایت حسین لڑکی تھی وہ بالغ ہوگئی اور انہوں نے اس کی شادی کردی لیکن اتفاق سے اس کا خاوند دولت مند نہ تھا۔ بلکہ ایک غریب آدمی تھا۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ ایسے سے شادی کیوں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تربوز پک جاتا ہے اور پانی سے بھر جاتا ہے تو اگر اسے چیرا نہ جائے تو خراب ہو جاتا ہے یہی حالت لڑکی کی ہے کہ اگر وہ بالغ ہو جائے اور اسکی شادی نہ کی جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں بگڑ نہ جائے اسلئے شادی کی ضرورت تھی اور چونکہ ضرورت تھی اور کوئی مناسب لڑکا ملا نہیں اسلیے مجبوراً اسکو غریب ہی کے پلہ باندھنا پڑا۔ تاکہ کوئی خرابی نہ ہو جائے لیکن اس نے لڑکی کو وصیت کردی کہ تو اس شوہر سے الگ رہنا اور حاملہ نہ ہونا کیونکہ اس مفلس سے یہ شادی بضرورت کردی گئی ہے۔

یہ بے چارہ ذلیل آدمی نباہ نہ سکے گا۔ بلکہ دفعتہً سب کو چھوڑ بیٹھے گا اور اس کا بچہ تیرے گلے پڑے گا۔ لڑکی نے کہا بہت خوب! میں ایسا ہی کروں گی کیونکہ آپ کی نصیحت جی لگتی اور قابلِ قدر ہے خیر لڑکی رخصت ہوگئی اور شوہر کے ساتھ رہنے سہنے لگی۔ باپ کا یہ معمول تھا کہ ہر دوسرے تیسرے دن لڑکی کو احتراز کی ہدایت کردیتا تھا۔

اب مولانا تعجب سے فرماتے ہیں کہ اے اللہ! کہ دنیا میں ایسے احمق لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس قسم کے ناممکن العمل نصیحت کیا کرتے تھے۔ خیر اتفاقاً اس کو اس شخص کا

حمل رہ گیا۔ کیونکہ دونوں جوان تھے۔ خاوند بھی اور بیوی بھی۔ ایسی حالت میں حمل رہ جانا کونسی بڑی بات ہے لیکن وہ لڑکی اسکو باپ سے چھپاتی تھی۔ اسی عرصہ میں وہ حمل پانچ چھ مہینہ کا ہوگیا اور معاملہ کھل گیا۔ اس پر باپ نے کہا کہ بیٹی یہ کیا بات ہے کیا میں نے تجھے نہ روکا تھا۔ کہ تو اس سے الگ رہنا۔ میری وصیتیں تمام بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ انہوں نے تجھ پر کچھ اثر نہ کیا۔ اب لڑکی نے کہا کہ ابا جان۔ آخر میں بچ کیونکر سکتی ہوں۔ عورت اور مرد کا تو آگ اور روئی کا میل ہے بھلا روئی آگ سے کہیں بچ سکتی ہے یا وہ آگ میں پڑ کر جلنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ باپ نے کہا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ تو اسکے پاس نہ جانا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ اس کی منی کو قبول نہ کرنا اور تجھے چاہیئے کہ جب اسے انزال ہونے لگے تو تو الگ ہو جائے اس پر اس نے کہا کہ میں یہ کیسے سمجھ سکتی ہوں کہ اسے کب انزال ہوگا۔ یہ تو ایک مخفی امر اور میری آنکھوں سے نہایت دور ہے اسنے کہا کہ جب اس کی آنکھوں میں تغیر آجائے اور آنکھیں چڑھ جائیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اسے انزال ہوگا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ جب تک اسکی یہ حالت ہو۔ میری آنکھیں پہلے شہوت سے اندھی ہو جاتی ہیں۔ پھر میں کیسے معلوم کر سکتی ہوں

یہ واقعہ تھا اس سے تم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہر معمولی عقل کا کام نہیں ہے کہ وہ جنگ اور شہوت کے وقت قائم رہ سکے۔ اس سے تم کو شہوت کی برائی معلوم ہوگئی ہوگی پس تم کو اس سے نہایت احتراز چاہیئے۔ شہوت کے وقت عقل کے قائم نہ رہنے کا بیان تو سن چکے۔ اب جنگ کے وقت اس کے قائم نہ رہنے کا بیان سنو۔

وصفِ ضعفِ دلی و سستیِ صوفیِ سایہ پروردہ مجاہدہ ناکردہ، درد و داغِ عشق ناچشیدہ، بسجدہ و دست بوسِ عام و بحرمت نظر کردن و بانگشت نمودنِ ایشاں کہ

اُس صوفی کے دل کی کمزوری اور سستی کا بیان جو سائے میں پلا تھا، مجاہدہ نہ کئے ہوئے تھا، عشق کا درد اور داغ نہ چکھے ہوئے تھا، سجدے اور عوام کی دست بوسی اور احترام سے دیکھنے، اور اُن کی اُنگلی اُٹھانے سے

امروز در زمانہ صوفی اوست غرّہ شدہ و بوہم بیمار شد چوں [۱]

کہ آجکل دنیا میں وہی صوفی ہے، وہ دھوکے میں آگیا تھا اور وہم کی بیماری میں مبتلا ہوگیا تھا

آں معلّم کہ کودکاں گفتند کہ رنجوری، و بایں وہم کہ من مجاہدم

اُس اُستاد کی طرح جس کو بچوں نے کہا تھا کہ آپ بیمار ہیں اور اس وہم سے کہ میں مجاہد ہوں

مرا دریں راہ پہلوان میدانند با غازیاں بغزا رفتہ کہ بظاہر

لوگ مجھے اس راہ کا پہلوان سمجھتے ہیں، غازیوں کے ساتھ جہاد میں چلا گیا کہ میں ظاہری

نیز بنمایم جہاد، کہ در جہادِ اکبر مستثنیٰ اَم جہادِ اصغر خود پیشِ

جہاد بھی کروں گا، کیونکہ میں بڑے جہاد میں ممتاز ہوں، چھوٹا جہاد میرے سامنے کیا

من چہ محل دارد، خیالِ شیر در دیدہ و دلیریہا کردہ و مست

وقعت رکھتا ہے؟ اور شیر ہونے اور بہادریوں کا نقشہ آنکھ میں جما کر اور ان

ایں دلیریہا شدہ و روی بہ بیشہ نہادہ بقصدِ شیر و

بہادریوں میں مست ہوکر اور شیر کے ارادے سے جنگل کا رخ کیا اور

شیر بزبانِ حال گفتہ کہ کلّا سوف تعلمون ثمّ [۲]

شیر نے زبانِ حال سے کہا کہ ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے پھر

کلّا سوف تعلمون

ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے

رفت یک صوفی بہ لشکر در غزا ۔۔۔ ناگہاں آمد قطاریق و وغا

ایک صوفی جہاد میں لشکر کے ساتھ چلا گیا ۔۔۔ اچانک جنگ کا شور و غوغا اٹھا اور جنگ شروع ہوگئی

ماند صوفی با بنہ و خیمہ و ضعاف ۔۔۔ فارساں راندند تا صفِ مصاف

صوفی سامان اور خیمہ اور کمزوروں کے ساتھ رہ گیا ۔۔۔ شہسواروں نے میدانِ جنگ کی صف کی طرف گھوڑے دوڑا دیئے

مثقلانِ خاک برجا ماندند ۔۔۔ سابقون السابقون در راندند

مٹی کے بوجھل، (اپنی) جگہ پر رہ گئے ۔۔۔ سبقت کرنے والے پیش قدم آگے دوڑ گئے

---

[۱] وصف۔ بیان۔ صوفی صاحب کے قصہ سے یہ بتایا ہے کہ جنگ کے وقت اُن کی عقل بیکار ہوگئی تھی۔ یہ صوفی صاحب خانقاہ کے سایہ میں پلے تھے مجاہدے کی مشقتیں نہ اُٹھائی تھیں عوام کی دست بوسی سے اپنے آپ کو کامل انسان سمجھ بیٹھے تھے۔ انگشت۔ مشہور آدمی کی طرف لوگ انگلیوں سے اشارے کرتے

[۱] چوں معلّم۔ پہلے مولانا نے قصہ سنایا تھا کہ مکتب کے بچوں نے اُستاد کو بلاوجہ بیمار بنا دیا تھا۔ جہادِ اکبر یعنی نفس کے ساتھ جہاد۔ مستثنیٰ۔ ممتاز۔ جہادِ اصغر کافروں سے جہاد کرنا۔

[۲] کلّا سوف۔ قرآن نے کافروں کے غلط خیالات کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ عنقریب حقیقتِ حال سامنے آجائے گی۔ غزا۔ جہاد۔ قطاریق۔ جنگ کا شور و غل۔ وغا۔ جنگ۔ بنہ۔ سامان۔ مصاف۔ صف کی جگہ میدانِ جنگ۔ مثقل۔ سست، بوجھل۔

جنگہا[۵۰] کردہ مظفر آمدند — بازگشتہ با غنائم سودمند
جنگ کرکے کامیاب واپس آگئے — مالدار ہوکر غنیمتوں کے ساتھ لوٹ آئے

ارمغاں دادند کاے صوفی تو نیز — اُو بروں انداخت نستد ہیچ چیز
اُنھوں نے تحفہ دیا کہ اے صوفی تو بھی (لے) — اس نے باہر پھینک دیا، کوئی چیز نہ لی

پس بگفتندش کہ خشمینی[۵۱] چرا — گفت من محروم ماندم از غزا
پھر اُنھوں نے کہا کہ تو غصہ میں کیوں ہے؟ — اس نے کہا، میں جہاد سے محروم رہ گیا

زاں تلطف ہیچ صوفی خوش نشد — کو میانِ غزو خنجر کش نشد
اس مہربانی سے صوفی کچھ بھی خوش نہ ہوا — کیونکہ وہ جہاد میں خنجر چلانے والا نہ بنا

پس بگفتندش کہ آوردیم اسیر — آں یکے را بہرِ کشتن تو بگیر
تو اُنھوں نے اس سے کہا، ہم قیدی لائے ہیں — اس ایک کو تو قتل کرنے کے لئے لے لے

سر ببرش تا تو ہم غازی شوی — اندکے خوش گشت صوفی دل قوی
اس کا سر قلم کردے تاکہ تو بھی غازی بن جائے — صوفی تھوڑا خوش ہوا اور مضبوط دل بن گیا

کآب را گر در وضو صد روشنی ست — چونکہ آں نبود تیمم کردنیست
کہ اگرچہ وضو میں پانی کے سیکڑوں نور ہیں — جب وہ نہ ہو تو تیمم کرنا ہی ہے

برد صوفی آں اسیرِ بستہ را — در پسِ خرگہ کہ آرد او غزا
اس بندھے ہوئے قیدی کو صوفی لے گیا — خیمہ کے پیچھے، کہ وہ جہاد کرے

دیر ماند[۵۲] آں صوفی آنجا با اسیر — قوم گفتند اے عجب چوں مُند فقیر
صوفی قیدی کے ساتھ وہاں بہت دیر رہا — لوگوں نے کہا تعجب ہے، صوفی کو کیا ہوا

کافرِ بستہ دو دست او کشتنی ست — بسملش را موجبِ تاخیر چیست
دونوں ہاتھ بندھا کافر، قتل ہوجانے والا ہے — اس کے ذبح کرنے میں تاخیر کا کیا سبب ہے

رفت آں یک در تفحص در پیش — دید کافر را ببالای ویش
جستجو میں، ایک اس کے پیچھے چلا — اس نے کافر کو اس کے اوپر دیکھا

ہمچو نر بالای مادہ آں اسیر — ہمچو شیرے خفتہ بالای فقیر
وہ قیدی، مادہ پر نر کی طرح تھا — وہ فقیر پر شیر کی طرح پڑا تھا

دستہا[۵۳] بستہ ہمی خائید او — از سرِ استیزہ صوفی را گلو
ہاتھ بندھے ہوئے، وہ چبا رہا تھا — صوفی کا گلا، کینہ وری کی وجہ سے

گبر میخائید با دنداں گلوش — صوفی افتادہ بزیر و رفتہ ہوش
کافر دانتوں سے اس کا گلا چبا رہا تھا — صوفی نیچے پڑا تھا اور ہوش اڑ گئے تھے

دست بستہ گبر ہمچوں گربۂ — خستہ کردہ حلقِ او بے حربۂ
ہاتھ بندھے ہوئے کافر نے، بلی کی طرح — بغیر نیزے کے اس کے گلے کو زخمی کردیا

---

۵۰ جنگہا۔ مجاہد جہاد میں کامیاب ہوکر مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ ارمغان۔ یعنی مالِ غنیمت میں سے تحفہ۔

۵۱ خشمینی۔ تو غصہ میں کیوں ہے۔ تلطف۔ مہربانی۔ اسیر۔ قیدی۔ غازی۔ یعنی اس قیدی کا سر قلم کرکے غازی بن جا۔ کاب۔ صوفی نے کہا وضو ممکن نہ ہو تو تیمم سے کام چل جاتا ہے، اصل جہاد تو میدانِ جنگ میں تھا یہ بھی مجبوری کا جہاد ہے۔ خرگہ۔ خیمہ۔

۵۲ دیر ماند۔ صوفی کی واپسی میں دیر ہوئی تو لوگ حیران ہوئے۔ کافر۔ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کو قتل کرنے میں اس قدر دیر کا کیا کام ہے۔ تفحص۔ جستجو۔

۵۳ دستہابست۔ وہ دونوں ہاتھ بندھا ہوا کافر صوفی کے گلے کو دانتوں سے چبا رہا ہے۔ گبر۔ اس کافر نے اس صوفی کا گلا اس قدر چبایا کہ صوفی بیہوش ہوگیا۔ حربہ۔ نیزہ۔

نیم کُشتش[1] کرد با دنداں اسیر — ریشِ اُو پُرخوں زحلقِ آں فقیر
قیدی نے دانتوں سے اُس کو آدھ موا کر دیا — اُس فقیر کے حلق کے خون سے اُسکی داڑھی بھری ہوئی

ہمچو تُو کز دستِ نفسِ بستہ دست — ہمچو آں صُوفی فتادستی بہ پست
تیری طرح، کہ ہاتھ بندھے نفس سے — اُس صوفی کی طرح نیچے گرا پڑا ہے

اے شُدہ عاجز زتلِ کیشِ تُو — صد ہزاراں کوہہا در پیشِ تُو
اے وہ کہ تو اپنے مذہب کے ٹیلے سے عاجز ہے — تیرے سامنے لاکھوں پہاڑ ہیں

زینقدر خرپشتہ مُردی از شکوہ — چوں رَوی بر عَقبہائے ہمچو کوہ
تو مُر رہے، اِس قدر ڈھلوان ٹیلے سے مرگیا — تو پہاڑ جیسی گھاٹیوں پر کیسے گذرے گا؟

غازیاں کُشتند کافر را بہ تیغ — ہم دراں ساعت زحمیت بیدریغ
غازیوں نے کافر کو تلوار سے مار ڈالا — بے دریغ اُسی وقت غصہ سے

بر رُخِ صُوفی زدند آب و گلاب — تا بہوش آید زبیہوشی و خواب
صوفی کے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکا — تاکہ وہ بیہوشی، اور غفلت سے ہوش میں آجائے

چوں[2] بخویش آمد بدید آں قوم را — پس بپرسیدند چوں بُد ماجرا
وہ جب ہوش میں آیا، اُس نے قوم کو دیکھا — تو اُنھوں نے پوچھا کیا قصہ ہوا؟

اللہ اللہ اینچہ حالست اے عزیز — اینچنیں بیہوش گشتی از چہ چیز
اللہ اللہ اے پیارے! یہ کیا حال ہے؟ — تو کس چیز سے ایسا بے ہوش ہوگیا؟

از اسیرِ نیم کُشتہ بستہ دست — اینچنیں بیہوش اُفتادی و پست
ادھ موئے، ہاتھ بندھے، قیدی سے — اس طرح بے ہوش اور پست ہوکر گر پڑا

گفت چوں قصدِ سرش کردم بخشم — طُرفہ در من بنگریداں شوخ چشم
اُسنے کہا جب میں نے غصہ سے اُسکے سر کا ارادہ کیا — اُس بے حیا نے مجھے عجیب طرح پر گھورا

چشم را وا کرد پہن اُو سوئے من — چشم گردانید و شُد ہوشم زتن
اُس نے میری جانب آنکھیں پھاڑیں — آنکھوں کو گھمایا اور میرے ہوش بدن سے اُڑگئے

گردشِ[3] چشمش مرا لشکر نمود — می ندانم گفت چوں پُرہول بُود
اُس کی آنکھوں کا گھومنا مجھے لشکر نظر آیا — میں بتا نہیں سکتا کہ کس قدر خوفناک تھیں

قصہ کوتہ کُن کزاں چشم اینچنیں — رفتم از خود اُوفتادم بر زمیں
قصہ مختصر کر، کہ اُن آنکھوں سے میں ایسا — بے ہوش ہوا، زمین پر گر پڑا

فتنہ کوتہ کُن کزاں غمزہ گراں — رفتم از خود اوفتادم من دراں
فتنہ کو مختصر کر، کہ اُس کی تیکھی نظروں سے — میں بے ہوش ہوگیا، میں اس میں گر پڑا

---

[1] نیم کُشتش۔ اُس کافر نے صوفی کو نیم مُردہ بنا دیا اور اُس کی داڑھی اُس صوفی کے خون میں لتھڑ گئی۔ ہمچو تو۔ اُس صوفی کا ہاتھ بندھے کافر سے جو حال ہوا وہی نفس کے ہاتھوں تیرا حال ہے۔ تل۔ ٹیلہ۔ خرپشتہ۔ وہ ٹیلہ جس کے کنارے ڈھلواں ہوں۔ عقبہ۔ پہاڑ کی گھاٹی۔ حمیت۔ عار کی وجہ سے غصہ کرنا۔

[2] چوں۔ جب صوفی کو ہوش آیا تو اُس سے بیہوش ہونے کا قصہ پوچھا کہ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے نیچے پڑے ہوئے بے ہوش کیوں ہوئے۔ طُرفہ۔ اُس کافر نے عجب طرح پر گھور کر دیکھا بڑی بڑی آنکھیں نکالیں اور اُن کو گھمایا تو میں بے ہوش ہوگیا۔

[3] گردش۔ اُس کے آنکھیں چلانے سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی لشکر آگیا ہے میں اُس کی خوفناکی کا بیان نہیں کرسکتا ہوں۔

نصیحت کردنِ مبارزان اُو را کہ بایں دل و زہرہ کر تو داری

اُس کو جنگ جوؤں کا نصیحت کرنا کہ اس دل اور پتّے کے ساتھ جو کہ تو رکھتا ہے،

از کلاپیسہ شدنِ چشمِ کافرِ اسیر دست بستہ بیہوش و دشنہ

ہاتھ بندھے ہوئے قیدی، کافر کی پُتلیاں چڑھنے سے بے ہوش ہو گیا اور تیشہ

از دست بیفگندی زینہار زینہار کہ ملازمِ مطبخِ خانقاہ

ہاتھ سے گرا دیا، خبردار، خبردار، کہ خانقاہ کے مطبخ میں بیٹھا رہ

باش و سوئے پیکار مرو تا رسوا نشوی

اور جنگ کی طرف نہ جا تاکہ رُسوا نہ ہو

قوم گفتندش بہ پیکار و نبرد
لوگوں نے اُس سے کہا لڑائی اور جنگ میں

با چنیں زہرہ کہ تو داری مگرد
اس پتّے سے جو تو رکھتا ہے، نہ جا

گِردِ مطبخ گرد و اندر خانقاہ
مطبخ اور خانقاہ کے اندر چکر کاٹ

تا دگر رسوا نگردی در سپاہ
تاکہ لشکر میں دوبارہ رُسوا نہ ہو

چوں ز چشمِ آں اسیرِ بستہ دست
جب اُس ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کی آنکھوں سے

غرقہ گشتی کشتیِ تو در شکست
تو ڈوب گیا، تیری کشتی ٹوٹ گئی

پس میانِ حملۂ شیرانِ نر
تو نر شیروں کے حملہ کے دوران

کہ بُود با تیغِ شاں چوں گوی سر
جن کی تلواروں کے سامنے سر گیند کی طرح ہیں

کہ ز طاقا طاقِ گردن ہا زدن
کہ اُن کے گردن کاٹنے کی تڑاخ پڑاخ سے

طاق طاقِ جامہ کوباں ممتہن
دھوبیوں کی چھوا چھو کمتر ہے

کہ ز فشا فاشِ تیرِ جاں ستاں
کہ مار ڈالنے والے تیروں کے زناٹے سے

ابرِ آذاری خجل در امتحاں
موسم بہار کا ابر آزمائش میں شرمندہ ہے

کے توانی کرد در خوں آشنا
تو خون میں کیسے تیراکی کر سکے گا؟

چوں نہ با جنگِ مرداں آشنا
جبکہ تو بہادروں کی جنگ سے آشنا نہیں ہے

بس تنِ بے سر کہ دارد اضطراب
بہت سے بے سر کے دھڑ تڑپتے ہیں

بس سرِ بے تن بخوں بر چوں حباب
بہت سے بے دھڑ کے سر خون پر حبابوں کی طرح ہیں

زیرِ دست و پائے اسپاں در غزا
جہاد میں گھوڑوں کے ہاتھ پاؤں کے نیچے

صد فنا کُن غرقہ گشتہ در فنا
سینکڑوں قاتل، فنا میں غرق ہیں

ایں چنیں ہوشے کہ از موشے پرید
ایسا ہوش، جو چوہے سے اُڑا

اندراں صف تیغ چوں خواہد کشید
اُس صف میں تو تلوار کیسے سونت سکے گا؟

چالش ست ایں خمر خوردن نیست ایں
یہ جنگی تگ و دو ہے، یہ شراب نوشی نہیں ہے

تا تو بر مالی بخوردن آستیں
تاکہ تو پینے کے لئے آستین چڑھائے

لہ غمزہ۔ آنکھ کا اشارہ۔ زہرہ۔ پتّہ۔ کلاپیسہ شدنِ چشم۔ آنکھوں کی پُتلیاں چڑھنا۔ گِردِ مطبخ۔ خانقاہ کے مطبخ کے چکر لگایا کرتا کہ پھر شرمندہ نہ ہو۔ کہ بود۔ جو ایسے بہادر ہیں۔ ان کی تلوار کے سامنے دھڑ کے سر بچّے کی گیند کی طرح ہیں۔

ٹلہ طاقا طاق۔ تلواروں کی آواز۔ طاق طاق۔ دھوبی کے کپڑوں کو پٹڑے پر پٹخنے کی آواز۔ فشا فاش۔ تیروں کے چلنے کی آواز۔ خجل۔ شرمندہ۔

ٹلہ آشنا۔ پہلے مصرع کے آخر میں بمعنی تیرنا اور دوسرے مصرع میں بمعنی واقف ہے۔ بس۔ بہت سے دھڑ بغیر جسم کے ہیں اور کچھ سر بغیر دھڑ کے ہیں۔ حباب۔ بلبلہ۔

نیست حمزہ خوردن اینجا تیغ بیں | حمزہ باید دریں صفِ آہنیں
یہ جگہ ترو تیزک کھانا نہیں ہے، تلوار دیکھ | اس صف میں لوہے جیسا (حضرت) حمزہؓ درکار ہے

نیست لوتِ چرب تیغ و خنجر ست | جاں ببایدباختن چہ جایِ سرست
لذیذ کھانا نہیں ہے، تلوار اور خنجر ہے | سر کا کیا ہے؟ جان کی بازی لگانی چاہیے

کارِ ہر نازک دلے نبود قتال | کہ گریزد از خیالے چوں خیال
ہر نازک دل کا کام، جنگ کرنا نہیں ہے | جو ایک وہم سے خیال کی طرح بھاگ جائے

کارِ ترکان ست نے ترکاں برو | جایِ ترکاں ہست خانہ خانہ شو
بہادروں کا کام ہے، تو تو کا نہیں ہے، جا | تو تو کی جگہ گھر ہے، گھر میں جا بیٹھ

قصہ کوتہ کن کزاں چشمِ ہمچنیں | رفتی از دست وفتادی بر زمیں
قصہ مختصر کر، کہ اُن آنکھوں سے اس طرح | تو بے قابو ہوگیا، اور زمین پر گر پڑا

لہ غزا۔ جہاد۔ فناکن۔ فنا کر دینے والا۔ چاش۔ رفتار یعنی جنگی رفتار۔ بر تاں آستین۔ تو آستین چڑھائے حمزہ۔ مصرع اوّل بمعنی تارا میرا کا پتہ دوسری مصرع میں آنحضورؐ کے چچا کا نام ہے جن کی بہادری مشہور ہے۔

شرح

ایک صوفی لشکر کے ہمراہ جہاد میں گئے وہاں دفعتاً شورِ جنگ برپا ہوگیا اور لڑائی ٹھن گئی۔ بس یہ صوفی تو اسباب اور خیموں اور عورتوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے رہ گئے اور شہسوار صفِ جنگ میں شریک ہوگئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت جہادِ باطنی کی ہے کہ اس میں بھی جو لوگ غلبہ خاک سے گراں بار تھے پیچھے رہ گئے اور آگے بڑھنے والے تیز دوڑ گئے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب تم اصل قصہ سُنو!

لوگ جہاد کر کے فتح حاصل کئے ہوئے اور اموالِ غنیمت لئے ہوئے سود مند لوٹ آئے اور اس میں سے صوفی کو بھی تحفہ دیا اور کہا کہ آپ بھی لیجئے: اُس نے اسے پھینک دیا اور کچھ نہ لیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آپ ناخوش کیوں ہیں اُس نے کہا کہ میں ناخوش نہ ہوں کہ جہاد سے محروم رہ گیا۔ تم کو واضح ہو کہ کوئی صوفی جو کہ جہاد میں خنجر کش نہ ہوا ہو۔ ایسی عنایت سے خوش نہیں ہو سکتا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ ناخوش نہ ہوں ہم ایک قیدی لائے ہیں آپ اس قیدی کو مارنے کے لیے لے لیجئے اور اس کا سر کاٹیے تاکہ آپ بھی غازی ہو جائیں یہ سُنکر صوفی کسی قدر خوش ہوا اور اس کی دل شکنی کم ہوئی کیونکہ اُس نے اپنے دل میں

کہا کہ گو وضو کے باب میں پانی نہایت خوب ہے لیکن جب پانی نہ ہو تو ناچار تیمم کرنا ہوگا۔ اسی طرح گو صفِ جنگ میں شرکت نہایت اعلیٰ تھی مگر جبکہ وہ ناممکن ہے تو اب مجبوراً قتلِ اسیر ہی پر قناعت کرنی پڑے گی۔

یہ خیال کر کے وہ اپنی مشکیں کسی ہوئے قیدی کو خیمہ کے پیچھے اسلئے لے گیا کہ وہاں اس پر جہاد کرے۔ وہ لے تو گیا۔ مگر واپس نہ آیا اور بہت دیر ہوگئی لوگوں نے کہا کہ ارے صوفی کیا ہوا۔ کافر مشکیں کسا ہُوا اور واجب القتل تھا پھر اب تک اسنے اسے قتل کیوں نہیں کیا ــــ القصہ! جب یہ تحیُّر بڑھا تو ایک شخص تفتیش حال کے لیے گیا اُسنے وہاں جاکر دیکھا کہ کافر صوفی کے اوپر سوار ہے اور جس طرح کہ نر مادہ پر سوار ہوتا ہے یوں وہ قیدی شیر کی طرح صوفی پر پڑا ہے اور مشکیں کسی ہوئی ہونے کی حالت میں مخالفت سے صوفی کا گلہ چبا رہا ہے وہ کافر تو اس کا گلہ چبا رہا ہے اور صوفی بے ہوش نیچے پڑا ہُوا ہے اور مشکیں کسی ہوئی کافر نے بلی کی طرح بدوں کسی ہتھیار کے صوفی کو زخمی کر رکھا ہے اور اس قیدی نے دانتوں سے اسکو ادھ مُوا بنا دیا ہے اور صوفی کے حلق کے خون سے اسکی ڈاڑھی رنگی ہوئی ہے۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اُس صوفی کی ایسی ہی حالت تھی جیسے تیری کہ تو بھی مشکیں کسے ہوئے نفس کے ہاتھ سے اُس صوفی کی طرح مغلوب ہوکر نیچے پڑا ہُوا ہے۔

ارے تو ایک ٹیلے یعنی اپنے ظاہر مذہب سے عاجز ہوگیا ہے اور اسکی پابندی نہیں کرسکتا۔ ابھی تو تیرے سامنے لاکھوں پہاڑ یعنی دقائق مذہب ہیں پس جبکہ تو اتنے بڑے ٹیلے کے خوف سے مرگیا ہے۔ تو تو ان پہاڑ کی طرح دشوار گذار گھاٹیوں سے کیونکر عبور کریگا۔ مرد خدا اتنا کمزور نہ بن اور ہمت سے کام لے کر نفس کو مغلوب کر۔ اس کا مغلوب کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ

بہت کمزور ہے۔ مگر ہمت کی ضرورت ہے
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو کہ جب غازیوں نے صوفی کی یہ حالت دیکھی تو جوشِ غیرت سے فوراً اس کافر کو تہ تیغ کر دیا۔ اور صوفی کے منہ پر پانی اور گلاب کے چھینٹے دیئے تاکہ وہ بے ہوشی اور بے خودی سے ہوش میں آئے۔ پس جبکہ وہ اس تدبیر سے ہوش میں آگیا۔ تو اس نے آنکھ کھولی اور لوگوں کو اپنے پاس جمع دیکھا۔ اس پر لوگوں نے اس کا واقعہ پوچھا اور کہا کہ میاں تمہاری کیا حالت ہوگئی۔ اور تم اس طرح کیوں بے ہوش ہو گئے۔ تعجب ہے کہ تم اس ادھ موئے اور مشکیں کسی ہوئی قیدی سے یوں بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مغلوب ہو گئے اس نے جواب دیا کہ صاحبو! بات یہ ہے کہ جب میں نے غصہ سے اسکی گردن مارنے کا ارادہ کیا تو اس دیدہ دلیر نے میری طرف عجیب طرح سے دیکھا یعنی اس نے مجھ پر آنکھیں نکالیں اور مجھے گھورا۔ یہ دیکھ کر میرے حواس غائب ہو گئے۔ اسکی گردشِ چشمہ مجھے ایک لشکر معلوم ہوتی تھی اور میں نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس قدر ہولناک تھی۔
قصہ مختصر اسکی اس خوفناک آنکھ سے میں بے ہوش ہوا اور زمین پر گرا ہوں اور اسکے سخت اشارہ چشم سے میں آپ میں نہیں رہا اور زمین پر گر پڑا یہ سُنکر اس لوگوں نے کہا کہ میاں! ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ اس کمزور ہمت کے ساتھ جو کہ تم کو حاصل ہے لڑائی کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ بلکہ باورچی خانہ اور خانقاہ ہی میں رہنا۔ تاکہ پھر اہل لشکر کے سامنے تمہیں ذلت نہ اٹھانی پڑے کیونکہ جب کہ ایک مشکیں کسی ہوئے قیدی کی آنکھ سے تم ڈوب گئے اور تمہاری کشتی ٹوٹ گئی۔ تو شیران نر کے حملہ میں۔ جہاں کہ تلواروں سے سروں کی وہ حالت ہوتی ہے جو کہ گیند کی۔ اور جہاں کہ گردن زنی کی آوازیں کے مقابلہ میں دھوبیوں کے کپڑے چھینٹنے کی آوازیں محض ہوتی ہیں اور جہاں کہ جان لیوا تیروں کی شائیں شائیں سے ابر آذری کی شائیں شائیں شرمندہ ہوتی ہے تم کب خون میں تیر سکتے

ہو۔ جبکہ تم مردوں کی جنگ سے بالکل ہی ناآشنا ہو۔ وہاں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ بہت سے بے سر لاشے تڑپتے ہوتے ہیں۔ اور بہت سے سر خون پر بلبلوں کی طرح تیرتے ہوتے ہیں اور گھوڑوں کے سُموں کے نیچے سینکڑوں بہادر فنا ہو جاتے ہیں۔ ایسی صف میں ایسا ہوش جو کہ چوہے سے رخصت ہو گیا کیسے تلوار کھینچ سکتا ہے۔ جناب یہ تو معرکہ ہے۔ شراب خواری نہیں ہے کہ تم بھی آستین چڑھا کر پینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور یہ کوئی تیرہ تبرک کا کھانا نہیں کہ خود سے پہلے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں تلوار کا سامنا ہے اور اس صف میں حمزہ سے بہادر اور لوہے کے کلیجے والے کی ضرورت ہے یہ کوئی مرغن کھانا نہیں ہے کہ جھٹ سے کھالیا جائے۔ یہاں تلوار اور خنجر کا مقابلہ ہے۔ سر کیا چیز ہے۔ یہاں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لیئے جنگ میں ان نازک دلوں کا کام نہیں ہے جو کہ ایک خیال سے خیال کی طرح رفو چکر ہو جائیں۔ بس جانیئے۔ آپ کیا جہاد کریں گے۔ جہاد کام بہادروں کا ہے نہ کہ عورتوں کا۔ عورتوں کی جگہ تو گھر ہے۔ گھر میں جا کر بیٹھئے۔ **قصہ مختصر!** تم اس کافر کی آنکھ سے یوں بے خود ہو گئے اور زمین پر گر گئے پس تم جنگ کے قابل نہیں ہو —— یہ تو ایک نام کے صوفی کی حالت تھی۔ اب ہم اصلی صوفیوں کی حالت دکھلاتے ہیں۔ تاکہ کسی کو صوفیوں کی بزدلی کا شبہ نہ ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھے کہ بس تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں اچھا سنو!

حکایتِ عیاضیؒ رحمۃ اللہ علیہ کہ نود بار بغزوہ رفتہ بود سینہ

حضرت عیاضیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کہ وہ نوّے بار جہاد میں گئے تھے کھلے

برہنہ و غزاہا کردہ، باُمیدِ شہید شدن، و چوں نومید شد از

سینے، اور شہید ہوجانے کی امید پر جہاد میں رہے اور جب جہادِ اصغر

جہادِ اصغر رُوی بجہادِ اکبر آورد و خلوت گزید ناگہاں آوازِ

سے مایوس ہوگئے، تو جہادِ اکبر کا رُخ کیا اور خلوت اختیار کرلی، انھوں نے

طبلِ غازیاں شنید نفس از اندروں رنجہ می داشت سُوی غزا

اچانک غازیوں کے نقارے کی آواز سُنی نفس اندر سے جہاد کی جانب مجبور کرنے لگا

و متہم داشتنِ او نفسِ خود را دریں رغبت کہ کرد

اور اُن کا نفس کو اِس رغبت کے بارے میں مُتہم بنانا جو اُس نے کی

گفت عیاضی نود بار آمدم
(حضرت) عیاضی نے فرمایا کہ میں نوّے بار پہنچا

تن برہنہ بوکہ زخمے آیدم
ننگے بدن، شاید میرے جسم پر کوئی زخم لگے

تن برہنہ می شدم در پیشِ تیر
میں تیر کے سامنے ننگے بدن گیا

تا یکے تیرے خورم من جائی گیر
تاکہ کوئی گھس جانے والا تیر کھاؤں

تیر خوردن بر گلو یا مقتلے
گلے یا مقتل پر تیر کھانا

در نیابد جز شہیدے مُقبلے
سوائے نصیبہ ور شہید کے کوئی نہیں پاتا ہے

بر تنم یک جائگہ بے زخم نیست
میرے جسم پر کوئی جگہ بغیر زخم کے نہیں ہے

ایں تنم از تیر چوں پرویز نیست
میرا یہ جسم تیروں کی وجہ سے چھلنی کی طرح ہے

لیک بر مقتل نیامد تیرہا
لیکن تیر، مقتل پر نہ پہونچے

کارِ بختست ایں نہ جلدی و دَہا
یہ مقدر کی بات ہے نہ کہ بہادری اور ہوشیاری کی

چوں شہیدی روزیِ جانم نبود
چونکہ شہادت، میری جان کی روزی نہ تھی

رفتم اندر خلوت و در چلہ زود
میں جلد خلوت اور چلّہ میں چلا گیا

در جہادِ اکبر افگندم بدن
میں نے جہادِ اکبر میں جسم ڈال دیا

در ریاضت کردن و لاغر شدن
محنت کرنے اور لاغر ہونے میں

بانگِ طبلِ غازیاں آمد بگوش
غازیوں کے نقارے کی آواز کان میں آئی

کہ خرامید ند جیشِ غزو کوش
کہ جہاد کا کوشاں لشکر روانہ ہوگیا

نفسم از باطن مرا آواز داد
میرے نفس نے مجھے اندر سے آواز دی

کہ بگوشِ حس شنیدم بامداد
حس کے کان سے صبح کو سُنی

---

۵۳ عیاضی۔ مشہور بزرگ صوفی ہیں اُن کا نام ابوبکر محمد بن احمد ہے اپنے کسی دادا عیاض کی طرف منسوب ہیں۔ مولانا نے اُن کا قصہ سنا کر سمجھایا ہے کہ ہر صوفی کو اُن صوفی صاحب کی طرح نہ سمجھنا جو ہاتھ بندھے قیدی کی آنکھیں دیکھ کر بے ہوش ہوگئے تھے۔ جہادِ اصغر۔ کافر سے جہاد۔ جہادِ اکبر۔ نفس سے جہاد۔

۵۱ جائگیر۔ گھس جانے والا۔ مقتل۔ بدن کا وہ عضو جس پر چوٹ لگنے سے انسان مرجائے۔ مُقبلے۔ بانصیبہ۔ پرویزن۔ چھلنی۔ جلدی۔ بہادری۔ دہا۔ تدبیر۔

۵۲ چوں شہیدی۔ حضرت عیاضی فرماتے ہیں جب مجھے یقین ہوگیا کہ شہادت میرے مقدر میں نہیں ہے تو میں نے خلوت میں چلّہ کشی شروع کردی۔ جیش۔ لشکر۔ غزو۔ گروہ۔ گروہی۔

خیز ہنگامِ غـزا آمد برو
اُٹھ جہاد کا وقت آگیا، جا

خویش را در غزو کردن کن گرو
اپنے آپ کو جہاد میں معروف کردے

گفتم[۳۹] اے نفسِ خبیثِ بے وفا
میں نے کہا، اے بے وفا خبیث نفس!

از کجا میلِ غزا تو از کجا
تجھے جہاد کی خواہش کہاں سے، کہاں سے

راست گو اے نفس کایں حیلہ گریست
اے نفس! سچ بتا یہ تیری حیلہ بازی ہے

ورنہ نفسِ شہوت از طاعت بریست
ورنہ شہوانی نفس عبادت سے بیگانہ ہے

گر نگوئی راست حملہ آرمت
اگر تو سچ نہ کہے گا، میں تجھ پر حملہ کردوں گا

در ریاضت سخت تر افشارمت
میں تجھے ریاضت میں سخت دباؤں گا

نفس[۴۰] بانگ آورد آندم از دروں
نفس نے اندر سے آواز دی

با فصاحت بے دہاں اندر فسوں
بغیر منہ کے، فصاحت کے ساتھ، جادو گری میں

کہ مرا ہر روز ایں جا می کشی
کہ تو مجھے ہر روز اس جگہ کھینچ لاتا ہے

جانِ من چوں جانِ گبراں می کشی
میری جان کو کافروں کی جان کی طرح قتل کرتا ہے

ہیچ کس را نیست از حالم خبر
کسی کو میری حالت کی خبر نہیں

کہ مرا تو میکشی بے خواب و خور
کہ تو مجھے بغیر سونے اور کھانے قتل کر رہا ہے

در غزا بجہم بیک زخم از بدن
میں جہاد میں ایک زخم سے بدن سے بھاگ نکلونگا

خلق بیند مردی و ایثارِ من
لوگ میری بہادری اور قربانی دیکھیں گے

گفتم[۴۱] اے نفسک منافق زیستی
میں نے کہا، اے ذلیل نفس! تو منافق جیا

ہم منافق میمری تو چیستی
منافق ہی مر رہا ہے تو کیا ہے!

خوار و خود رای و مرائی بودہ
تو ذلیل، خود سر اور ریا کار رہا ہے

در دو عالم تو چنیں بیہودہ
دونوں جہاں میں تو اس قدر بیہودہ ہے

نذر کردم کہ ز خلوت ہیچ من
میں نے منت مان لی ہے کہ میں خلوت سے کبھی

سر بروں نارم چو زندہ است ایں بدن
باہر نہیں نکلونگا، جب تک یہ بدن زندہ ہے

زانکہ در خلوت ہر آنچہ تن کند
اس لئے کہ خلوت میں بدن جو کچھ کرتا ہے

نز برای روی مرد و زن کند
وہ مرد و عورت کے دکھاوے کیلئے نہیں کرتا ہے

جنبش و آرامش اندر خلوتش
خلوت میں اُس کی حرکت اور سکون

جز برای حق نباشد نیتش
اللہ (تعالٰی) کے سوا کیلئے اُس کی نیت نہیں ہوتی ہے

ایں جہادِ اکبر است آں اصغر است
یہ بڑا جہاد ہے، وہ چھوٹا جہاد ہے

ہر دو کارِ رستم است و حیدر است
دونوں کام، رستم اور حیدرؓ کے ہیں

کارِ آنکس نیست کو را عقل و ہوش
اُس شخص کا کام نہیں ہے کہ جسکی عقل اور ہوش

پرد از تن چوں بجنبد دُمِ موش
بدن سے پرواز کر جائے جب چوہے کی دم ملے

---

۳۹ گفتم۔ میں نے نفس سے کہا، خبیث تجھے جہاد کی رغبت کیوں پیدا ہوئی ہے سچ بتادے ورنہ تجھے بہت کچلوں گا۔

۴۰ نفس۔ نفس نے جواب دیا تو مجھے یہاں چلہ کشی میں روز کافروں کی طرح قتل کرتا ہے۔ ہیچ کس۔ یہاں تنہائی میں میرے قتل سے کوئی واقف نہیں ہوتا ہے۔ در غزا۔ جہاد میں مروں گا تو یکبارگی مر جاؤں گا اور لوگ بھی میری جان نثاری کو دیکھ لیں گے۔

۴۱ گفتم۔ میں نے نفس سے کہا تو نفاق کے ساتھ جیا اور اب لوگوں کے دکھاوے کے لئے جہاد کر کے منافق کی موت مرنا چاہتا ہے۔ خوار۔ تو دونوں جہانوں میں ذلیل ہوگا اور ریا کار۔ خلوت۔ تنہائی کی جگہ ریا کاری سے خالی ہوتی ہے۔ ایں جہادِ اکبر۔ خلوت میں چلہ کشی جہادِ اکبر ہے جو حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کام ہے۔

۴۳ جہادِ اصغر۔ دشمن سے لڑنا یہ بہادر اور رستم کا کام ہے

کارِ آنکس نیست این سودا و جوش — کو ز موش و جنبشش گم کرد ہوش

یہ جنون اور جوش اُس کا کام نہیں ہے — جو چوہے اور اسکے ہلنے سے ہوش گنوادے

آنچناں کس را بباید چون نساں — دُور بودن از مصاف و از سناں

ایسے شخص کو عورتوں کی طرح چاہئے — میدانِ جنگ اور نیزے سے دور رہنا

صوفیے آں صوفیِ این اینت حیف — آں ز سوزن کشتہ این اطعمہ سیف

ایک صوفی وہ ہے ایک صوفی یہ ہے عجب افسوس ہے — وہ سوئی کا مقتول اِس کی خوراک تلوار ہے

نقشِ صوفی باشد او را نیست جاں — صوفیاں بدنام ہم زیں صوفیاں

وہ صوفی کی تصویر ہے اُسمیں جان نہیں ہے — ان صوفیوں سے صوفی بھی بدنام ہیں

بر در و دیوارِ جسمِ گِل سرشت — حق ز غیرت نقشِ صد صوفی نوشت

مٹی کے بنے ہوئے جسم کے در و دیوار پر — اللہ تعالیٰ نے غیرت سے سیکڑوں صوفیوں کی تصویریں بنادیں

تا ز سحر آں نقشہا جنباں شود — تا عصای موسوی پنہاں شود

تاکہ وہ تصویریں جادو سے متحرک رہیں — جب تک موسوی عصا مخفی رہے

نقشہا را می خورد صدقِ عصا — چشمِ فرعونی ست پُر گرد و حصا

ان تصویروں کو لاٹھی کی سچائی نگل جاتی ہے — فرعونی آنکھ ہے جو گرد اور کنکریوں سے پُر ہے

حکایتِ مجاہدِ دیگر و جانبازیِ او در غزا

دوسرے مجاہد، اور جہاد میں اُس کی جان بازی کی حکایت

صوفیِ دیگر میانِ صفِ حرب — اندر آمد بیست بار از بہرِ ضرب

جنگ کی صف میں ایک دوسرا صوفی — تلوار بازی کے لئے بیس بار آیا

با مسلماناں بکافر وقتِ کرّ — وانگشت او با مسلماناں بفر

مسلمانوں کیساتھ (ہوتا تھا) کافر پر حملہ کیوقت — فرار کے وقت وہ مسلمانوں کیساتھ نہ پلٹتا تھا

زخم خورد و بست زخمے را کہ خورد — بارِ دیگر حملہ آورد و نبرد

زخم کھاتا اور جو زخم کھاتا اُس کی بندش کرتا — دوسری بار حملہ اور جنگ شروع کرتا

تا نمیرد تن بیک زخم از گزاف — تا خورد او بیست زخم اندر مصاف

تاکہ جسم ایک زخم سے خواہ مخواہ نہ مرجائے — یہانتک کہ وہ جنگ میں بیس زخم کھائے

حیفش آمد کہ بزخمے جاں دہد — جاں ز دستِ صدقِ او آساں رہد

اُسکو افسوس ہوتا کہ وہ ایک زخم سے جان دیدے — جان اسکی سچائی کے ہاتھ سے آسانی سے چھوٹ جائے

کارِ آنکس۔ جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر اُس بزدل کا کام نہیں ہے جو چوہے کی دُم سے ڈرے۔ آنچناں۔ اُس شخص کو عورتوں کی طرح خانہ نشین ہو جانا چاہیے۔

۱؎ آں۔ یعنی وہ صوفی جو دست بستہ کافر سے مغلوب ہو گیا۔ ایں۔ یعنی حضرت عیاضی۔ نقش۔ وہ بزدل صوفی صوفیوں کو بدنام کرنے والا ہے۔ بر در۔ انسانی جسم کی دیوار پر اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے بہت سے صوفیوں کی تصویریں بنادی ہیں تاکہ اسکے محبوب صوفی اِن تصویروں میں مخفی رہیں۔

۲؎ تا ز سحر۔ یہ تصویریں محض جادوگری سے متحرک ہیں اور صوفیانہ حرکات کر رہی ہیں یہ اسی وقت تک ہے جب تک حقیقی صوفی جلوہ گر نہیں ہوتا ہے اُس کی جلوہ گری ان سب کو ہضم کر جائے گی۔

حکایت۔ اس میں بھی ایک صوفی کی بہادری کے کارنامے ذکر کئے ہیں۔ ضرب۔ تلوار بازی کرنا۔ کرّ۔ اقدامی حملہ۔ فرّ۔ پسپائی۔

۳؎ زخم۔ اس کے ایک زخم لگتا تو فوراً مرہم پٹی کر کے حملہ آور ہو جاتا تاکہ ایک ہی زخم سے موت نہ آجائے۔

حکایتِ آں مجاہد کہ از ہمیانِ سیم ہر روز یک درم در خندق

اُس مجاہد کی حکایت جو چاندی کی تھیلی سے، ہر روز ایک درہم خرچ بناکر خندق میں

انداختے بتفاریق از بہرِ ستیزۂ حرص و آرزوی نفس

پھینک دیتا نفس کی آرزو اور لالچ سے جنگ کے لئے

وَ وسوسۂ نفس کہ چوں می اندازی بخندق بارے یک بار

اور نفس کی تمنا یہ کہ تو جب کہ خندق میں پھینکتا ہے، اب ایک بار

بینداز تا خلاص یابم کہ الیأسُ احدی الرّاحتین و او

پھینک دے تاکہ میں چھٹکارا پا جاؤں، کیونکہ مایوسی بھی دو راحتوں میں سے ایک راحت ہے اور وہ

میگفت مر نفس را کہ ترا ایں راحت ہم ندہم

نفس سے کہتا تھا، کہ میں تجھے یہ راحت بھی نہ دوں گا

آں یکے بودش بکفِ چل درم — **ہر شب افگندے یکے در آبِ یم**

ایک (صوفی) کے ہاتھ میں چالیس درہم تھے — وہ ہر رات کو ایک دریا کے پانی میں پھینک دیتا

تا کہ گردد سخت بر نفسِ مجاز — **در تأنّی دردِ جاں کندن دراز**

تاکہ جھوٹے نفس پر سخت بن جائے — جان کنی کا دراز درد، سست روی میں

نفسِ او فریاد کردے ہر شبے — **در فتادے زار در تاب و تبے**

اُس کا نفس ہر رات کو فریاد کرتا — تکلیف اور مصیبت میں لاغر ہوتا

کیں چرا می نفگنی یک بارگی — **کشتیم در غصّہ و بیچارگی**

کہ تو ایک بار کیوں نہیں پھینک دیتا ہے؟ — تونے مجھے رنج اور مجبوری میں مار ڈالا

بہرِ حق یکبارگی بگذار دیں — **نفس را اَلْیَأسُ اِحْدَی الرَّاحَتَیْن**

خدا کے لئے ایک مرتبہ میں قرض ادا کر دے — نفس کا، کیونکہ مایوسی دو راحتوں میں سے ایک ہے

او نگشتے ملتفت مر نفس را — **ہمچنیں کشتے مر او را در عنا**

وہ نفس کی جانب متوجہ نہ ہوتا — اُس کو اسی طرح مصیبت میں مارتا

ہمچنیں آں صوفی اندر صفِ جنگ — **بہرِ حق بگرفتہ بد بر نفس تنگ**

اسی طرح اُس صوفی نے جنگ کی صف میں — اللہ تعالیٰ کے لئے نفس پر سخت گرفت کر رکھی تھی

با مسلماناں بکر او پیش رفت — **وقتِ فرّ او وا نگشت از خصم تفت**

حملہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ وہ آگے بڑھتا — پسپائی کے وقت دشمن سے جلد پیچھے نہ ہٹتا

زخمِ دیگر خورد آں را ہم بہ بست — **بیست کرت رمح و تیر از وے شکست**

دوسرا زخم کھایا اُس کو بھی باندھا — بیس مرتبہ نیزے اور تیر اُس پر ٹوٹے

بعد ازاں قوّت نماند افتاد پیش — **مقعدِ صدق او ز صدقِ عشقِ خویش**

اُسکے بعد طاقت نہ رہی، سامنے گر گیا — اپنی سچائی کی جگہ میں اپنے عشق کی سچائی کی وجہ سے

حکایت۔ جس طرح پہلے مجاہد یکبارگی مرنا چاہتے تھے بلکہ بار بار زخم کھا کر جان دینا چاہتے تھے اسی طرح یہ مجاہد یکبارگی سرمایہ تلف نہ کرتے تھے بلکہ نفس کو بار بار تکلیف پہنچانے کے لئے روز مرہ ایک درہم تلف کرتے تھے۔

ـله الیأس۔ مقصد پورا ہونے سے بھی راحت ملتی ہے اور مقصد سے بالکل مایوس ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے۔ یم۔ دریا۔ مجاز۔ یعنی حقیقت سے غافل۔ تأنّی۔ آہستہ روی۔ نفس۔ اس صوفی کا نفس درہم کو دریا میں پھینکنے کی وجہ سے ہر شب فریاد کرتا۔

ـله کیں۔ اور یہ کہتا کہ درہموں کو پھینکنا ہے تو ایک دفعہ پھینک دے۔ کشتیم۔ تو مرا کشتی۔ الیأس۔ اگر یکبارگی مایوسی ہوجائے تو سکون مل جاتا ہے۔ ملتفت۔ متوجہ۔ عنا۔ مشقت۔ پہنچیں۔ اسی طرح اُس صوفی نے نفس کی گرفت کر رکھی تھی ایک زخم کھا کر شہید نہ ہونا چاہتا تھا۔

ـله با مسلماناں۔ مسلمانوں کے حملہ کے وقت آگے بڑھتا لیکن پسپائی کے وقت جلد پسپا نہ ہوتا دشمن کے مقابلے میں جما رہتا۔ کرت۔ مرتبہ۔ رمح۔ نیزہ۔ مقعدِ صدق۔ قرآن پاک میں نیکوں کی روحوں کے بارے میں ہے وہ سچائی کی جگہ ہوں گی صاحبِ قدرت خدا کے پاس۔

صِدق[1] جانِ دادن بود ہیں سابِقُوا
سچائی، جان دیدینا ہوتی ہے، خبردار! آگے بڑھو

از نُبی بر خواں رجالٌ صَدَقُوا
قرآن میں سے رِجَالٌ صَدَقُوْا پڑھ لے

ایں ہمہ مُردن نہ مرگِ صورتست
یہ کامل موت نہ صرف جسم کی موت ہے

ایں بدن مر رُوح را چوں آلتست
یہ بدن، روح کے لئے آلہ کی طرح ہے

اے بسا خامے کہ ظاہر خونش ریخت
بہت سے ناقص ہیں کہ انہوں نے اپنا ظاہر (جسم) بہا دیا

لیک نفسِ زندہ آں جانب گریخت
لیکن زندہ نفس اُس جانب بھاگ گیا

آلتش[2] بشکست و رہزن زندہ ماند
اُس کا آلہ ٹوٹا اور ڈاکو زندہ رہا

نفس زندہ است ارچہ مرکب خوں فشاند
نفس زندہ ہے اگرچہ سواری نے خون چھڑک دیا

اسپ کُشت و رہ نرفت آں خیرہ سر
گھوڑا مار ڈالا اور اس بیوقوف نے راستہ نہ کیا

ماند خام و زشت و از حق بے خبر
اللہ (تعالیٰ) سے بے خبر کچا اور بھدا رہ گیا

گر بہر خونریزیِ گشتے شہید
اگر ہر خون بہانے سے شہید بنا کرتا

کافرِ کُشتہ بُدے ہم بوسعید
مقتول کافر بھی بوسعید ہوتا

اے[3] بسا نفسِ شہیدِ معتمد
بہت سے بھروسے کے شہید نفس ہیں

مُردہ در دنیا چو زندہ میرود
مرے ہوئے، دنیا میں زندہ کیطرح چلتے پھرتے ہیں

رُوحِ رہزن مُرد و تن کہ تیغِ اوست
ڈاکو نفس مرگیا اور جسم جو کہ اس کی تلوار ہے

ہست باقی در کفِ آں غزو دوست
جہاد کے شائق کے ہاتھ میں باقی ہے

تیغ آں تیغست مرد آں مرد نیست
تلوار وہی تلوار ہے، مرد وہ مرد نہیں ہے

لیک ایں صورت ترا حیران کنیست
لیکن یہ صورت تجھے حیران کرنیوالی ہے

نفس چوں مبدل شود ایں تیغِ تن
نفس جب بدل جاتا ہے، یہ جسم کی تلوار

باشد اندر دستِ صُنعِ ذُوالمِنَن
اللہ (تعالیٰ) کی کاریگری کے ہاتھ میں ہوتی ہے

آں یکے مردیست قوتش جملہ درد
ایک وہ مرد ہے جسکی ساری خوراک درد ہے

ویں دگر مردے میاں تی ہمچو گرد
اور یہ دوسرا مرد ہے جسکی کمر گرد کیطرح خالی ہے

[1] صِدق۔ پہلی آیت میں جو صِدق آیا ہے اُسکا مطلب اللہ کے راستہ میں جان دینا ہے۔ صَدَقُوْا قرآن پاک میں ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ یعنی بعض مومن وہ ہیں جنھوں نے اُس معاہدہ کو سچ کر دکھایا جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا یعنی راہِ خدا میں شہید ہوگئے۔ ایں ہمہ۔ راہِ خدا میں مرنا، جسم کا مرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو روح کا ایک آلہ ہے بلکہ اوصاف رذیلہ کا ازالہ اور نفس کو مٹانا ہے۔ اے بسا۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو جہاد میں مرتے ہیں لیکن اُن کا نفس زندہ رہتا ہے تو وہ راہِ خدا میں نہیں مرے۔

[2] آلتش۔ نفس کا زندہ رہنا اور جسم کا مرجانا تو ایسا ہی ہے جیسے ڈاکو زندہ رہے اور اُس کا ہتھیار یا گھوڑا فنا ہوجائے۔ اسپ۔ اس شخص کی مثال تو اُس شخص کی سی ہے جو منزل پر پہنچنے سے پہلے گھوڑے کو مار ڈالے۔ گر بہر خونریزی۔ اگر محض خون بہا دینا شہادت ہو تو ہر کافر جو جنگ میں مرے اسکو شہید کہو۔ بوسعید نیک بخت یا حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ۔

[3] اے بسا۔ جن لوگوں نے نفس کشی کرلی ہے اُنکا نفس مُردہ ہوچکا ہے لیکن وہ دنیا میں زندہ چلتے پھرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، جو کسی مُردہ کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے۔ رُوح۔ جو نفس راہزن تھا وہ مرگیا ہے اُسکی جو تلوار تھی یعنی جسم وہ اس مجاہد کے ہاتھ میں باقی ہے۔ تیغ۔ یعنی جسم تو وہی ہے لیکن اب وہ شخص نہیں ہے وہ اپنے آپکو فنا کرکے بقا باللہ حاصل کرچکا ہے۔ نفس۔ اگرچہ وہ شخص نہیں رہا لیکن اب یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں کام کرتی ہے۔

شرح ابو بکر محمد بن احمد عیاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نوّے مرتبہ جہاد میں تن برہنہ شریک ہوا۔ تاکہ شاید میرے کوئی زخم کاری لگ جائے اور میں شہید ہوجاؤں اور میں بالکل ننگا تیر کے سامنے چلا جاتا تھا تاکہ کوئی تیر میرے کاری لگ جائے لیکن امر مقدر نہ تھا کہ میرے گلے پر کسی ایسی جگہ تیر لگے جس سے میں مرجاؤں اسلئے کسی ایسی جگہ نہ لگا —— بات یہ ہے کہ شہادت کسی صاحب اقبال شخص کو ہی ملتی ہے ہر ایک کو نہیں ملتی۔ چنانچہ میرے جسم میں ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں تیر نہ لگا ہو اور یہ میرا جسم تیروں سے چھلنی ہو رہا ہے لیکن کسی ایسی جگہ تیر نہیں لگا جہاں لگنے سے میں مرجاتا۔

پس معلوم ہوا کہ شہادت قسمت سے ملتی ہے اور شجاعت دلیری سے نہیں ملتی (فائدہ: جلدی جلادت سے ماخوذ ہے نہ کہ بمعنی عجلت واللہ اعلم) پس جبکہ شہادت مجھے میسر نہ ہوئی تو اس وقت میں نے یہ کیا کہ خلوت اور چلہ کشی اختیار کی اور میں نے جہاد اکبر میں مشغول ہوکر جسم کو مشقت ریاضت میں ڈال دیا اور اسے گھلانا شروع کیا اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز غازیوں کے نقارہ کی آواز میرے کان میں آئی جس سے میں سمجھا کہ لشکر مجاہدین جہاد کے لیے جا رہے ہیں اس وقت نفس نے میرے اندر سے مجھے آواز دی جس کو میں نے بوقت صبح اپنے گوش حس سے سنا (فائدہ: واضح ہو کہ نفس کی آواز گوش حس سے محسوس نہیں ہوتی اسلئے بگوش حس شنیدم محمول بر مجاز ہوگا۔ یعنی وہ آواز اتنی صاف تھی کہ اگر میں اسکی نسبت یہ دعوٰی کروں کہ میں نے اسکو گوش حس سے سنا تو کر سکتا ہوں) اور یہ کہا کہ جہاد کا وقت آگیا ہے اُٹھ اور چل اور اپنے کو جہاد میں محبوس کر۔ اس پر میں نے اسے کہا کہ او بے وفا اور خبیث نفس کہاں تو اور کہاں رغبت جہاد۔ سچ بتا کہ اس میں تیری کیا شرارت ہے کیونکہ یقیناً اس میں تیری کوئی چال ہے۔

ورنہ نفس شہوت پرست کو اطاعت حق سے کیا علاقہ۔ دیکھ اگر تو سچ سچ نہ کہے گا تو میں تجھ پر حملہ کروں گا۔ اور ریاضت میں تجھے خوب دباؤں گا۔

یہ سُنکر نفس کی اندر سے بدوں منہ کے صاف الفاظ میں یہ جادو بھری بات کہی کہ تو مجھے
ہر روز یہاں مارتا ہے اور میری جان کو کافروں کی طرح ہلاک کرتا ہے اور عالم میں میری
حالت کی کسی کو خبر نہیں کہ تو مجھے بے خواب و خور کے مارتا ہے پس میں نے
سوچا کہ جہاد میں میرے لیے دُو فائدہ ہیں اوّل یہ کہ میں ہر روز کی مصیبت سے
چھوٹ جاؤں گا اور صرف ایک زخم سے جسم سے الگ ہو جاؤں گا۔ اور دوسرے
یہ کہ ایسا کرنے سے لوگ میری مردانگی اور میرا موت کو حیات پر ترجیح دینا دیکھیں
گے جس سے میرا نام ہوگا۔

اس پر میں نے کہا کہ او پاجی نفس! تو زندہ بھی رہا تو نفاق کی حالت میں اور
مرتا بھی ہے تو نفاق میں۔ کم بخت تو کون بلا ہے۔ تو سراسر ذلیل اور خود رائے
اور ریاکار ہے اور حالت حیات و حالت موت دونوں حالتوں میں تو اس قدر
بیہودہ ہے۔ اچھا اب میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک حیات جسمانی باقی ہے۔ میں
بلاضرورت شرعیہ خلوت سے نہ نکلوں گا کیونکہ خلوت میں جو کچھ آدمی کرتا ہے وہ لوگوں
کے دکھاوے کی وجہ سے نہیں کرتا۔ اور حرکت یا سکون خلوت میں جو کچھ بھی ہوتا
ہے اس میں اس کی نیت بجُز رضائے حق کے اور کچھ نہیں ہوتی اسلیے یہ جہاد
اکبر ہے اور جہاد معروف جہاد اصغر۔ لیکن یہ دونوں کام ارباب ہمت عالیہ
مثل رستم و حیدر سے تعلق رکھتے ہیں اور جہاد اصغر کا اصغر ہونا بہ نسبت جہادِ اکبر
کے ہے نہ یہ کہ وہ فی نفسہ کوئی معمولی چیز ہے) اور ان لوگوں کا کام نہیں ہے
جن کی عقل اور ہوش چوہے کی دم کی حرکت سے رفوچکر ہو جائے۔ اور یہ خیال
و جوش ان لوگوں کا کام نہیں ہے جو چوہے کی حرکت سے حواس کھو بیٹھیں۔
اسلیے ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معرکہ اور سنان و خنجر وغیرہ سے الگ رہیں۔

اس واقعہ سے تم سمجھو کہ ایک تو وہ نامرد صوفی تھا اور ایک یہ صوفی ہیں اور یہ
تفاوت نہایت قابل افسوس ہے وہ تو سوئی سے مرگیا اور یہ تلواریں کھاتے ہیں۔
بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جسم صوفی تھا اور رجال صوفی

اُس میں نہ تھی۔ ایسے ہی صوفیوں نے صوفیوں کو بدنام کیا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے سبب صوفی لوگ بدنام نہیں۔ تم کو واضح ہو کہ حق سبحانہٗ نے جسم خاکی کی دیواروں پر باقتضائے غیرت صوفیوں کے سینکڑوں تصویریں بنا دی ہیں۔ تاکہ وہ تصویریں جادو سے حرکت کریں اور عصائے موسوی مخفی ہو جائے (یعنی غیرت خداوندی نے نہ چاہا کہ حقیقی صوفیوں کو بالکل ممتاز کر دیا جائے اسلئے اس نے بہت سے مصنوعی صوفی بنائے اور اصلی صوفیوں کو ان میں چھپا دیا۔ تاکہ ہر شخص بدوں طلب کے ان کو نہ پا سکے اور طالبین اور غیر طالبین میں امتیاز ہو جائے) یہ ضروری بات ہے کہ عصائے موسوی (حقیقی صوفی) ان جادو کے پتلوں (مصنوعی صوفیوں) میں مخفی ہے لیکن اس کا خفا تلبیس کی حد تک نہیں پہنچا۔ بلکہ اسکی اصلیت ظاہر ہے کیونکہ اس عصا کا صدق ان جادوں کے پُتلوں کو کھا رہا ہے یعنی اہل اللہ کی حقانیت دھوکہ بازوں کے فریب کو ظاہر کر رہی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ پھر لوگوں کو ان کا صدق کیوں نہیں دکھلائی دیتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چشمِ فرعونی یعنی غیر طالب حق آنکھ رکھتے ہیں جو کہ تعصب و عناد و تقلید آبائی وغیرہ کی گرد اور کنکریوں سے پر ہے اسلئے وہ آنکھ کھول کر دیکھتے ہی نہیں تاکہ اُنہیں ان کا صدق دکھلائی دے۔

اچھا اب اصلی صوفیوں کی ایک اور حکایت سُنو۔ ایک اور صوفی بیس دفعہ صف جنگ میں بوقت حملہ ضرب کفار کے لیے مسلمانوں کے ساتھ گیا مگر واپسی کے وقت وہ ان کے ساتھ نہیں لوٹا بلکہ برابر لڑتا رہا اور جب کوئی زخم اس کے لگتا تھا تو وہ اسے باندھ کر پھر حملہ کرتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ وہ جنگ میں اپنے بچاؤ کے پہلو کو مدنظر نہ رکھتا تھا بلکہ خوب دل کھول کر لڑتا تھا اور مقصود اس کا یہ تھا کہ میں ایک زخم سے مر جاؤں بلکہ مجھ پہ بہت سے زخم لگیں اور اس وقت مروں کیونکہ اس نے اس امر کو قابل افسوس سمجھا کہ ایک زخم سے جان دیدے اور جان اسکی ہاتھ سے یوں آسان

نکل جائے۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اسکے پاس چالیس روپیہ تھے اور وہ
رات کو ایک روپیہ کنوئیں میں ڈال دیتا تھا تاکہ نفس گرفتار مجاز پر اس توقف
میں خوب سختی ہو اور اسکو جانکنی کی مصیبت خوب جھیلنی پڑے اس سے اسکا
نفس فریاد کرتا تھا۔ اور ہر رات پیچ و تاب میں گرفتار ہوتا تھا اور کہتا تھا
کہ ارے تو سب کو ایک مرتبہ ہی کیوں نہیں ڈال دیتا تو نے مجھے رنج اور سختی
سے مار ڈالا۔ خدا کے لیے تو ایک مرتبہ یہ ہی قرض اتار دے اور سب کو ایک
دفعہ ہی کنوئیں میں ڈالدے کیونکہ میرے لیے ناامیدی بھی ایک راحت ہے
پس ایسا کرنے سے مجھے روپیوں سے ناامیدی ہوجائے گی اور راحت حاصل
ہوجائے گی مگر وہ نفس کی بات نہ سنتا تھا اور یوں ہی اسے تکلیف سے
مارتا تھا پس یونہی وہ صوفی جنگ میں خدا کے لیے نفس پر سختی کر رہا تھا
کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ حملہ کے لئے آگے بڑھتا تھا لیکن واپسی کے وقت
دشمن کی فوج سے جلدی نہ لوٹتا تھا اور جب کوئی اور زخم اس کے لگتا تھا
تو اسکو بھی باندھ لیتا تھا۔

قصہ مختصر اسکی بیس مرتبہ نیزہ اور تبر ٹوٹے اسکے بعد اس
میں قوت نہ رہی اور آگے کی جانب گر گیا اور اپنے عشق صادق کی بدولت
مقعد صدق میں یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو صدق کے لیے مخصوص ہے۔ ....
تم سمجھتے ہو کہ صدق کیا چیز ہے۔ اچھا لو ہم بتلاتے ہیں صدق کی حقیقت ہے
جان نثاری اور جانبازی۔ اگر اسکی تصدیق چاہتے ہو تو قرآن میں من
المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عٰھدوا اللہ علیہ فمنھم من
قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر پڑھو جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں
میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے اس عہد میں سچے اترے۔ جو انہوں نے خدا سے
کیا تھا یعنی خوب داد جانبازی دی۔
اب وہ دو قسم کے ہیں کچھ لوگ تو شہید ہو گئے اور کچھ منتظر شہادت ہیں

پس اس آیت میں حق سبحانہ نے جان بازی کو صدق اور وفا سے تعبیر فرمایا ہے اس سے صدق کی حقیقت معلوم ہوگئی پس لوگو تم جان بازی کی طرف سبقت کرو اور خدا کی راہ میں جان دیدو لیکن یہ یاد رہے کہ خدا کی راہ میں جان دینا اس کا نام نہیں ہے کہ اس کا جسم فنا ہو جائے جس کو مرگ صوری اور ظاہری کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل چیز تو روح ہے۔ رہا بدن سو وہ تو اس کا آلہ ہے پس بدن کا فنا ہونا مرنا نہیں ہو سکتا مرنا تو روح کا ہے جب روح مر جائے یعنی خودی کو چھوڑ دے اس وقت کہا جائے گا کہ یہ شخص مر گیا۔ پس بہت سے احمق تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے جسم کو فنا کر دیتے ہیں مگر ان کا نفس زندہ ہوتا ہے اور بچ کر نکل جاتا ہے اور راہزن کا آلہ ٹوٹ جاتا ہے مگر اصل راہزن زندہ ہوتا ہے اور نفس زندہ ہوتا ہے مگر اس کی سواری یعنی جسم اپنا خون بہا دیتی ہے اور وہ اپنا گھوڑا تو مار دیتا ہے مگر منزل طے نہیں کرتا۔

یعنی وہ ناقص اور برا اور خدا سے بے خبر ہوتا ہے اور وہ آلہ جس سے وہ اپنی اصلاح کر سکتا تھا۔ کھو بیٹھتا ہے سو اس سے زیادہ کیا حماقت ہوگی اور ایسے مرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگر ہر قتل ہونے میں آدمی شہید ہوا کرتا تو کافر مقتول بھی سعید ہوتا۔ اور شقی نہ ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ صرف جسم کا فنا کرنا شہادت نہیں ہے اور بہت سے شہید لوگ دنیا میں مر چکے ہیں مگر زندوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں یعنی ان کی روح راہزن مر جاتی ہے اور جسم جو کہ اسکی تلوار ہے وہ ایک غازی کے ہاتھ میں ہوتی ہے پس تلوار تو وہی ہوتی ہے لیکن آدمی وہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی اور اسکو سن کر تمہیں حیرت ہوگی۔ اسلئے ہم اس کی توضیح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آدمی کی صفات ذمیمہ فنا ہو جاتی ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ شخص وہ نہیں رہتا

جو پہلے تھا بلکہ اسکی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور اسوقت اس کا ہاتھ گویا کہ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ اور وہ تلوار (جسم) جو اس وقت اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ گویا کہ خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس سے تم کو سمجھنا چاہیئے کہ اصل شہادت ترک خودی اور فنا فی اللہ ہے اور اسکو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم قصہ ہائے سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صوفیوں کے قصوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ مرد تو ایسے ہوتے ہیں جس کی غذا راہ خدا میں تکلیف اٹھانا ہوتا ہے جیسے عیاضی وغیرہ اور کچھ مرد ایسے ہوتے ہیں دیکھنے میں مرد معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اندر سے خالی اور مثل گرد بے حقیقت ہوتے ہیں جیسے کہ وہ صوفی غازی جو بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا اس پر ہم کو قصہ یاد آگیا۔ سُنو!

صفت کردنِ مردِ غمّاز و نمودنِ صورتِ کنیزک مصوّر

ایک چغلخور کا خوبی بیان کرنا اور کاغذ پر بنی ہوئی ایک لونڈی کی تصویر دکھانا

درکاغذ و عاشق شدنِ خلیفۂ مصر بر نقشِ آں کاغذ و فرستادنِ

تصویر دکھانا اور اس کاغذ کی تصویر پر مصر کے خلیفہ کا عاشق ہو جانا اور خلیفہ کا ایک

خلیفہ امیرے با سپاہِ گراں بدرِ موصل و قتل و ویرانی

سردار کو بھاری لشکر کے ساتھ موصل کے دروازے پر بھیجدینا اور اس مقصد کیلئے بہت

بسیار کردن بہرِ ایں غرض

قتل اور تباہی کرنا

مر خلیفۂ مصر را غمّاز[1] گفت	کہ شہِ موصل بحورے گشت جُفت
چغلخور نے مصر کے خلیفہ سے کہا	کہ موصل کے بادشاہ کو ایک حور مل گئی ہے
یک کنیزک دارد او اندر کنار	کہ بعالم نیست مانندش نگار
وہ آغوش میں ایک کنیز رکھتا ہے	اُس جیسی حسینہ دنیا میں نہیں ہے
در بیاں ناید کہ حُسنش بیحدست	نقشِ اُو اینست کاندر کاغذ ست
بیان نہیں ہوسکتا کیونکہ اُس کا حُسن بیحد ہے	اُس کی تصویر یہ ہے جو کاغذ پر ہے

[1] غمّاز: چغلخور۔ بحورے۔ یعنی موصل کے بادشاہ کے پاس ایک حور صفت لونڈی ہے۔ کنار: پہلو۔ نگار: حسین۔ کیقباد: کے معنی مالک قباد۔ بمعنی برحق۔ شاہ ایران کا نام ہے جو بڑا عیاش تھا اور سو سال اُس نے حکومت کی اب مطلقاً منصف بادشاہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

[2] پہلوانے۔ شاہ مصر نے بہادر سردار کو بھاری لشکر دے کر موصل روانہ کر دیا۔ موصل صاد کے زیر کے ساتھ۔ عراق اور جزیرہ کے درمیان ایک شہر ہے۔ آں ماہ۔ حسین لونڈی

نقش دَر کاغذ چو دید آں کیقباد
اُس بادشاہ نے کاغذ پر اُسکی تصویر دیکھی

خیرہ گشت و جام از دستش فتاد
حیران ہوگیا اور اُسکے ہاتھ سے جام گر گیا

پہلوانے را فرستاد آں زماں
فوراً ایک بہادر کو بھیج دیا

سُوئے موصل با سپاہِ بس گراں
بہت بھاری لشکر کے ساتھ موصل کی جانب

گفت اگر ندہد بتو آں ماہ را
کہا اگر وہ اُس چاند کو تیرے حوالے نہ کرے

برکن از بن آں در و درگاہ را
اُس در اور درگاہ کو جڑ سے اُکھاڑ ڈال

ور دہد ترکش کُن و مہ را بیار
اور اگر دیدے اُس کو چھوڑ اور چاند کو لے آ

تا کشم[۳] من بر زمیں مہ در کنار
تاکہ میں چاند کو زمین پر بغل میں لوں

پہلواں شُد سُوئے موصل با حشم
بہادر خادموں کے ساتھ موصل کیجانب روانہ ہوا

با ہزاراں رستم و طبل و علم
ہزاروں بہادروں اور نقاروں اور جھنڈے کیساتھ

چوں ملخہائے عدد بر گرد کشت
کھیتی کے چاروں طرف اَن گنت ٹڈیوں کی طرح

قاصدِ اہلاکِ اہلِ شہر گشت
شہریوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرنیوالا بنگیا

ہر نواحے منجنیقے از نبرد
جنگ کے لئے ہر جانب ایک گوپھن

ہمچو کوہِ قاف اُو بر کار کرد
کوہ قاف جیسی اُس نے کام پر لگا دی

زخمِ تیر و سنگہائے منجنیق
تیروں کے زخم اور گوپھن کے پتھر

تیغہا در گرد چوں برق از بریق[۱]
غبار میں تلواریں چمک کیوجہسے بجلی کی طرح

ہفتۂ کرد ایں چنیں خونریز گرم
ایک ہفتہ اُس نے اِسی طرح خونریزی گرم رکھی

بُرجِ سنگیں سُست شد چوں مومِ نرم
پتھریلا برج، نرم موم کی طرح کمزور پڑگیا

شاہِ موصل دید پیکارِ مہول
موصل کے بادشاہ نے خوفناک جنگ دیکھی

پس فرستاد از دروں پیشش رسول
تو اندر سے اُس کے پاس قاصد بھیجا

کہ[۲] چہ میخواہی ز خونِ مومناں
کہ مومنوں کی خونریزی سے تو کیا چاہتا ہے؟

کُشتہ میگردند زیں حربِ گراں
جو اِس بھاری جنگ سے مر رہے ہیں

گر مرادت مُلک و شہرِ موصل ست
اگر تیرا مقصود ملک اور موصل شہر ہے

بے چنیں خونریز اینت حاصل ست
بغیر خونریزی کے یہ تجھے حاصل ہے

من رَوَم بیرونِ شہر اینک درآ
میں شہر سے باہر چلا جاتا ہوں لے تو اندر آجا

تا نگیرد خونِ مظلوماں ترا
تاکہ مظلوموں کا خون تجھے نہ پکڑے

ور مرادت مال و زر و گوہر ست
اگر تیرا مقصد مال اور سونا اور جواہر ہیں

ایں ز مُلک و شہر خود آساں تر ست
یہ سلطنت اور شہر سے خود آسان ہیں

ہر چہ می باید ترا از سیم و زر
تجھے جو چاندی اور سونا چاہئیے

میفرستم چیست ایں آشوب[۳] و شر
میں بھیجتا ہوں یہ فتنہ اور شر کیا ہے؟

۳؎ تاکشم۔ وہ آسمان کا چاند ہے لیکن میں اُس سے زمین پر بغلگیر ہوں گا۔ رستم مطلقاً پہلوان۔ ہر نواحے۔ اُس سردار نے موصل کے چاروں طرف گوپھنیں قائم کردیں جو کوہِ قاف کی طرح بلند تھیں۔

۱؎ بریق۔ چمک۔ برج سنگیں۔ یعنی اُس موصل کے بادشاہ کا قلعہ موم کی طرح بن گیا۔ مہول۔ خوفناک۔ رسول۔ قاصد

۲؎ کہ چہ۔ موصل کے بادشاہ نے قاصد کے ذریعہ پہلوان سے کہلایا کہ حملے سے تیرا کیا مقصد ہے۔ اینت۔ ایں ترا۔ ایں ز مُلک۔ جب میں سلطنت چھوڑنے کو تیار ہوں تو روپیہ پیسہ دینا تو بہت آسان ہے

۳؎ آشوب۔ فتنہ۔ ہلاکت۔ یعنی موصل کا بادشاہ۔ گفت۔ پہلوان نے کہا۔ صاحب جمال۔ یعنی لونڈی۔

ایثار کردنِ صاحبِ موصل آں کنیزک خود را بخلیفۂ مصر

موصل کے حاکم کا اپنی لونڈی کو خلیفۂ مصر کو دے دینا تاکہ مسلمانوں

تا خوں ریزیِ مسلماناں زیادہ نہ شود

کی خونریزی زیادہ نہ ہو

چوں رسول آمد بہ پیشِ پہلواں
جب قاصد، پہلوان کے سامنے آیا

گفت پیغامِ مَلِک اندر زماں
اس نے فوراً بادشاہ کا پیغام پہنچا دیا

گفت من نے مُلک میخواہم نہ مال
اس نے کہا: نہیں ملک چاہتا ہوں، نہ مال

لیک میجویم یکے صاحب جمال
لیکن ایک حسین کا جویاں ہوں

داد کاغذ اندرو نقش و نشاں
اُس نے کاغذ دیا جس میں تصویر اور علامت تھی

گفت پیشش بر بگو او را عیاں
کہا اسکے سامنے اسکو صاف بتا دے

کاندریں کاغذ نگر چہ صورت است[1]
کہ اِس کاغذ میں دیکھ کیا تصویر ہے

زود بفرستش کہ مُلک و جانت رست
اسکو جلد بھیجدے تاکہ تیری سلطنت اور جان بچ جائے

بنگر اندر کاغذ ایں را طالبم
کاغذ میں دیکھ لے، میں اِس کا طلبگار ہوں

ہیں بدہ ورنہ کنوں من غالبم
خبردار! دیدے ورنہ اب میں غالب ہوں

چوں رسولش باز گشت و گفت حال
جب اُس کا قاصد واپس ہوا اور حالت بتائی

داد کاغذ را و بنمود آں مثال
اس نے کاغذ دیا اور وہ تصویر دکھائی

گشت معلومش چہ گفت آں شاہِ نر
اس کو معلوم ہو گیا تو اس بہادر شاہ نے کیا کہا؟

صورتے کم گیر زود ایں را ببر
مان لے ایک (حسین) صورت نہ رہی اور جلد اسکو لیجا

من نیم[2] در عہدِ ایماں بت پرست
میں ایمان کے عہد میں، بت پرست نہیں ہوں

بت بر آں بت پرست اولیٰ ترست
بُت اُس بت پرست کی بغل میں زیادہ بہتر ہے

باتبرک داد دختر را و برد
اُس نے لونڈی مع تحفہ کے دی، اور وہ لے گیا

سوئے لشکرگاہ و در ساعت سپرد
لشکرگاہ کی جانب، اور فوراً سپرد کر دی

چونکہ آوردش رسول آں پہلوا
جب قاصد اس کو لایا، وہ سردار

گشت عاشق بر جمالش آں زماں
فوراً اس کے حسن پر عاشق ہو گیا

عشق بحرے آسماں بر وے کفے
عشق ایک سمندر ہے آسمان اس پر ایک جھاگ ہے

چوں زلیخا در ہوائے یوسفے
جیسے کہ زلیخا، یوسف کے عشق میں تھی

دورِ گردونہا ز موجِ عشق داں
آسمانوں کی گردش عشق کی موج سے سمجھ

گر نبودے عشق بفسردے جہاں
اگر عشق نہ ہوتا تو جہان ٹھٹھر جاتا

کے جمادے محو گشتے در نبات[3]
جماد، نباتات میں کب فنا ہوتا!

کے فدائے روح گشتے نامیات
نمو پانے والیاں، روح پر کب فدا ہوتیں!

---

[1] کاندریں۔ یعنی اپنے بادشاہ سے کہہ دے کہ اس کاغذ پر جس کی تصویر ہے اس کو ہمیں دیدے تب تیری نجات ہوگی۔ آں مثال۔ یعنی لونڈی کی تصویر گشت معلومش۔ جب شاہ موصل کو بہادر کی خواہش کا علم ہو گیا تو اس نے کہا۔ شاہِ نر یعنی شاہ موصل۔ صورتے۔ یعنی اگر ایک لونڈی نہ رہی تو کیا ہوا۔

[2] من نیم۔ شاہ موصل نے کہا میں بت پرست نہیں ہوں لہٰذا یہ بت لونڈی شاہ مصر بت پرست کے لئے مناسب ہے۔ چونکہ۔ جب قاصد لونڈی کو لے کر آیا تو یہ پہلوان اس پر عاشق ہو گیا۔ عشق۔ عشق الٰہی، صوفیا ذاتِ الٰہی مراد لیتے ہیں۔ زلیخا۔ آسمان کی تشبیہ ہے۔ یوسفؑ۔ حضرت حق کی تشبیہ ہے۔ دور گردوں۔ تمام کائنات کی حرکت کا سبب عشق ہے جو اس میں پنہاں ہے ورنہ کائنات درجۂ کمال کو نہ پہنچتی۔

[3] جمادے۔ جماد اپنے آپ کو نباتات میں فنا کرتا ہے۔ یعنی پانی سے نباتات غذا حاصل کر کے بڑھتی ہیں۔

روح کے گشتے فدای آں دمے
روح اُس دم پر کب فدا ہوتی!

کز نسیمش حاملہ شد مریمے
جس کی نسیم سے مریم حاملہ ہوئیں

ہر یکے بر جا فسردے ہمچو یخ
ہر ایک اپنی جگہ برف کی طرح منجمد ہو جاتا

کے بُدے پرّاں و جویاں چوں ملخ
ٹڈی کی طرح کب پرواز اور جستجو میں ہوتا!

ذرّہ ذرّہ عاشقانِ آں جمال
ذرّہ ذرّہ، اُس حُسن کا عاشق ہے

می شتابد در عُلو ہمچوں نہال
پودے کی طرح بلندی کی جانب دوڑتا ہے

سَبّح للہ ہست اشتابِ شاں[1]
اُن (ذرّوں) کی تیزروی اللہ کی تسبیح ہے

تنقیہ تن می کنند از بہرِ جاں
جو جان کے لئے جسم کو صاف کرتے ہیں

پہلواں چہ را چو رہ پنداشتہ
سردار نے جب کنوئیں کو راستہ سمجھ لیا

شورہ اش خوش آمد و حب کاشتہ
شوریلی زمین اُس کو بھلی معلوم ہوئی اور دانہ بو دیا

چوں خیالے[2] دید آں خفتہ بخواب
جیسا کہ سونے والے نے نیند میں ایک خیال دیکھا

جمع شد با آں و از وے رفت آب
اُس کے ساتھ جماع کیا اور اُس کی منی بہہ نکلی

چوں بجست از خواب و شد بیدار زود
وہ جب نیند سے اُٹھا اور جلد بیدار ہو گیا

دید کاں لعبت بہ بیداری نبود
دیکھا کہ وہ گڑیا بیداری میں (موجود) نہ تھی

گفت بر ہیچ آبِ خود بُردم دریغ
اُس نے کہا افسوس ہے میں نے معدوم پر اپنی منی بہائی

عشوۂ آں عشوہ دہ خوردم دریغ
افسوس ہے اس فریب دینے والے کا میں نے فریب کھایا

پہلوانِ تن بُد آں مردی نداشت
جسم کا پہلوان تھا، انسانیت نہ رکھتا تھا

تخم مردی در چناں ریگے بکاشت
اُس نے انسانیت کا بیج ایسے ریت میں بو دیا

مرکبِ عشقش دریدہ صد لگام
اُس کے عشق کی سواری نے سو لگام توڑ دیئے

نعرہ میزد لا اُبالے کالحِمام
وہ نعرہ مارتا تھا، میں موت کی پروا نہیں کرتا ہوں

اَیْشَ[3] اُبالی بالخلیفۃ فی الھویٰ
میں محبت کے معاملہ میں خلیفہ کی کیا پروا کرتا ہوں

اِستویٰ عندی وُجودی و التّویٰ
میرے نزدیک میرا وجود اور ہلاکت یکساں ہے

ایں چنیں سوزاں و گرم آخر مکا
ایسی سوزش اور گرمی سے پیچ د بر

مشورت کن با یکے دانستہ کار
کسی جانکار سے مشورہ کرے

مشورت کو عقل کو سیلابِ آز
مشورہ کہاں، عقل کہاں، حرص کے سیلاب نے

در خرابی کرد ناخنہا دراز
تباہی کے لئے ناخن دراز کرتے ہیں

بَیْنَ اَیْدِی سَدّ و سوئے خَلْف سَدّ
سامنے دیوار ہے اور پیچھے کی جانب دیوار ہے

پیش و پس کے بیند آں مفتونِ خد
وہ رخسار کا عاشق آگے پیچھے کب دیکھتا ہے!

آمدہ در قصدِ جاں سیلِ سیاہ
کالا سیلاب، جان کے ارادہ سے آچکا ہے

تاکہ روبہ افگند شیرے بچاہ
تاکہ لومڑی شیر کو کنوئیں میں گرا دے

روح۔ سانس نفخ پر قربان ہوتی جس سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہوئی۔ ہر یکے۔ اگر عشق کی تحریک نہ ہو تو ہر چیز ٹھٹھر کے رہ جائے۔ ذرّہ ذرّہ۔ کا ہر ذرّہ کمال کا خواہاں ہے۔

[1] سبّح اللہ۔ قرآن پاک میں ہے یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین کا ذرّہ ذرّہ اللہ کی تسبیح خواں ہے یہ اُس کی تسبیح ان کے عشق کی دلیل ہے اور اس کے ذریعہ وہ جان کے لئے جسم کو فنا کرتے ہیں۔ پہلواں۔ پہلوان حقیقی عشق کو نہ سمجھا اور لونڈی پر عاشق ہو گیا اُس نے کنوئیں کو صاف راستہ سمجھ لیا۔

[2] چوں خیالے۔ وہ پہلوان غیر حقیقت کو حقیقت سمجھ بیٹھا جس طرح انسان خواب میں بے حقیقت حسین سے جماع کرتا ہے اور اپنا مادّہ ضائع کرتا ہے اور بیدار ہو کر پھر افسوس کرتا ہے۔ تخم مردی یعنی عشق۔ ریگے۔ یعنی لونڈی۔ نعرہ۔ یعنی اگرچہ لونڈی سے عشق کرنے میں اندیشہ ہے کہ شاہِ مصر قتل کرا دیگا لیکن مجھے موت کی پروا نہیں ہے۔

[3] ایش۔ اَیُّ شَیْءٍ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ الہویٰ عشق۔ التویٰ ہلاکت۔ مکار کشت کاری نہ کر۔ مشورت کو۔ پہلوان پر تو لالچ سوار تھا وہ کہاں مشورہ کر سکتا تھا۔ مفتونِ خد رخسار کے عاشق کو کچھ نظر نہیں آتا۔ آمدہ۔ جب تباہی آتی ہے تو لومڑی شیر کو کنوئیں میں گراتی ہے جیسا کہ پہلے دفتر میں بیان ہو چکا ہے۔ آز پچھلے دفتر میں لومڑی اور شیر کے قصّہ میں گذرا ہے کہ

از چہے بنمود معدومے خیال
ایک معدوم خیال کنویں سے نمودار ہوا

تا در اندازد اسُود کالجبال
تاکہ پہاڑ جیسے شیروں کو اندر گرادے

ہیچ[1] کس را با زناں محرم مدار
کسی کو عورتوں کا محرم نہ بنا

کہ مثال ایں دو پنبہ است و شرار
کہ اِن دونوں کی مثال رُوئی اور چنگاری کی ہے

آتشے باید نشستہ ز آبِ حق
خدا کے پانی سے آگ بجھی ہوئی ہونی چاہیئے

ہمچو یوسف مُعتصم اندر رہِ حق
جیسے کہ معصوم یوسفؑ جانی ہیں

کز زلیخائے لطیفِ سَرو قد
کہ حسین سَرو قد زلیخا سے

ہمچو شیراں خویشتن را وا کشد
شیروں کی طرح اپنے آپ کو کھینچ لیا

نفسِ[2] خود را کے تواں کردن زبو
اپنے نفس کو مغلوب کب کیا جاسکتا ہے

جُز بامدادِ عقولِ ذوفنوں
اہلِ کمال کی عقلوں کی امداد کے بغیر

جانبِ اتمامِ قصہ باز راں
قصہ کو پورا کرنے کی جانب چل

کایں سخن پایاں ندارد پہلواں
اے پہلوان اس بات کا خاتمہ نہیں ہے

شیر کو اپنا عکس کنویں میں نظر آیا اور وہ اُس سے لڑنے کیلئے کنویں میں کود گیا۔

[1] ہیچ کس۔ یہ خرابی اس لئے آئی کہ شاہ مصر نے پہلوان کو لونڈی کا محرم بنایا۔ آتشے۔ یہ آگ صرف اللہ تعالےٰ کا آبِ رحمت بجھا سکتا ہے۔ یوسفؑ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو بچایا۔ معتصم۔ معصوم۔ زتبق۔ بلوغ کا زمانہ۔ شیراں۔ حضرت یوسفؑ شیر مردوں کی طرح زلیخا سے بچ نکلے۔

[2] نفس۔ نفس کو کسی شیخ کے مشورے سے مغلوب کیا جاسکتا ہے۔ بازگشت۔ پہلوان لونڈی کو لے کر موصل سے چلا تو ایک جنگل اور چراگاہ میں اُس کا پڑاؤ ہوا۔ آتش۔ اُس کے عشق کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ وہ اندھا ہو رہا تھا۔ قصدِ آں۔ وہ عشق سے مجبور ہو کر لونڈی کے خیمہ میں گھس گیا۔ اب نہ اُس میں عقل تھی نہ خلیفہ کا ڈر۔

[3] چوں زند۔ جب شہوت آگ لگاتی ہے تو عقل خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہے۔ فجل۔ ذلیل۔ صد خلیفہ۔ شاہ مصر کیا سیکڑوں شاہ اُس کی نظر میں مکھی سے کم تھے۔

مُراجعت کردنِ پہلوان از موصل بجانبِ مصر و
پہلوان کا موصل سے، مصر کی جانب واپس ہونا اور راستہ

صحبتِ اُو در راہ با کنیزک
میں اُس کا لونڈی سے ہمبستر ہونا

باز گشت از موصل و میشد براہ
وہ موصل سے لوٹا اور راستہ پر روانہ ہوا

تا فرود آمد بہ بیشہ و مرجگاہ
یہاں تک کہ اُس نے جنگل اور چراگاہ میں پڑاؤ کیا

آتشِ عشقش فروزاں آں چناں
اُس کے عشق کی آگ اِس طرح بھڑک رہی تھی

کہ ندانست اُو زمیں از آسماں
کہ وہ زمین اور آسمان میں فرق نہ کرسکتا تھا

قصدِ آں مہ کرد اندر خیمہ اُو
اُس نے خیمہ میں چاند کا قصد کیا

عقل کُو و از خلیفہ خوف کُو
عقل کہاں تھی (اور) خلیفہ کا ڈر کہاں؟

چوں[3] زند شہوت دریں وادی شرار
جب شہوت اِس میدان میں آگ لگا دیتی ہے

عقل را سوزد دراں شعلہ چو خار
عقل کو کانٹے کی طرح اِس شعلے میں جلا دیتی ہے

چوں زند شہوت دریں وادی دہل
جب شہوت اس میدان میں ڈھول بجادیتی ہو

چیست عقلِ تو فجل ابن الفجل
تو اے ذلیل، ذلیل کے بیٹے! تیری عقل کیا ہے!

صد خلیفہ گشتہ کمتر از مگس
سیکڑوں خلیفہ، مکھی سے کم بن گئے

پیشِ چشمِ آتشینش آں نفس
اُس وقت اُس کی شعلہ بار آنکھوں کے سامنے

چوں بروں انداخت شلوار و نشست ۔۔۔ درمیانِ پائے زن آں زن پرست[۵۱]

جب پاجامہ اُتار دیا اور بیٹھ گیا ۔۔۔ وہ عورت پرست، عورت کی ٹانگوں کے درمیان

چوں ذکر سوئے مقر میرفت راست ۔۔۔ رستخیز و غلغل از لشکر بخاست

جب ذکر سیدھا ٹھکانے کی طرف گیا ۔۔۔ قیامت اور شور و غل لشکر سے اٹھا

بر جہید او کون برہنہ سوئے صف ۔۔۔ ذوالفقارِ ہمچو آتش او بکف

وہ ۔۔ صف کی جانب دوڑا ۔۔۔ آگ جیسی تلوار ہاتھ میں لئے

دید شیرِ نر سیہ از نیستاں ۔۔۔ بر زدہ بر قلبِ لشکر ناگہاں

اس نے دیکھا، کالے نر شیر نے جنگل سے ۔۔۔ اچانک وسط لشکر پر حملہ کر دیا ہے

تازیاں چوں دیو در جوش آمدہ ۔۔۔ صد طویلہ و خیمہ اندر ہم زدہ

عربی گھوڑے، دیو کی طرح جوش میں آ گئے ہیں ۔۔۔ سیکڑوں پھاڑیاں اور خیمے درہم برہم کر دیئے

شیرِ نر گنبد ہمی کرد از لغز ۔۔۔ در ہوا چوں موجِ دریا بیست گز

نر شیر گھسنے کے لئے جست لگا رہا تھا ۔۔۔ فضا میں بیس گز دریا کی موج کی طرح

پہلواں مردانہ بود و بے حذر ۔۔۔ پیشِ شیر آمد چو شیرِ مستِ نر

پہلوان بہادر تھا اور بغیر خوف ۔۔۔ مست نر شیر کی طرح، شیر کے سامنے آ گیا

زد[۵۲] بشمشیر و سرش را بر شگافت ۔۔۔ زود سوئے خیمۂ مہ رو شتافت

تلوار ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا ۔۔۔ حسینہ کے خیمہ کی طرف جلد دوڑ گیا

چونکہ خود را او بداں حور نمود ۔۔۔ مردیِ او ہمچناں بر پائے بود

جب اس نے اپنے آپ کو اس حور کو دکھایا ۔۔۔ اس کی مردی اسی طرح قائم تھی

با چناں شیرے بچالش گشتہ جفت[۵۳] ۔۔۔ مردیِ او ماند بر پای و نخفت

ایسے شیر کے ساتھ مقابلہ میں شریک ہوا ۔۔۔ اس کی مردی قائم رہی اور نہ سوئی

آں بتِ شیریں لقائے ماہرو ۔۔۔ در عجب در ماند از مردیِ او

وہ بُتِ شیریں دیدار، چاند سے مکھڑے والی ۔۔۔ اس کی مردی سے تعجب میں پڑ گئی

جفت شد با او بشہوت آں زماں ۔۔۔ متحد گشتند حالی آں دو جاں

وہ فوراً شہوت سے اس سے مل گیا ۔۔۔ فوراً وہ دو جانیں ایک ہو گئیں

ز اتصالِ ایں دو جاں باہمدگر ۔۔۔ میرسد از غیب شاں جانِ دگر

ان دونوں جانوں کے باہم پیوست ہونے سے ۔۔۔ غیب سے ایک دوسری جان پہنچ جاتی ہے

رو نماید از طریقِ زادنے ۔۔۔ گر نباشد[۵۴] از علوقش رہزنے

جننے کے طریق پر رونما ہوتی ہے ۔۔۔ اگر حمل کے لئے کوئی رہزن نہ ہو

ہر کجا دو کس بمہرے یا بکیں ۔۔۔ جمع آید ثالثے زاید یقیں

جب دو انسان محبت یا کینہ سے ۔۔۔ جماع کرتے ہیں، یقیناً تیسرا پیدا ہوتا ہے

---

[۵۱] زن پرست یعنی پہلوان۔ مقر یعنی لونڈی کی شرمگاہ۔ کون برہنہ یعنی اسی حالت میں جس میں وہ لونڈی سے مصروف تھا۔ ذوالفقار۔ دو تلوار تیز۔ اس پہلوان نے دیکھا کہ ایک کالا نر شیر لشکر کے درمیانی حصہ پر حملہ آور ہے۔ تازیاں۔ عربی گھوڑے۔ طویلہ۔ پچھاڑی، اصطبل۔ گنبد ہمی کرد۔ چھلانگ لگا رہا تھا۔ لغز، لغزیدن یعنی لغزیدن۔

[۵۲] زد۔ پہلوان نے شیر پر تلوار کا وار کیا اور اس کا سر پھاڑ دیا اور بہت جلد اس لونڈی کے خیمہ میں چلا گیا چونکہ جب اس لونڈی کے پاس پہنچا تو اس کی شہوت میں کمی نہ آئی تھی۔

[۵۳] چالش۔ جنگی رفتار۔ مردی۔ اس کی شہوت سرد نہ پڑی تھی وہ لونڈی اس کی مردانگی کی اس طاقت سے حیرت میں پڑ گئی۔ جفت شد۔ ہم نے اس کا فاعل پہلوان کو قرار دے کر ترجمہ کیا ہے اگر فاعل لونڈی کو قرار دیا جائے تو ترجمہ دوسرا ہو گا۔ جانِ دگر۔ یعنی پیدا ہونے والا بچہ۔

[۵۴] گر نباشد۔ اگر نطفہ کے استقرار سے کوئی مرض وغیرہ مانع نہ ہو۔ ہر کجا۔ جب مرد و عورت جفتی کرتے ہیں خواہ محبت سے خواہ کینہ سے تو حمل ٹھہر جاتا ہے اسی طرح دو شخص کوئی اور معاملہ کرتے ہیں یا کوئی شخص کسی عمل کے ساتھ جفت بنتا ہے تو اس کے نتائج صورِ معنویہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

لیک اندر غیب نے اید آں صُوَر
لیکن (عالم) غیب میں وہ صورتیں جنتی ہیں
چوں رَوی آں سُو بہ بینی در نظر
جب تو اُس جانب جائیگا، آنکھ سے دیکھ لیگا

آں نتائج کز قرانات تو زاد
اُن نتیجوں کو جو تیرے ملاپ سے پیدا ہوگئے ہیں
ہیں مگرد از ہر قرینے زود شاد
خبردار! ہر ساتھی سے جلد خوش نہ ہو

مُنتظر مباش آں میقات[۵۲] را
تو اُس وعدہ گاہ کا منتظر رہ
صِدق داں اِلحاقِ ذُرّیات را
ذُرّیات کے مِلا دینے کو سچا سمجھ

کز عمل زایندہ اند واز عِلل
کہ وہ عمل اور علتوں سے پیدا ہوئے ہیں
ہر یکے را صورتِ نُطق و کَلَل
ہر ایک کو گویائی اور گونگے پن کی صورت حاصل ہے

بانگِ شاں در میرسد زاں خوشجمال
اُن حسینوں سے انھیں آواز آرہی ہے
کاے زما غافل ہلا زُو تر تعال
کہ اے ہم سے غافل! خبردار، جلد آجا

مُنتظر[۵۳] در غیب جانِ مرد و زن
مرد و عورت کی جان (عالم) غیب میں منتظر ہے
مُول مُولت چیست زُو تر گام زن
تیرا آہستہ آہستہ چلنا کیوں ہے، جلد قدم اُٹھا

راہ گم کرد اُو ازاں صبحِ دروغ
اس نے صبح کاذب کی وجہ سے راستہ گم کردیا
چوں مگس افتاد اندر دیگِ دوغ
مکھی کی طرح چھاچھ کی دیگ میں گر گیا

پشیماں شُدنِ آں سرِ لشکر از خیانتے کہ کردہ بُود و سوگند دادنِ اُو آں کنیزک را کہ بخلیفہ باز نگوید آنچہ رفت

اس لشکر کے سردار کا اُس خیانت سے شرمندہ ہونا جو اُس نے کی تھی اور اُس کا اُس لونڈی کو قسم دینا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خلیفہ سے نہ کہے

چند روزے ہم براں بُد بعد ازاں
وہ چند روز اُسی (حالت) پر رہا اسکے بعد
شُد پشیماں اُو ازاں جُرمِ گراں
وہ اُس بھاری جُرم سے شرمندہ ہوا

داد سوگندش کہ اے بدرِ مُنیر
اُس نے اس کو قسم دی کہ اے روشن چودھویں
کُن حذر تا شہ نگردد زیں خبیر
احتیاط برت تاکہ بادشاہ اس سے خبردار نہ ہو

داد سوگندش کہ اے خورشید رُو
اُس نے اُس کو قسم دی کہ اے سورج جیسے چہرہ والی
با خلیفہ زانچہ شُد رمزے[۵۵] مگو
جو کچھ ہوا خلیفہ سے اُس کا اشارہ نہ کرنا

مختصر گویم بِبُرد آں پہلواں
میں مختصر بتاتا ہوں، وہ پہلوان لے گیا
مر کنیزک را بسُوئے شاہِ جہاں
شاہِ جہاں کی جانب لونڈی کو

چوں بدید اُو را خلیفہ مست گشت
جب خلیفہ نے اس کو دیکھا مست ہوگیا
پس زبام افتاد اُو را نیز طشت
تو اُس کا طشت بھی بالاخانے سے گر گیا

دید صد چنداں کہ وصفش شنیدہ بُود
جو تعریف اس نے سُنی تھی اس کو سو گنا دیکھا
کے بُود خود دیدہ مانندِ شنود
دیکھا ہوا، سُنے ہوئے کی برابر کب ہوتا ہے

یکتا سمایہ ہوگی تو نظر آجاتے ہیں لیکن یہ والہ بد معنوی عالم آخرت میں نظر آئیں گے۔ ہیں۔ تو اب انسان کا فرض ہے کہ اپنے اس قرین کو خوب دیکھ لے جس کے ملاپ سے نتیجہ برآمد ہوگا کہ وہ کس قسم کا ہے۔

۵۲ میقات۔ عالم آخرت۔ اِلحاقِ ذریات۔ قرآن پاک میں ہے ہم قیامت میں مومنین کی مومن ذریت یعنی اولاد کو اُس کے ساتھ کردینگے مولانا نے یہاں ذریت سے اعمال کے نتائج مراد لئے ہیں۔ حق یعنی نیک۔ عمل بقل۔ یعنی بُرے کاموں کے اسباب ستر کے۔ آخرت میں ہر عمل گویا۔ بننے کا نشان۔ یعنی عمل کرنے والے۔ خوش جمال۔ یعنی اعمال کے نتائج۔

۵۳ منتظر۔ عالم غیب میں ہر شخص کے اعمال اُس کے منتظر ہیں۔ مول یعنی نتیجہ عمل۔ زو آگم کرو۔ یہ شعر پہلوان سے متعلق ہے کہ اس نے غلطی کی اور نقصان اُٹھایا صبح دروغ۔ صبح کاذب جس سے دھوکہ کھاکر مسافر چل پڑتا ہے اور لٹ جاتا ہے۔

۵۵ رمزے۔ کوئی اشارہ۔ پس زبام۔ یعنی لڑکی کے عشق میں بدنام ہوگیا۔ کے بود۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ وصف۔ کسی چیز کے اوصاف سننے سے اُس کی تصویر ذہن میں پیدا ہوتی ہے اور اُس کی صورت آنکھ سے نظر آتی ہے۔

وصفِ تصویر ست بہرِ چشمِ ہوش　　صورتِ آں چشم داں نے آں گوش

تعریف، ہوش کی آنکھ کے لئے تصویر کھینچنا ہے　　صورت آنکھ کی ملکیت سمجھ، نہ کہ کان کی

یک مثالے گویم اکنوں گوش دار　　فہم کن امثالِ معنیٰ ہوش دار

میں ایک مثال کہتا ہوں، اب سن　　مثالوں کا مطلب سمجھ، ہوش کر

حکایت

حکایت

کرد مردے از سخندانے سوال　　حق و باطل چیست اے نیکو مقال

ایک شخص نے ایک سخندان سے دریافت کیا　　اے خوش بیان! حق اور باطل کیا ہے؟

گوش را بگرفت و گفت ایں باطل ست　　چشم حق ست و یقینش حاصل ست

اُس نے (اپنا) کان پکڑا اور کہا یہ باطل ہے　　آنکھ حق ہے اور اُس کو یقین حاصل ہے

آں بہ نسبت باطل آمد پیشِ ایں　　نسبت اغلب سخنہا اے امیں

(وہ کان) اِس (آنکھ) کے مقابلہ میں نسبتاً باطل ہے　　اے امین! اکثر باتوں میں نسبت ہے

ز آفتاب ار کرد خفاش احتجاب　　نیست محجوب از خیالے آفتاب

اگر چمگادڑ نے سورج سے پردہ کر لیا ہے　　سورج خیال سے پردے میں نہیں ہے

خوف او را خود خیالش میدہد　　آں خیالش سوئے ظلمت میکشد

(روشنی کا) ڈر اُس کو خود اِس (سورج) کا خیال دے رہا ہے　　وہ خیال اُس کو تاریکی کی جانب کھینچ رہا ہے

آں خیالِ نور می ترساندش　　بر شبِ ظلمات می چفساندش

روشنی کا خیال اُس کو ڈرا رہا ہے　　تاریکیوں کی رات سے اُس کو چپٹا رہا ہے

از خیالِ دشمن و تصویرِ اوست　　کہ تو بر چفسیدۂ بر یار و دوست

دشمن کے خیال اور اُس کی تصویر کی وجہ سے ہے　　کہ تو یار اور دوست سے چپٹا ہوا ہے

موسیا کشفِ لمع بر کہ فراشت　　آں مخیل تابِ تحقیق نداشت

اے موسیٰ! تجلی کا کشف پہاڑ پر پڑا　　وہ خیال کرنے والا اُس کی تحقیق کی طاقت نہیں رکھتا ہے

ہیں مشو غرہ بداں کہ قابلی　　مر خیالش را و زیں رہ واصلی

خبردار! تو اِس میں دھوکا نہ کھا کہ تو قبول کرنے والا ہے　　اُس کے خیال کو، اور تو اُس راہ سے واصل (بحق) ہو

از خیالِ حرب نہراسید کس　　لا شجاعۃ قبل حرب ایں ست و بس

جنگ کے خیال سے کوئی خوفزدہ نہیں ہوتا　　جنگ سے پہلے شجاعت نہیں ہے اسکو سمجھ لے اور بس

بر خیالِ حرب حیز اندر فکر　　میکند چوں رستماں صد کر و فر

نامرد، لڑائی کے خیال سے فکر میں　　رستموں کی طرح سیکڑوں کر و فر کرتا ہے

نقشِ رستم کاں بحمامے بود　　قرنِ حملۂ فکرِ ہر خامے بود

رستم کی تصویر جو کسی حمام میں ہوتی ہے　　ہر ناکس کے فکر کے حملہ کی حریف ہو سکتی ہے

---

۲۳ یک مثالے۔ اِس مثال اور حکایت سے یہی سمجھایا ہے کہ اہلِ شنید کا رتبہ اہلِ دید سے کمتر ہے۔ کرد۔ ایک صاحب نے ایک صاحب سے حق اور باطل کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ گوش۔ اُس نے اپنا کان پکڑ کر بتایا کہ اِس کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا باطل ہے آنکھ کے ذریعہ جو علم ہوتا ہے وہ صحیح اور یقینی ہوتا ہے۔

۳۳ آں بہ نسبت۔ ہم نے سنی ہوئی بات کو دیکھی ہوئی کے مقابلہ میں جو باطل کہا ہے وہ کثرت کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر یہی صورت ہوتی ہے۔ ز آفتاب۔ ورنہ چمگادڑ کو سورج کا علم مشاہدہ سے اگرچہ حاصل نہیں ہے لیکن وہ پھر بھی درست اور صحیح ہے۔ خوف۔ روشنی کا خوف اُس کو سورج کا خیال دلاتا ہے اور وہ خیال اُس کو تاریکی میں لے جاتا ہے۔

۱۵ از خیال۔ دشمن کا خیال اور تصور انسان کو دوست پیدا کرنے اور اُن سے ملنے پر مجبور کرتا ہے۔ جو تو یا حضرت موسیٰ کو مشاہدہ کے درجہ کا علم تھا کوہِ طور کو اِس درجہ کا علم نہ تھا لیکن پھر بھی وہ پہاڑ پر متأثر ہوا۔ لمع۔ چمک۔ تجلی۔ کہ۔ کوہ۔ مخیل۔ یعنی پہاڑ جس کو مشاہدہ حاصل نہ تھا صرف خیال حاصل تھا جیسے۔ لیکن انسان کو حق تعالیٰ کے خیال پر اکتفا نہ کرنا چاہیے وہ محض خیال سے واصل بحق نہ ہوگا۔

۶۲ از خیال۔ لڑائی کا محض خیال اور تصور کوئی چیز نہیں

ایں خیالِ سمع چوں مُبصر شوَد — حیز چہ بُوَد رُستمے مُضطر شوَد
جب کان کا یہ خیال دیکھے ہوئے کی طرح ہو جائے — نامرد کیا ہوتا ہے، ایک رستم بھی مجبور ہو جاتا ہے

جَہد کُن کز گوشِ در چشمت رسَد[۵۳] — آنچہ آں باطل بُدست آں حق شوَد
تو کوشش کر کہ وہ کان تیری آنکھ میں آ جائے — جو باطل (نظر آتا) تھا وہ حق ہو جائے

زاں سپس گوشت شوَد ہم طبعِ چشم — گوہرے گردد دو گوشت ہمچو پشم
اسکے بعد تیرا کان بھی آنکھ کا ہم مزاج بن جائیگا — تیرے پشم جیسے دونوں کان گوہر بن جائیں گے

بلکہ جملہ تن چو آئینہ شوَد — جملہ چشم و گوہرِ سینہ شوَد
بلکہ پورا جسم آئینہ کی طرح ہو جائے گا — سب آنکھ اور سینہ کا جوہر ہو جائے گا

گوش انگیزد خیال و آں خیال — ہست دلّالہ وصالِ آں جمال
کان ایک خیال پیدا کرتا ہے اور وہ خیال — اُس حسن کے وصال کی مشاطہ بن جاتا ہے

جَہد کُن تا ایں خیال افزوں شوَد — تا دلالہ رہبرِ مجنوں شوَد
کوشش کر تاکہ یہ خیال بڑھے — تاکہ مجنوں کے لئے مشاطہ رہبر بن جائے

آں[۵۵] خلیفہ گول ہم یک چند نیز — ریش گادی کرد خوش با آں کنیز
اُس احمق خلیفہ نے بھی کچھ دن — اُس لڑکی کے ساتھ حماقت برتی

مُلک را تو مُلکِ غرب و شرق گیر — چوں نمی ماند تو آں را برق گیر
تو سلطنت کو مغرب اور مشرق کی سلطنت فرض کرلے — جبکہ وہ باقی نہیں رہتی تو اُسکو بجلی (کی کوند) سمجھ

مملکت کاں می نماند جاوداں — اے دلت خفتہ تو آں را خواب داں
وہ سلطنت جو ہمیشہ نہ رہے — اے کہ تیرا دل سویا ہوا ہے تو اُسکو خواب سمجھ

تا چہ خواہی کرد آں بادِ بروت — کہ بگیرد ہم چو جلادے گلوت
تو اُس غرور کا کیا کرے گا؟ — جو جلاد کی طرح تیرا گلا پکڑے

ہم[۵۶] دریں عالَم بداں کہ مامنے ست — از منافق کم شنو کہ گفت نیست
اسی دنیا میں جان لے کہ امن کی جگہ ہے — منافق سے نہ سن جس نے کہا کہ نہیں ہے

حُجّتِ منکرانِ آخرت و بیانِ ضُعفِ آں حُجّت

آخرت کے منکروں کی دلیل اور اُس دلیل کی کمزوری کا بیان

حُجّتش ایں ست گوید ہر دمے — گر بُدے چیزے دگر من دیدمے
اُس کی یہ دلیل ہے اور ہر وقت کہتا ہے — اگر کوئی اور چیز ہوتی تو مجھے نظر آتی

گر نہ بیند کودکے احوالِ عقل — عاقلے ہرگز کُند از عقل نقل
اگر کوئی بچہ عقل کے احوال نہیں دیکھتا ہے — (تو) عقلمند کبھی عقل کو ترک کرے گا

ہے بلکہ مشاہدہ اصل ہے۔ حیز۔ مخنث اور بزدل بھی خیالی لڑائی میں بہت کروفر دکھاتا ہے۔ نقش۔ رستم کی خیالی تصویر سے تو ہیجڑا حریف بنتا ہے۔ ایں خیال۔ خیال بیکار ہے لیکن اگر خیال مشاہدہ کے درجے میں آ جائے تو پھر مفید ہو جاتا ہے۔

[۵۳] جہد کن۔ انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ مسموع مشہود بن جائے اور اُس میں کسی باطل کا احتمال نہ رہے۔ زاں سپس۔ اس کے بعد کان آنکھ کا رتبہ حاصل کریگا۔ پشم معمولی بے قدر ہے یعنی کان جو کم قیمت چیز ہے اب وہ گوہر بیش قیمت بن جائیگا۔ بلکہ۔ کوشش سے●

[۵۵] آں خلیفہ۔ خلیفہ بھی اُس لڑکی سے احمقانہ عشق کرنے لگا۔ ملک۔ یہ اس کی خرمستی سلطنت کی وجہ سے تھی سلطنت خواہ مشرق و مغرب کی ہو وہ بجلی کی کوند سے زیادہ نہیں ہے۔ مملکت۔ انسان جس کو سلطنت سمجھتا ہے اُس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ تا چہ۔ یہ سلطنت کا گھمنڈ انسان کے لئے جلاد کا کام کرتا ہے۔

[۵۶] ہم دریں عالم۔ اس دنیا کو اور اُس کی سلطنت کو امن کی جگہ نہ سمجھ امن کی جگہ عالمِ آخرت ہے۔ حجتش۔ عالم آخرت کے منکر کی دلیل یہ ہے کہ اگر عالم آخرت ہوتا تو میں اُس کو دیکھ سکتا۔ گر نہ بیند۔ لیکن کسی کے نہ دیکھ سکنے سے اس چیز کا انکار کیسے ہو سکتا

● صرف کان ہی نہیں تمام جسم آنکھ کا رتبہ حاصل کرے گا۔ گوہر سینہ یعنی دل۔ گوش۔ حسن کی بات سُن کر انسان وصالِ محبوب تک پہنچ جاتا ہے۔ آں خیال۔ سننے سے جو خیال پیدا ہوا ہے اُس کو وصال کا راہبر بنا لے۔

ورنہ بیند عاقلے احوالِ عشق — کم نگردد ماہِ نیکو فالِ عشق

اگر کوئی عقلمند عشق کے احوال نہیں دیکھتا ہو — (تو) عشق کا نیک فال چاند نہیں گھٹتا ہے

حُسنِ یوسفؑ دیدۂ اِخواں ندید — از دلِ یعقوبؑ کے شُد ناپدید

یوسفؑ کے حُسن کو بھائیوں کی آنکھ نے نہ دیکھا — (حضرت) یعقوبؑ کے دل سے کب چھپا؟

مر عصا را چشمِ موسیٰؑ چوب دید — چشمِ قبطی افعیؔ و آشوب دید

(حضرت) موسیٰؑ کی آنکھ نے عصا کو لکڑی دیکھا — قبطی کی آنکھ نے (اسکو) اژدھا اور مصیبت دیکھا

چشمِ سر با چشمِ سر در جنگ بُود — غالب آمد چشمِ سر حجت نمُود

باطن کی آنکھ سر کی آنکھ سے جنگ میں تھی — باطن کی آنکھ غالب ہوگئی، ثبوت پیش کردیا

چشمِ موسیٰؑ دستِ خود را دست دید — پیشِ چشمِ غیب نورے بکر پدید

(حضرت) موسیٰؑ کی آنکھ نے اپنے ہاتھ کو ہاتھ دیکھا — غیب کی آنکھ کے سامنے ایک نور ظاہر تھا

ایں سخن پایاں ندارد ہر کمال — پیشِ ہر محروم باشد چوں خیال

اس بات کا خاتمہ نہیں ہے، ہر کمال — ہر محروم کے سامنے خیال کی طرح ہوتا ہے

چوں حقیقت پیشِ اُو فرج و گلوست — کم بیاں کُن پیشِ اُو اسرارِ دوست

جبکہ اس کے سامنے حقیقت شرمگاہ اور حلق ہے — دوست کے راز اُس کے سامنے بیان نہ کر

پیشِ ما فرج و گلو باشد خیال — لاجرم ہر دم نماید جاں جمال

ہمارے سامنے شرمگاہ اور حلق خیال ہے — لامحالہ جان ہر وقت جمال دکھاتی ہے

ہر کرا فرج و گلو آئین و خوست — آں لکُم دینُکُم وَلِی دین بہرِ اوست

جس شخص کا طریقہ اور عادت شرمگاہ اور حلق ہے — تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین اسکے لئے ہے

باچُناں انکار کوتہ کُن سخن — احمدا کم گوے باگبرِ کہن

ایسے انکار کے ہوتے ہوئے بات مختصر کر — اے احمدؐ! پرانے کافر سے بات نہ کر

ہے۔ بے عقل عشق کے احوال کو نہیں دیکھ سکتا لیکن عقلمند تو اُس کا انکار نہ کرے گا۔

۵۳ ورنہ بیند۔ اگر کوئی صاحب عقل عشق کے احوال نہیں دیکھ سکتا ہے تو اس کے نہ دیکھنے سے عشق میں کوئی نقصان نہیں آتا ہے۔ جیسے یوسفؑ کا حسن بھائیوں کو نظر نہ آیا تو اس سے اُس کا انکار نہیں کیا جاسکتا مر عصا۔ حضرت موسیٰؑ ابتداءً عصا کی حقیقت نہ دیکھ سکے لیکن اُس کا وجود تھا تب ہی قبطی نے اس کو دیکھ لیا۔

۵۵ چشمِ موسیٰ۔ ایک ہی چیز ایک کے لئے خیال ہے دوسرے کے لئے یقینی۔ ایں سخن ایک ہی چیز کی مختلف نگاہوں میں مختلف حیثیت کا بیان فرج و گلو۔ جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو ہی حقیقت سمجھے اُس کو اسرار کی باتیں سنانا بیکار ہے۔ پیش ما۔ جو لوگ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے بری ہیں اُن کو نور باطنی حاصل ہوتا ہے۔

۵۷ لکم دینکم۔ سورۂ الکافرون میں آنحضورؐ کو خطاب ہے کہ اِن کافروں سے کہہ دیجئے تمہارے

شرح

خلیفۂ مصر سے ایک غماز نے کہا کہ بادشاہ موصل ایک حُور سے ہم آغوش ہے یعنی اسکے پہلو میں ایک کنیزک ہے جس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی اور چونکہ وہ بیحد حسین ہے اسلئے اس کا حُسن بیان سے باہر ہے اگر آپ کو میرے بیان میں کچھ مبالغہ معلوم ہو۔ تو لیجئے یہ اسکی تصویر ہے جو اس کاغذ میں موجود ہے آپ اسے میرے بیان کی تصدیق فرمائیں۔ جب ——— خلیفہ نے کاغذ میں اسکی تصویر کا مطالعہ کیا تو مبہوت ہوگیا اور

جام شراب اسکی ہاتھ سے گر گیا جب حواس درست ہوئے تو اسنے ایک نہایت بہادر افسر کو بہت بڑی فوج کے ساتھ شاہ موصل کی طرف روانہ کیا اور اسکو ہدایت کر دی کہ اگر وہ اس کنیزک کو دینے سے انکار کرے تو موصل کو تہس نہس کر دید اور اگر وہ اس کو تمہارے حوالہ کر دے تو اسکے کچھ تعرض نہ کرنا اور صرف اس چاند کو لے آؤ۔ تاکہ میں زمین پر ہی چاند کو بغل میں لینے کا فخر حاصل کروں۔

یہ ہدایت سنکر وہ پہلوان لاؤ لشکر اور ہزاروں شجاعان جنگی اور طبل وعلم کے ساتھ موصل کو روانہ ہوگیا۔ اور جس طرح بہت بڑا ٹڈی دل ..... کھیت کے گرد جمع ہوکر اسکو تباہ کرنا چاہتا ہے یوں ہی یہ ٹڈی دل سپاہ اہلِ موصل کے تباہ کرنے پر آمادہ ہوگئی اور ہر طرف کوہ قاف کی مانند بڑے بڑے منجنیق قائم کرکے ان سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور یہ حالت تھی کہ تیر اور منجنیقوں سے پتھر برس رہے تھے اور لوگوں کو زخمی کر رہے تھے اور تلواریں اپنی چمک کے سبب گرد میں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ابر میں بجلیاں کوند رہی ہوں۔

القصہ ایک ہفتہ تک انہوں نے یوں ہی خون ریزی کا بازار گرم رکھا اور قلعہ سنگین موم کی طرح نرم یعنی قابل تسخیر ہوگیا۔ پس جبکہ شاہ نے اس خوف ناک جنگ کا مشاہدہ کیا تو اس نے اپنے یہاں سے ایک قاصد روانہ کیا اور پوچھا کہ ان مسلمانوں کے خون سے ... جو کہ اس شدید جنگ کے سبب شہید ہو رہے ہیں۔ تمہارا کیا مقصد ہے اگر تمہارا مقصود ملک اور شہر پر قبضہ کرنا ہے تو میں یہ تم کو بدوں اس خونریزی کے دے سکتا ہوں۔ لو میں جاتا ہوں تم آجاؤ اور جنگ کو چھوڑ دو۔ تاکہ مظلوموں کا خون تمہارا دامن گیر نہ ہو۔ اور اگر مال اور دولت حاصل کرنا مقصود ہے تو یہ تو ملک اور شہر سے بھی زیادہ معمولی ہے جو کچھ اور جس قدر مال تمکو مطلوب ہو میں تمہارے پاس بھیجدوں۔ پھر یہ شور و شر کیوں ہے یہ پیغام لے کر قاصد روانہ ہوگیا اور جبکہ وہ اس افسر کے حضور میں حاضر ہوا تو اسنے پیغام شاہی اس سے

بیان کر دیا اسنے اس کے جواب میں کہا کہ نہ مجھے ملک مطلوب ہے اور نہ مال۔ میں تو ایک
حسین کا طالب ہوں یہ کہہ کر رقعہ اسکے حوالہ کر دیا جس میں اسکی تصویر تھی اور یہ کہہ دیا کہ
اپنے بادشاہ سے میرا یہ پیغام صاف صاف کہہ دینا کہ غور سے دیکھ لو کہ کس کی صورت
ہے اور جس کی یہ صورت ہے اسکو ہمارے حضور میں روانہ کر دو ہم نہ تمہیں کچھ کہیں گے
نہ تمہارے ملک کو۔ میں مکرّر کہتا ہوں کہ اس مرقع کو دیکھ لو۔ میں اس کا طالب ہوں
اور اسے میرے حوالہ کر دو۔ ورنہ میں ملک پر قبضہ کرتا ہوں۔ جب قاصد شاہی یہ پیغام لیکر
لوٹا۔۔ تو اس نے اس کو بادشاہ کے حضور میں عرض کر دیا اور مرقع ان کے حوالہ کر دیا اور
تصویر دکھلا دی اور بادشاہ نے پیغام کا مدعا سمجھ لیا۔ اب سُنو! کہ اس مرد بادشاہ نے
اس کا کیا جواب دیا۔ اسنے نہایت بے پرواہی کے ساتھ کہا کہ اچھا! ایک تصویر نہ سہی اسے
تم لے جاؤ۔ میں اپنے زمانہ ظہور اسلام میں بُت پرست نہیں ہوں کہ بُت پرستی کروں
وہ بُت پرست ہے۔ اسلئے بُت کا اسی کے پاس ہونا زیادہ مناسب ہے یہ کہہ کر
اسنے لڑکی کو بڑے ساز و سامان کے ساتھ قاصد کے حوالہ کیا۔ اور قاصد اسکو لیکر
لشکر گاہ کو روانہ ہو گیا اور افسر کے حوالہ کر دیا جبکہ وہ قاصد کنیزک کو افسر کے پاس
لے گیا تو وہ اسے دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔ یہاں تک اس واقعہ کو پہنچا کر آگے مولانا
انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق ایک سمندر ہے اور آسمان اس پر مثل خس و خاشاک
کے ہے۔ یعنی گردش فلک کا منشا عشق ہے جس طرح کہ گردش خس و خاشاک کا سبب
تلاطم سمندر ہے اور وہ زلیخا کی طرح ایک ایک یوسف کی محبت میں سرگردان ہے
خلاصہ یہ ہے کہ تم گردش کا سبب۔ موجِ عشق کو سمجھو

اور ایک آسمان ہی کی ... کیا تخصیص ہے ہم تو
کہتے ہیں کہ نظام عالم ہی عشق پر مبنی ہے کیونکہ اگر عشق نہ ہوتا تو اجزائے عالم ایک
دوسرے سے کشیدہ رہتے اور جماد۔ نبات میں فنا نہ ہو سکتا۔ اور مٹی اور پانی نبات
نہ بن سکتی۔ اور نباتات حیوان پر قربان نہ ہو سکتی اور اغذیہ جزو حیوان ہو کر اس کی تربیت

نہ کر سکتیں۔ اور روح اس صاحب نفخ (حق سبحانہٗ) پر قربان نہ ہوتی۔ جس کی نسیم فیض سے مریم بے شوہر کے حاملہ ہوگئیں تھیں۔ بلکہ ہر چیز اپنی جگہ پر برف کی طرح اکڑ کی رہ جاتی۔

اور ملخ کی طرح دوسری چیز کی طالب اور جویاں نہ ہوتی۔ پس جو اتساق و انتظام ان کی آپس کے تعلق سے مشاہد ہے وہ اتساق و انتظام ناممکن ہو جاتا۔ شاید کسی کو ہمارے بیان سے شبہ ہو کہ حق سبحانہٗ پر صرف روح ہی عاشق ہے اسلئے اس کا دفع کرنا... مناسب معلوم ہوتا ہے سنو! یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر ذرہ اصالۃً حق سبحانہٗ کے جمال پر عاشق ہے اور اس بنا پر وہ پودے کی طرح علو معنوی حاصل کر رہا ہے اس ترقی سے ہماری مراد وہ ترقی ہے جو ان کو تسبیح حق سبحانہٗ سے حاصل ہے (جس کو حق سبحانہٗ نے سبح للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض سے بیان فرمایا ہے) اور اس طرح وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنے جسم کا تنقیہ کرتے ہیں۔

(فائدہ: تفصیل اس کی یہ ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں حق سبحانہٗ کی شوائب نقص سے پاک ہونے کا اظہار۔ اور یہ اظہار دو طرح کا ہوتا ہے اوّل تکوینی اور دوسرے تشریعی پس چونکہ ہر چیز سے حق سبحانہٗ کا کمال علم و قدرت و حکمت وغیرہ ظاہر ہوتا ہے اور ہر چیز مسخّر امر الٰہی ہے اسلئے تسبیح تکوینی تو..... ہر چیز کے لئے ثابت ہوگی۔ اور تسبیح تشریعی سو اس کا تعلق صرف مکلّفین سے ہوگا۔ اور وہ دو قسم کی ہوگی... اوّل وہ جو موافق امر الٰہی ہو جیسے تسبیح طائعین۔ دوسری وہ جو خلافِ امر الٰہی ہو جیسے تسبیح عاصین مثل کفّار کہ ان کی تسبیح غیر اللہ بھی مآلاً تسبیح حق سبحانہٗ ہے کیونکہ وہ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں تو یا ان کمالات کی بنا پر کرتے ہیں جو کہ ان کے لیے ثابت نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہٗ کے لیے ثابت ہیں جیسے ان کا بالذات نافع یا ضار ہونا یا ان کمالات کی بنا پر کرتے ہیں جو کہ ان کے لیے بعطاءِ حق ثابت ہیں جیسے آگ یا ستاروں کا روشن ہونا وغیرہ اور ہر صورت میں یہ تسبیح راجع بحق سبحانہٗ ہے گو مسبّحین کا مقصود نہیں تسبیحِ اوّل مقبول ہے اور تسبیح ثانی مردود۔ اس سے ثابت ہوا کہ عالم میں ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے خواہ وہ تسبیح تکوینی ہو یا تشریعی اور مقبول حق سبحانہٗ ہو

یا مردود حق سبحانہٗ ۔ اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر چیز عاشق حق سبحانہٗ ہے کیونکہ اس مقام پر عشق سے مراد مطلق منشأ و مبدار تسبیح ہے ۔ خواہ وہ عشق متعارف ہو یا غیر متعارف ۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ مولانا نے تسبیح کی علّتِ غائی تنقیہ تن فرمایا ہے

پس چونکہ تسبیح دو قسم کی تھی اسلئے تنقیہ بھی دو قسم کا ہوگا ایک عام جس کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ ہر چیز تکوینی طور پر مسخر امر الٰہی ہے اور اطاعت حق کے لیے اس نے اپنے جسم کو مشقت طاعت میں ڈال رکھا ہے ۔ اسلئے کہ گویا کہ وہ اس طرح اپنے جسم کا تنقیہ کر رہے ہیں تاکہ مادۂ عصیان اس کی جان کو ہلاک نہ کر دے ۔ یہ تنقیہ تو تکوینی ہوگا جو کہ تسبیح تکوینی سے متعلق ہوگا ۔ اور دوسرا تنقیہ خاص ۔ یہ تنقیہ تسبیح تشریعی کی طرح صرف مکلّفین کے ساتھ مخصوص ہوگا ۔ اور تسبیح تشریعی کی طرح وہ بھی دو قسم کا ہوگا ۔ ایک واقعی اور دوسرا خیالی ۔ تنقیہ واقعی طائعین کا ہے ۔ اور تنقیہ خیالی عاصین کا ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر چیز خدا پر عاشق ہے خواہ بعشق تکوینی ہو یا بعشق تشریعی ۔ اور ہر چیز کے لیے ہر قسم کے عشق سے اس عشق کے مناسب ایک تسبیح ثابت ہوتی ہے اور ہر تسبیح پر اسکے مناسب ایک تسبیح ثابت ہوتی ہے اور ہر تسبیح پر اسکے مناسب تنقیہ تن مرتب ہوتا ہے ۔ واللہ اعلم)

خیر ! یہ مضمون تو استطرادی تھا ۔ اب سنو کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ وہ افسر اس کنیزک پر عاشق ہوگیا ۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اسکو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا ۔ بلکہ اسکو دیکھنا چاہیئے تھا کہ یہ کمال اس میں کہاں سے آیا ہے اور اسکے مبدأ پر عاشق ہونا چاہیئے تھا ۔ لیکن اس نے ایسا نہیں دیکھا ۔ اس نے کنوئیں کو رستہ اور ایک مُضر شے کو اپنے لیئے مفید سمجھا ۔ اسلئے وہ اس پر عاشق ہوگیا ۔ اور ایک زمین شورا ور بے نتیجہ شئے اُسے پسند آگئی ۔ اور اسی میں اپنا تخم عشق بو دیا ۔ اسلئے اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک شخص سو رہا ہو اور اسکو خواب میں ایک خیالی صورت دکھلائی دے

اور وہ اس سے ہمبستر ہو اور اپنی منی گرا دے۔ اور جب ایسا شخص جب خواب سے بیدار ہو گا تو دیکھے گا کہ وہ معیت چین بیداری کے وقت نہیں ہے اس پر وہ افسوس کریگا اور کہے گا۔ کہ افسوس! میں نے اپنی منی کو ایک بے حقیقت چیز پر ضائع کر دیا۔ اور اس دھوکہ باز کا دھوکہ کیا گیا ــــ پس یہی حالت اس افسر کی ہے اور اس کو بھی اپنے اس فعل پر ایک وقت میں ندامت ہوگی۔ اچھا اب سنو! کہ اس بیہودگی کا منشا کیا تھا جو اس افسر نے کی۔ سو بات یہ ہے کہ بس وہ جسم ہی کا پہلوان تھا۔ اور حقیقت مردے (یعنی قوت و کمال ایمانی) اسے حاصل نہ تھی اسلئے اس نے مردانگی کا بیج (یعنی عشق جو کہ جڑ ہے قوت و کمال ایمانی کی) ریت میں بو دیا۔ یعنی ایک فانی پر عاشق ہو کر یہ اپنے عشق کو بے نتیجہ بنا دیا۔ خیر اس کا تو عشق... سرکش اور بے قابو ہو گیا تھا۔ اور وہ جوشِ عشق سے فاختہ کی طرح نعرہ لگا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ مجھے خلیفہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے میں عشق میں بادشاہ کی کیا پرواہ کروں گا۔ میرے نزدیک تو زندگی اور موت دونوں برابر ہیں پس مجھے خلیفہ سے کس بات کا خوف ہو سکتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس بے باک افسر سے کوئی کہے کہ میاں! تخم... عشق کے بونے میں اس قدر جانفشانی نہ کرو۔ ذرا اس معاملہ میں کسی جاننے والے سے بھی مشورہ کر لو۔ تاکہ وہ اسکے نشیب و فراز سے تمہیں واقف کرے اور تمہارے فعل کی خرابی تم کو سمجھاوے مگر کجا صلاح و مشورہ اور کجا عقل۔ اسکے سیلابِ حرص نے تو عقل کے پرخچے اُدھیڑ دیئے ہیں پھر وہ صلاح و مشورہ کیونکر کرے گا اور اسکی تو آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار ہے پھر وہ مفتونِ رخسار آگا پیچھا کیسے دیکھے گا اور اسکی قصرِ جان میں تو عشق کا سیلابِ عظیم آ چکا ہے۔ اب وہ کیونکر بچے گا۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہو گا۔ کہ ایک لومڑی (کمزور عورت) ایک شیر (اتنے بڑے بہادر) کو تباہی کے کنوئیں میں گرا دیگی۔ اور اب تو کنوئیں سے ایک معدوم شے محسوس نظر آنے لگی ہے لہذا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ خیالی شے پہاڑوں کی طرح غیر متزلزل شیروں

کو اس میں گرا دیگی۔ پھر وہ افسر کیسے بچ سکے گا۔

الحاصل وہ حُسنِ فانی سے دھوکا کھا کر عشق کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا ہے اب اسکی نجات کی کوئی سبیل نہیں نظر آتی۔ خیر! اس واقعہ کو تو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! تم اس واقعہ سے عبرت پکڑو۔ اور کسی شخص کو عورتوں کا محرم نہ بناؤ۔ کیونکہ عورت اور مرد کی مثال روئی اور آگ کی سی ہے پس جبکہ ان میں اتصال اور اختلاط ہو گا تو نتیجۂ بد کا پیدا ہونا ضروری ہے ـــــ مرد کا عورت کے ساتھ اختلاط ہو اور معصیت سے ملوّث نہ ہو اسکے لیے ضرورت ہے کہ آبِ رحمت حق سے آتشِ شہوت دبی ہوئی ہو۔ جیسے کہ حرام کاری کے مقابلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام معصوم تھے کہ وہ زلیخا سے خوب صورت اور سرو قد عورت سے اپنے کو شیروں کی طرح الگ کھینچتے ہیں اور باوجود اسکے خواہش اور اصرار شدید کے معصیت میں ملوّث نہیں ہوتے۔

اچھا اب سمجھو! کہ وہ آگ کیونکر دب سکتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کو کچل دیا جائے اور نفس کو بدوں امداد عقول کاملہ (اہل اللہ) کے نہیں کچلا جا سکتا اسلیئے اس آگ کو دبانے کے لیے ضرورت ہے امداد و تربیت اہل اللہ کاملین کی۔ پس اگر تم اس آگ کو دبانا چاہتے ہو۔ تو ان سے مدد لو۔ اور اپنے کو ان کے سپرد کر کے ان سے تربیت حاصل کرو۔

(فائدہ: واضح ہو کہ مولانا کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نفس کشی اور تہذیب اخلاق کے بعد آدمی کو اختلاط با زناں کی اجازت ہو جاتی ہے اور ایسا کرنا اس کے لیے مباح ہو جاتا ہے۔ بلکہ مولانا کا مقصود صرف اس قدر ہے کہ اگر شخص مذکور کو کسی مجبوری سے عورتوں کے ساتھ اختلاط ہو جائے تو وہ خود اسکے ضرر سے محفوظ رہ سکتا ہے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے ساتھ غیر اختیاری اختلاط ہو گیا تھا۔ تو وہ بچ گئے تھے اسسے یہ لازم نہیں آتا کہ انکو باختیار خود ایسا کرنا جائز ہو جائے راز اس کا یہ ہے کہ گو کسی کا نفس کتنا ہی مُردہ ہو جائے مگر وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا

کہ اسکے اندر تقاضائے معصیت بالکل نہ رہے بلکہ فی الجملہ تقاضائے نفس سب میں ہوتا ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء ــــــــ جیساکہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں " یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس شد فراق صدر جنت طوق نفس (اسکی شرح شروع دفتر دوم میں گذر چکی ہے اسکو دیکھ لو) مگر انبیاء اور غیر انبیاء میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ انبیاء کو تقاضائے نفس کو مغلوب کرنے کی پوری قوت حاصل ہوتی ہے اور حق سبحانہ کی جانب سے ان کی حفاظت کا وعدہ بھی ہوتا ہے اسلئے وہ تقاضائے نفس پر اسکو خلاف مرضی الٰہی سمجھ کر عمل نہیں کرتے اور صدور گناہ ان سے ناممکن ہوتا ہے۔

اور غیر انبیاء کو نہ تقاضائے نفس کے مغلوب کرنے پر وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور نہ حق سبحانہ کی طرف سے ان کی حفاظت کا وعدہ ہوتا ہے اسلئے وہ نفس کو مخالف مرضی حق جان کر اس پر عمل کر سکتے ہیں یعنی ایسا کرنا ان کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ اب غیر انبیاء کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو مغلوب نفس اور اسکے ہاتھ میں کھلونا ہوتے ہیں کہ وہ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے پس یہ لوگ تو اہل ہوٰی کہلاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس مغلوب ہوتا ہے اور وہ اس پر غالب ہوتے ہیں ایسے لوگ اہل اللہ کہلاتے ہیں اور چونکہ غلبہ قابل شدت و ضعف ہے اسلئے اسکی درجات متفاوت ہوتے ہیں اور اسکی ان کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے اور بعض دوسرے بعض سے اکمل ہوتے ہیں۔ پس چونکہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہیں اسلئے انکو ہر وقت خطرہ ہے معصیت میں مبتلا ہو جانے کا۔ لہٰذا انکو قصداً اختلاط بازناں کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی اپنے کو اپنے نفس پر بالکل قابو یافتہ یا اسکو بالکل مُردہ سمجھ کر عورتوں کے ساتھ اختلاط کو اپنے لیے مُضر نہ سمجھے تو یہ اسکی غلطی ہے۔ اور خود اس کا ایسا سمجھنا ہی دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا نفس زندہ ہے جو کہ اسکو اس دھوکہ میں ڈال کر اس سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔

اور مولانا کے الفاظ آتشی باید نشستہ ز آب حق ۔ اور نفس خود را کے تواں کردن زبوں میں ہمارے مضمون بالا کی صریح تائید ہے کیونکہ انہوں نے آتش کو نشستہ اور نفس کو زبوں کہا ہے اور مُردہ نہیں کہا جس میں اشارہ ہے اسکے زندہ اور منکسر السورۃ ہونے اور معدوم محض نہ ہونے کی طرف ——— اور جہاں کہیں الفاظ مُردہ وغیرہ لقا معشوق اسکی رجولیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئی ۔ اب وہ شہوت سے اسکے ساتھ ہمبستر ہُوا وہ دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو کر ایک جان ہو گئے اور ان دونوں کے اتصال سے ان کو غیب سے ایک اور جان عطا ہو رہی تھی ان دونوں کو ایک بنا رہی تھی ۔ اگر وہاں مانع حمل نہ موجود ہوتا تو طریق ولادت سے اس کا ظہور ہوتا ۔

اب سمجھو کہ یہ کچھ انہیں کے اتصال کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ جب کبھی ۲ دو شخصوں کا محبت یا عداوت سے اجتماع ہوتا ہے تو یقیناً وہاں ایک تیسری شی پیدا ہوتی ہے لیکن وہ صورتیں عام طور پر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ وہ عالم غیب میں پیدا ہوتی ہیں ۔ جب تم وہاں جاؤ گے اسوقت وہ تمہیں دکھلائی دیگی ۔

ہماری مراد ان صورتوں سے وہ نتائج ہیں جو کہ تمہارے اقترانات و اتصالات یا افعال و غیر افعال سے پیدا ہوتے ہیں ۔ پس تم کو چاہیئے کہ ہر مقارن کے اقتران سے تم کو فوراً خوش نہ ہو جانا چاہیئے کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ اسکے اقتران سے کیسی صورت پیدا ہو گی ۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر کسی فعل یا غیر فعل کی مقارنت پیدا کرنی چاہیئے تاکہ اس اقتران سے بُرے نتائج پیدا نہ ہُوں ۔

(مطلب یہ ہے کہ جو کام بھی تم کرو اور جس شخص کے ساتھ اختلاط کرو اسکے متعلق یہ سوچ لو ۔ کہ اسکی کوئی بُرا نتیجہ تو نہ پیدا ہوگا ۔ اگر بُرا نتیجہ پیدا ہو تو اسکو چھوڑ دو ۔ اور اگر اچھا نتیجہ پیدا ہو تو اُس کو اختیار کرو)

تم اس وقت کے منتظر رہو جبکہ وہ تم کو دکھلائی دیں گے اور ان ذریات کو کے الحاق کو حق سمجھو ۔ جو کہ ہر ایک کے لیے اسکی اعمال سے جو کہ ان کے لیے علتیں ہیں یوں ہی پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ اپنی علتوں سے گویائی اور گونگا پن پیدا ہوتی ہیں ۔ یا جیسے کہ گویائی اور گونگے پن سے ان کے آثار پیدا ہوتے ہیں ۔ ان خوش جمال نتائج

اعمال) کی طرف سے لوگوں کو ہردم یہ آواز پہنچ رہی ہے کہ ارے غافلو! ہم سے جلدی آکرہم سے ملو۔ ہم کہ مردوں اورعورتوں کی جان اوران کے نیچے ہیں تمہارے منتظر ہیں پس تم کو توقف کیوں ہے جلدی آؤ اور ہم سے ملو۔

[فائدہ: نتائج اعمال کو باوجودیکہ ان میں اچھے اور برے دونوں ہیں استعمال کیئے ہیں وہاں مردہ سے یہی معنی مراد ہیں۔ پس اس مضمون کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اور دھوکا نہ کھانا چاہیئے واللہ اعلم)

اچھا اب اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے اتمام قصہ کی طرف لوٹنا چاہیئے کیونکہ یہ گفت گو تمام نہیں ہوسکتی۔ اچھا سنو! افسر مذکور موصل سے روانہ ہوگیا اور چلتے چلتے وہ ایک بن میں پہنچا۔ جہاں اسنے پڑاؤ ڈال دیا چونکہ اس کی آتش عشق اس قدر بھڑک رہی تھی اور وہ اسکے اس قدر بے خود ہوگیا تھا کہ زمین اور آسمان میں اسکو امتیاز نہ رہا تھا۔ اسلئے اسنے خیمہ کے اندر اس کنیزک سے ہمبستری کا قصد کیا عقل کہاں اور خلیفہ کا خوف کہاں۔ جو اسکو ایسا کرنے سے باز رکھے کیونکہ جب شہوت آدمی کے اندر شعلہ زن ہوتی ہے تو عقل کو یونہی بھسم کردیتی ہے جیسے شعلہ آتش کانٹوں کو۔ اور جبکہ وہ آدمی پر اپنا تسلط کرتی ہے تو پھر بے چارے عقل کی کیا حقیقت ہوتی ہے کہ اسکی مزاحم ہو۔ اس وقت اس کی دہکتی ہوئی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں خلیفہ مکھی سے زیادہ بے وقعت ہوتے ہیں اسلئے وہ اس فعل پر آمادہ ہوگیا اور جبکہ وہ زن پرست پاجامہ اتار کر کنیزک کے پاؤں کے درمیان بیٹھا ہے اور جبکہ عضو تناسل اپنے مقام کی طرف سیدھا جارہا تھا اس وقت لشکر میں ایک شور قیامت برپا ہوا اس شور کو سنکر وہ ننگا ہی صف لشکر کی طرف یوں دوڑا کہ شعلہ آتش کی طرح چمکتی ہوئی تلوار اسکے ہاتھ میں تھی اور اس طرح وہ وہاں پہنچا اور جا کر دیکھا کہ ایک کالا شیر بن سے نکل کر دفعتہً قلب لشکر پر آپڑا ہے اور گھوڑے جو شان دخر و شاں ہیں اور انہوں نے طویلوں اور خیموں کو تہس نہس کردیا ہے اور شیر ہوا میں موج دریا کی طرح بلیس بلیس گز اونچی اچھل رہا ہے۔ یہ افسر چونکہ نہایت بہادر اور نڈر تھا اسلئے وہ شیر مست

اور نر کی طرح اُس کے سامنے آیا اور اس پر تلوار کا وار کیا اور سر کے دو ٹکڑے کر دیئے اس کا کام تمام کر کے فوراً خیمہ کی طرف چل دیا۔ جبکہ وہ اس حور وش کے سامنے گیا ہے تو اس کا عضوِ تناسل اسی طرح کھڑا تھا۔ اور باوجودیکہ اسنے ایسے خطرناک شیر سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کا عضوِ تناسل اسی طرح قائم رہا اور بیٹھا نہیں اور وہ شیریں مطلقاً خوش جمال کہنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی بُرائی ذاتی نہیں ہے بلکہ ان میں جو کچھ بُرائی ہے وہ عکس ہے زشتی افعال اختیاریہ مکلفین کا۔ پس ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے آئینہ جو کہ اپنی ذات سے بُرا نہیں ہے بلکہ عکس روئے زشت سے بُرا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم)

ہاں تو وہ افسر صبح کاذب کو دیکھ کر مغالطہ میں پڑ گیا اور مکھی کی طرح میٹھے کی ہانڈی میں گر گیا (یعنی وہ کنیزک کے حُسنِ فانی کو حُسنِ باقی اور اسکے حسنِ مستعار کو حُسنِ ذاتی سمجھ کر اسکے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اسلئے اسکی ایسی مثال ہوئی۔ جیسے کوئی صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ کر مغالطہ میں پڑ جائے یا مکھی لسّی کو دودھ سمجھ کر اس میں.. گر جائے)

چند روز تک وہ افسر اسی تعیش و کامرانی پر قائم رہا لیکن اسکے بعد جبکہ نشۂ شہوت اُترا تو اُسے اس بھاری جرم پر ندامت ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ میں نے بڑی غلطی کی کہ بادشاہ کی محبوبہ پر دست اندازی کی۔ اسکے لیے اسنے یہ تدبیر کی کہ کنیزک کو قسم دیکر کہا کہ دیکھو! ان واقعات کی بادشاہ کو اطلاع نہ ہو اور اسنے اسے قسم دیدی کہ دیکھو جو معاملہ ہُوا ہے بادشاہ کو اسکی ہوا بھی نہ دینا۔ خیر! میں اس قصہ کو مختصر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ افسر اس کنیزک کو بادشاہ کی حضوری میں لے گیا جب بادشاہ نے اسکو دیکھا تو مست ہو گیا اور اس طرح وہ بھی مبتلائے ذلت ہو گیا کیونکہ جس قدر اسنے اس کی تعریف سُنی تھی اسکو اس سے سُوگنا پایا پھر خود سُننے اور دیکھنے میں بھی فرق ہے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ معلوم ہے۔ کیونکہ تعریف تو صرف چشم خیال کے لیے ایک نقشہ کھینچتی ہے اور آنکھ اس کا ادراک

نہیں کر سکتی اور صورت حسیّہ مبصرہ آنکھ کا حصّہ ہے کان سے اسے علاقہ نہیں پس جبکہ یہ امر معلوم ہوگیا تو مشاہدہ کا سماع پر تفوق ظاہر ہوگیا کیونکہ مشاہدہ عین شے مدرک ہوتی ہے اور وصف میں اسکی تصویر۔ اور ایک شے کا بلاواسطہ ادراک لامحالہ اسکے ادراک بواسطہ تصویر سے بڑھا ہوا ہوگا۔

اب ہم تم سے اس مضمون کی تائید کے لیے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اسکو غور سے سُنو۔ اور اس کا ہمیشہ لحاظ رکھو کہ جب کسی مقصود کو مثالوں کے ذریعہ سے بیان کیا جائے ——— تو ان مثالوں کو خوب سمجھو! تاکہ مقصود خوب ذہن نشین ہو جائے اور اسکے سمجھنے میں غلطی نہ ہو۔

ایک شخص نے کسی سخن دان سے سوال کیا کہ جناب حق کیا ہے اور باطل کیا اسکے جواب میں اسنے کان پکڑا اور کہا کہ یہ تو باطل ہے اور آنکھ کی نسبت کہا کہ یہ حق ہے اور اسکو یقین حاصل ہے یعنی سُنی سُنائی بات کا کچھ اعتبار نہیں ٹھیک اور سچی بات وہ ہے جو آنکھ سے دیکھ لی جائے اس سے معلوم ہوگیا کہ سُنی ہوئی بات دیکھی ہوئی شے کے برابر نہیں ہوسکتی۔ یہاں تک تو مضمون بالا کی تائید تھی۔

اب ہم ایک غلطی کا ازالہ مناسب سمجھتے ہیں جو اس حکایت کے سننے سے پیدا ہوسکتی ہے اور کہتے ہیں کہ سُنی ہوئی بات کو باطل کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ وہ واقع میں غلط اور ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔ بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ چونکہ سُنی ہوئی بات دیکھے ہوئے کے برابر نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ اسکے مقابلہ میں باطل ہے خواہ وہ فی نفسہٖ ٹھیک ہو۔ چنانچہ اکثر باتوں میں نسبت کا لحاظ ہوتا ہے جن میں تم بھی نسبت کا اعتبار کرتے ہو۔ پس تم حق سبحانہٗ کے غیر مبصر ہونے کی بنا پر اسکے علم سماعی کو... بے حقیقت اور باطل محض نہ سمجھنا۔ کیونکہ حق سبحانہٗ واقع میں موجود ہے اور گو تم ان کا مشاہدہ نہیں کرتے مگر تم کو ان کے وجود کا جو علم ہے وہ واقعیت رکھتا ہے اسلئے حق سبحانہٗ کی اور تمہاری ایسی مثال ہے جیسے آفتاب اور خفاش کی کہ آفتاب واقع میں موجود ہے اور گو خفاش نے اس سے روپوشی اختیار کی ہے۔ اور اسلئے وہ اسکو دکھلائی نہیں

دیتا مگر جو اس کا علم ہے وہ واقعی ہے اور وہ اس کے خیال صحیح اور علم واقعی سے بے
بہرہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا یہ خیال واقعی ہی اسے ڈراتا ہے اور وہ خیال واقعی ہے
اسکو ظلمات کی طرف لے جاتا ہے اور اسکی نور کا خیال واقعی ہی اسکو خوف زدہ کرتا
اور اسکو شب تاریک سے وابستہ کرتا ہے نیز دوست اور دشمن کا جو علم خیالی تم کو
حاصل ہے ۔ وہ بھی غیر واقعی نہیں ہے بلکہ ان کا وہ خیال واقعی اور علم صحیح ہی ہے
جس کی بنا پر تم دوستوں سے تعلق دوستی اور دشمنوں سے علاقہ دشمنی رکھتے ہو پس
ایسا ہی تم حق سبحانہٗ کو سمجھ لو۔ اور جان لو۔ کہ گو وہ ہمیں دکھلائی نہیں دیتا مگر ہے
ضرور۔ اور ہم کو جو اس کا علم ہے وہ ٹھیک ہے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر آگے تحصیل مشاہدہ حق کی ترغیب دیتے ہیں۔
اور اسکے لیے اول مشاہدہ حق اور اس کے علم خیالی کا فرق بیان کرتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ اے موسٰے گو کوہ طور پر حق سبحانہٗ کے نور کی ایک جھلک پڑی تھی۔ مگر اس سے
جو کوہ طور کو حق سبحانہٗ کا علم ہو سکا وہ تو اس قدر کمزور تھا جس کو آپکے مشاہدۂ قلبی کے
مقابلہ میں مثل خیال کے کہا جائے اسلئے اس کا وہ علم تخیلی آپکے علم تحقیقی کا مقابلہ
نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تخییل اور تحقیق میں جو تفاوت ہے وہ ظاہر ہے اس فرق کو بیان
کر کے اب ترغیب تحصیل مشاہدہ شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو تم کو حق سبحانہٗ
کا علم خیالی واقعی حاصل ہے مگر تم اسسے دھوکا نہ کھانا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ ہم صرف اس
خیال کی بنا پر وصال حق سبحانہٗ کے قابل ہیں۔ کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو کوئی کسی شے
کے علم خیالی کے قابل ہو وہ اس تک وصول کے بھی قابل ہو۔

چنانچہ خیال جنگ سے کسی کو خوف نہیں ہوتا۔ لیکن اسسے اس کا قابل جنگ
ہونا بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ جنگ سے پہلے کی شجاعت اور قول فال
ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ جنگ سے پیشتر اور عالم خیال کے اندر نامرد بھی رستموں
کی طرح فوفاں کیا کرتے ہیں اور رستم کی تصویر جو حمام میں منقوش ہو اسکے مقابلہ کا
خیال ہر نا بکار پکا سکتا ہے لیکن جب یہ خیال مسموع مبصر ہوتا ہے اور جنگ یا

رستم کا سامنا ہوتا ہے تو پھر کسی نا مردگی تو کیا مجال ہے۔ بڑے بڑے بہادر حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ پس تم حق سبحانہٗ کے علم خیالی پر قناعت نہ کرو۔ بلکہ کوشش کرو کہ جس کو تم اب تک کان سے سنتے ہو اس کو اپنی آنکھ (چشم قلب) سے دیکھ لو اور جو چیز کہ اب تک مشاہدہ کے اعتبار سے بے حقیقت ہے گو فی نفسہٖ بے حقیقت نہیں ہے۔ اب مشاہدہ قلبی کے سبب اسکی واقفیت یقینی طور پر حاصل ہو جائے جس وقت یہ بات تم کو حاصل ہو جائیگی اس وقت تمہارے کان ہی ہم طبع چشم ہو جائیں گے اور تم کو اس کی خبر سے بھی وہی اطمینان حاصل ہو گا۔ جو دیکھنے سے ہوتا ہے اور اس وقت تمہارے کان یشب کی طرح بیش قیمت اور قابل قدر ہو جائیں گے اور صرف کانوں کی تخصیص نہیں۔ بلکہ حصول مشاہدہ کے بعد تمہارا سارا جسم مثل آئینہ کے ہو جائے گا۔ اور سب کا سب وہی کام دے گا جو آنکھ اور گوہر سینہ یعنی قلب دیتا ہے یعنی تم اپنے تمام جسم سے حق سبحانہٗ کے جمال کا یوں ہی مشاہدہ کروگے۔ جیساکہ آنکھ یا دل سے کرتے ہو جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا۔

تو اب سمجھو کہ گو تمہارا علم سماعی۔ بے کار ہے مگر بالکل بے کار نہیں۔ کیونکہ سننے سے خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ خیال مشاہدہ جمال حق کا ذریعہ بنتا ہے پس تم اس کو بالکل بے حقیقت نہ سمجھو۔ بلکہ اس سے کام لو اور کوشش کرو۔ تاکہ تمہارا یہ خیال ترقی کرے اور پختہ ہو کر تم کو تمہارے مطلوب تک پہنچا دے۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تو ختم ہوا۔ اب سنو کہ اس افسر کی طرح بادشاہ نے بھی ایک عرصہ تک اس کنیز کے ساتھ احمقانہ برتاؤ یعنی تعیش و تلذذ کیا۔ لیکن جس طرح اس افسر کے لیے اس کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ تھا۔ یوں ہی اسکو بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ خیر! وہ تو ایک کنیز تھی ہم تو کہتے ہیں اگر کسے کو مملکت شرق و غرب بھی حاصل ہو جائے اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں کیونکہ جب وہ باقی بھی نہیں ہے تو پھر اس میں اور برق خاطف میں کوئی معتدبہ فرق نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ برق دل لگانے کی چیز نہیں ہے پس یوں ہی ملک شرق و غرب بھی دل لگانے کی شے نہ ہوگی۔ پس جو سلطنت

کہ ہمیشہ نہ رہے ہے تم اسکو بمنزلہ خواب کے سمجھو اور اسمیں دل نہ لگاؤ۔

بھلا! تم اس جاہ کو کیا کرو گے جو آخرت میں جلاد کی طرح تمہاری گردن پکڑیگی پس تم تلذذات دنیا کو چھوڑ دو اور اسے عالم میں اس بات کو یقین کامل کے ساتھ جان لو کہ کوئی جائے امن ہے اور اپنے کو اس جائے امن کے قابل بناؤ۔ اور دھری کی یہ بات نہ سنو کہ دنیا کے علاوہ کوئی جائے امن نہیں ہے کیونکہ اسکے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اسکی دلیل اور جو وہ کہتا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اگر اور کوئی مامن ہوتا تو میں ضرور اسے دیکھتا لیکن یہ اسکی غلطی ہے کسی کی ایک شئے کو نہ دیکھنے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا پس تم اسکی تلبیس سے دھوکہ میں نہ پڑو اور مامن غیبی کا انکار نہ کرو کیونکہ اگر بیچارہ احوال عقل سے نا واقف ہو اور اسلئے وہ عقل کا انکار کرے تو عاقل آدمی اس کی بات پر اعتماد کر کے عقل سے دست بردار نہیں ہوجاتا اور اگر کوئی عاقل احوال عشق سے نا واقف ہو تو اس ماہ نیک خال عشق معدوم نہیں ہوجاتا۔ اور اگر حسن یوسف کو بھائیوں کی آنکھوں نے نہ دیکھا تو وہ اسکی یعقوب علیہ السلام کے دل سے نہیں مٹ گیا۔ غرض کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شے ایک شخص کو دکھلائی نہیں دیتی اور دوسرے کو دکھلائی دیتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک شئ کو کچھ دیکھتا ہے اور دوسرا کچھ اور چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو عصا ایک لکڑی معلوم ہوتی تھی یعنی وہ اس سے کچھ خوف نہ کرتے تھے لیکن فرعونیوں کو وہی لاٹھی اژدھا اور ان کی پریشانی کا سبب دکھلائی دیتی ہے۔ اور اسلئے اس سے ان کا وہم فنا ہوتا تھا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ایک ہی شخص کے چشم قلب اور چشم ظاہر میں مخالفت ہوتی ہے۔ مگر آخرکار چشم باطن کو غلبہ ہوتا ہے اور وہ چشم ظاہر کو مغلوب کر دیتی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظاہر آنکھ ان کے ہاتھ کو عام ہاتھوں کی طرح ایک ہاتھ دیکھتی تھی مگر انکی غیب بین آنکھ کے سامنے وہ کھلا ہوا نور تھا چنانچہ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ فَاسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ تو سو وقت اس کا نور ہونا ظاہر ہوگیا جس کو چشم ظاہری نے بھی دیکھ لیا اور اس طرح اسکو چشم باطن کے مقابلہ

میں مغلوب ہونا پڑا۔

خیر! یہ گفت گو تو ختم نہ ہوگی اس کو چھوڑ دو اور حاصل اتنا سمجھ لو کہ جو شخص جس کمال سے محروم ہوتا ہے وہ اس کی نظر میں معدوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ خطاب ایک محجوب کو تھا جو کہ اہلِ اسرار نہ تھا۔ اسلئے مولانا فرماتے ہیں کہ ابھی اس کے نزدیک تو واقعی چیزیں کھانا پینا۔۔۔۔ اور جماع وغیرہ تلذّذات دنیویہ ہیں اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے سب بے حقیقت اور باطل و معدوم ہیں پس تم اس کے اسرار خداوندی نہ بیان کرو کیونکہ وہ ان کا اہل نہیں اور ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۔ پر عمل کرو۔ اس کے نزدیک تلذّذات نفسانیہ امور واقعیہ میں اور نعمائے روحانیہ بے حقیقت۔ اسلئے وہ لذاتِ نفسانیہ سے متمتع اور لذّاتِ روحانیہ سے بے بہرہ ہیں۔

اور ہمارے نزدیک لذّات دنیویہ بے حقیقت ہیں اسلئے ہم ان کی طرف التفات نہیں کرتے اور حق سبحانہٗ ہم کو اپنے جمال کے دیدار سے شرف فرماتے ہیں پس جس کا دین و ایمان لذات نفسانیہ ہوں اس کو اس کا دین مبارک رہے اور ہم کو ہمارا دین مبارک رہے اور ہم یوں ہی اس سے لکم دینکم ولی دین کہتے ہیں جیساکہ حق سبحانہٗ نے اپنے رسول کو کفار سے کہنے کی ہدایت فرمائی تھی اور کہا تھا کہ جب یہ معاندین مانتے ہی نہیں تو ان سے کچھ نہ کہیئے اور فرما دیجئے۔

يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

آمدنِ آں خلیفہ نزدِ آں خوبرو از برائے جماع

ہمبستری کے لئے خلیفہ کا اُس حسینہ کے پاس آنا

آں خلیفہ کرد رایِ اجتماع — سُوی آں زن رفت از بہرِ جماع
خلیفہ نے اکٹھا ہونے کی سوچی — ہمبستری کے لئے اُس لونڈی کے پاس گیا

ذکرِ او کرد و ذکر برپایِ کرد — قصدِ خُفت و خیز مہر افزایِ کرد
اس کی یاد کی اور عضو تناسل کو کھڑا کیا — اس محبت بڑھانے والی کیساتھ سونے اور جاگنے کا ارادہ کیا

چوں میانِ پایِ آں خاتون نشست — پس قضا آمد رہِ عیشش ببست
جب اس خاتون کے پاؤں کے بیچ میں بیٹھا — تو تقدیر آ پہنچی، اس کے عیش کا دروازہ بند کر دیا

خشت خشتِ موش در گوشش رسید — خُفت کیرش شہوتش کُلی رمید
اس کے کانوں میں چوہے کی کھٹ کھٹ آئی — اس کا آلۂ تناسل سو گیا، اس کی شہوت بالکلیہ بھاگ گئی

وہم آں کز مار باشد ایں صریر — کو ہمی جُنبد بہ تُندی از حصیر
یہ وہم ہوا کہ یہ آواز سانپ کی ہوگی — جو تیزی سے چٹائی میں سے حرکت کر رہا ہے

خندہ گرفتنِ آں کنیزک را از ضُعفِ شہوتِ خلیفہ و قوتِ

اُس سردار کی شہوت کی طاقت اور خلیفہ کی شہوت کی کمزوری پر لونڈی کا ہنس پڑنا

شہوتِ آں امیر و فہم کردنِ آں خلیفہ خندۂ کنیزک را

اور لونڈی کے ہنسنے کو خلیفہ کا سمجھ جانا

زن بدید آں سُستیِ او از شگفت — آمد اندر قہقہہ خندش گرفت
عورت نے حیرانی سے اس کی سستی کو دیکھا — وہ قہقہہ مارنے لگی، اس پر ہنسی طاری ہو گئی

یادش آمد مردیِ آں پہلواں — کو بکشت او شیر و اندامش چناں
اس کو اس پہلوان کی مردانگی یاد آ گئی — کہ اس نے شیر کو مار ڈالا اور اس کا عضو ایسا تھا

غالب آمد خندۂ زن شُد دراز — جہد میکرد و نمی شُد لب فراز
عورت کی ہنسی غالب آ گئی، لمبی ہو گئی — وہ کوشش کرتی تھی اور ہونٹ بند نہ ہوتا تھا

سخت[1] می خندید ہمچوں بنگیاں — غالب آمد خندہ بر سُود و زیاں
وہ بھنگڑوں کی طرح بہت ہنسی — نفع اور نقصان پر ہنسی غالب آ گئی

ہر چہ اندیشید خندہ می فزود — ہمچو بندِ سیلِ ناگاہاں کشود
جتنا بھی سوچتی، ہنسی بڑھتی تھی — بہاؤ کے بند کی طرح جو اچانک کھل گیا ہو

گریہ و خندہ غم و شادیِ دل — ہر یکے را معدنے داں مستقل
رونا اور ہنسنا، دل کی خوشی اور غم — ہر ایک کو مستقل کان سمجھ

چوں: جب بالکل تیار ہو گیا تو قضا نے راہ روک دی اور ایک چوہے کی کھٹ کھٹ کی آواز آئی جس سے وہ خوفزدہ ہو گیا اور اس کی شہوت ختم ہو گئی۔ وہم۔ اس چوہے کی کھٹ کھٹ کے بارے میں اس کو یہ خیال آیا کہ یہ سانپ کے چلنے کی آواز ہے جو بستر کے نیچے ہے۔ خندہ خلیفہ کی نامردی اور پہلوان کی مردانگی کو یاد کر کے لونڈی ہنسنے لگی۔

[1] سخت: اس کو ایسی ہنسی چھوٹی جیسی بھنگڑوں کو چھوٹتی ہے اور اس ہنسی میں اس کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ بادشاہ کی ناگواری اس کو نقصان پہنچائے گی۔ گریہ و خندہ۔ ہنسی اور رونے کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ ھو اضحک و ابکیٰ وہی ہنساتا ہے وہی رُلاتا ہے۔

ہر یکے را مخزن و مفتاحِ آں ۔۔۔ اے برادر در کفِ فتاح داں
ہر ایک کا خزانہ ہے اور اس کی کنجی ۔۔۔ اے بھائی! کھولنے والے (خدا) کے ہاتھ میں سمجھ

ہیچ ساکن می نشد آں خندہ زُو ۔۔۔ پس خلیفہ تیرہ گشت و تُند خُو
اُس کی ہنسی کسی طرح نہ تھمتی تھی ۔۔۔ تو خلیفہ ناراض اور غضبناک ہو گیا

زود[1] شمشیر از غلافش بر کشید ۔۔۔ گفت سِرِّ خندہ وا گو اے پلید
اُس نے فوراً غلاف میں سے تلوار سونت لی ۔۔۔ کہنے لگا اے ناپاک! ہنسی کا راز بتا

در دلم زیں خندہ ظنّی او فتاد ۔۔۔ راستی گو عشوہ نتوانیم داد
اس ہنسی سے میرے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی ہے ۔۔۔ سچ بتا دے، تو مجھے فریب نہیں دے سکتی ہے

ور خلافِ راستی بفریبیم ۔۔۔ یا بہانہ چرب آری تو برم
اگر تو سچائی کے خلاف مجھے فریب دے گی ۔۔۔ یا میرے سامنے چکنا چپڑا بہانہ لائے گی

من بدانم در دلِ من روشنی ست ۔۔۔ بایدت گفتن ہر آنچہ گفتنی ست
میں سمجھ جاؤں گا میرے دل میں روشنی ہے ۔۔۔ تجھے کہنے کے لائق، بات کہہ دینی چاہیئے

در دلِ شاہاں تو ماہے دان سطبر ۔۔۔ گرچہ گہ گہ شُد ز غفلت زیرِ ابر
تو بادشاہوں کے دل میں ایک بڑا چاند سمجھ ۔۔۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی غفلت کی وجہ سے ابر کے نیچے آجاتا ہے

یک چراغے ہست در دل وقتِ گشت ۔۔۔ وقتِ خشم و حرص آید زیرِ طشت
چلنے پھرنے کے وقت دل میں ایک چراغ ہے ۔۔۔ جو غصہ اور حرص کے وقت طشت کے نیچے ہو جاتا ہے

آں فراست[2] ایں زماں یارِ من ست ۔۔۔ گر نگوئی آنچہ حقِ گفتن ست
اس وقت وہ شناخت میری دوست ہے ۔۔۔ اگر تو وہ نہ کہے گی جو بتانے کا حق ہے

من بدیں شمشیر بُرّم گردنت ۔۔۔ سُود نبُود خود بہانہ کردنت
میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا ۔۔۔ تیرا بہانہ کرنا کچھ مفید نہ ہوگا

ایں زماں بکُشم ترا بے ہیچ شک ۔۔۔ تیغ را کرد اُو حوالہ گفت نِک
اب میں تجھے یقیناً قتل کر دوں گا ۔۔۔ اس نے تلوار اس کے سامنے کی کہا یہ ہے

ور بگوئی راست آزادت کُنم ۔۔۔ حقِ یزداں نشکنم شادت کُنم
اگر تو سچ کہہ دے گی میں تجھے آزاد کر دوں گا ۔۔۔ خدا کی قسم نہ توڑوں گا، تجھے خوش کر دوں گا

ہفت مُصحف آں زماں بر ہم نہاد ۔۔۔ خورد سوگند و چنیں تقریر داد
اُس نے سات قرآن اوپر نیچے رکھے ۔۔۔ قسم کھائی اور یوں عہد کیا

[1] زود۔ لونڈی کی بے تحاشا ہنسی پر شاہ کو غصہ آگیا اور تلوار سونت لی اور کہنے لگا ہنسی کا راز صحیح بتا دے غلط بات سے تو مجھے دھوکہ نہ دے سکے گی میرے دل میں عقل کی روشنی ہے

[2] آں فراست۔ وہ نور اور روشنی اس وقت میرے ساتھ ہے اگر تو صحیح بات نہ کہے گی میں فوراً سمجھ جاؤں گا اور تجھے مار ڈالوں گا اور یہ کہہ کر تلوار اُس کے سامنے کر دی اور سات قرآن اوپر نیچے رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تو سچ بتا دے گی تو تجھے آزاد کر دوں گا۔

فاش کردنِ آں کنیزک آں راز را با خلیفہ از بیمِ زخمِ شمشیر و اکراہِ خلیفہ کہ راست بگو سببِ ایں خندہ را وگرنہ بکُشتمت

تلوار کے زخم سے ڈر کر اُس لونڈی کا خلیفہ سے راز فاش کر دینا اور خلیفہ کا مجبور کرنا کہ اس ہنسی کا سبب سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا

زن چو عاجز شد بگفت احوال را — مردیِ آں رستمِ صد زال را
عورت جب عاجز آگئی اُس نے حالات بتادیئے — سیکڑوں زال والے رستم کی مردانگی کے

شرحِ آں گردک کہ اندر راہ بود — یک بیک باآں خلیفہ وانمود
اُس خیمہ کی تفصیل جو راستہ میں تھا — وہ اُس نے ایک ایک کرکے خلیفہ پر کھولدی

شیر کشتن سوئے خیمہ آمدن — واں ذکر قائم چو شاخِ کرگدن
شیر کا قتل کرنا خیمہ میں آنا — اور اسکے ذکر کا گینڈے کے سینگ کیطرح کھڑا رہنا

او بداں قوت کہ از شیر شکار — ہیچ تغیرش نشد بد برقرار
وہ اُس طاقت کے ساتھ کہ شکاری شیر سے — اُس میں کوئی تغیر نہ ہوا برقرار تھا

تو بدیں سستی[1] کہ چوں کردی بگوش — خشت خشتِ موشکے رفتی ز ہوش
تو اس سستی میں کہ جب تونے سُنی — چوہیا کی کھٹ کھٹ بے ہوش ہوگیا

من چو دیدم از تو ایں و از وے آں — زاں سبب خندیدم اے شاہِ جہاں
میں نے جب تجھے یہ دیکھا اور اُس سے وہ — اے شاہجہاں! میں اسی سبب سے ہنسی

رازہا را میکند حق آشکار — چوں بخواہد رست تخمِ بد مکار
اللہ (تعالیٰ) بھیدوں کو ظاہر کردیتا ہے — جبکہ اُگ کر رہے گا، بُرا بیج نہ بو

آب و ابر و آتش و ایں آفتاب — رازہا را می برارند از تراب
پانی اور ابر اور گرمی اور یہ سورج — مٹی سے بھیدوں کو برآمد کردیتے ہیں

ایں بہارِ نو ز بعدِ برگ ریز — ہست برہانِ وجودِ رستخیز
یہ نئی بہار، پتے جھڑنے کے بعد — قیامت کے وجود پر دلیل ہے

در بہاراں[2] سرہا پیدا شود — ہر چہ خوردست ایں زمیں رسوا شود
بہاروں میں راز ظاہر ہوجاتے ہیں — اس زمین نے جو کھایاہے، ظاہر ہوجاتا ہے

بر دمد آں از دہان و از لبش — تا پدید آید ضمیر و مذہبش
اُس کے ہونٹ اور مُنہ سے وہ اُگ پڑتا ہے — یہاں تک کہ اُس کا مذہب اور ضمیر کھل جاتا ہے

سرِ بیخِ ہر درختے و خورش — جملگی پیدا شود آں بر سرش
ہر درخت کی جڑ کا راز اور اُس کی خوراک — سب اُس کے سر پر پیدا ہوجاتا ہے

ہر غمے کز وے تو دل آزردۂ — از خمارِ مے بود کاں خوردۂ
ہر وہ غم جس سے تو دل آزردہ ہے — اُس شراب کا خمار ہوتا ہے جو تونے پی ہے

لیک[3] کے دانی کہ آں رنجِ خمار — از کدامیں مے برآمد آشکار
لیکن تو کب جان سکتا ہے کہ خمار کی تکلیف — کونسی شراب سے ظاہر ہوئی ہے

ایں خمار اشکوفۂ آں دانہ ست — آں شناسد کاگہ و فرزانہ است
یہ خمار اُس دانہ کا شگوفہ ہے — وہ جانتا ہے جو آگاہ اور ذہین ہے

زن۔ لونڈی جب عاجز آگئی تو اُس نے پہلوان کا سارا قصہ سنا دیا اور کہا کہ اُس نے شیر کو بھی قتل کیا اور پھر خیمہ میں واپس آیا اور اُس کی شہوت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

[1] تو بدیں سستی۔ لونڈی نے کہا لیکن تیری یہ حالت ہے کہ چوہے کی کھٹ کھٹ سے شہوت کافور ہوگئی میرے ہنسنے کا یہ سبب ہے۔ رازہا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر راز ظاہر ہو کر رہتا ہے لہٰذا بُری کا بیج نہ بونا چاہیئے اس لئے کہ وہ اُگے گا۔ آب۔ پانی، گرمی اور سورج زمین میں چھپے راز ظاہر کردیتے ہیں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز اُگ آتی ہے۔ ایں بہار۔ موسم بہار میں اُجڑے ہوئے چمن پھر زندگی حاصل کرلیتے ہیں جو حشر و نشر کے لئے ایک دلیل ہے۔

[2] در بہاراں۔ موسم بہار میں زمین سے ہر وہ بیج اُگ پڑتا ہے جو زمین میں چھپا ہوا تھا اور اُس سے اُس بیج کی حقیقت کھل جاتی ہے۔۔۔ بر سرش۔ یعنی پھلوں کی صورت میں۔ ہر غمے۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اُس کے کسی عمل کا ثمرہ ہوتی ہے۔

[3] لیک۔ لیکن انسان نہیں سمجھ سکتا ہے کہ تکلیف اور رنج کس گناہ کا نتیجہ ہے۔ ایں خمار۔ اہلِ باطن یہ سمجھ لیتے ہیں۔ شاخ۔ گناہ اور اُس کے ثمرہ میں کوئی ظاہری مشابہت نہیں ہوتی ہے جس طرح بیج اور پھل میں۔ نطفہ۔ منی سے

شاخ و اشکوفہ نماند دانہ را
شاخ اور شگوفہ دانہ کے مشابہ نہیں ہوتے

نطفہ کے ماند تنِ مردانہ را
نطفہ انسانی جسم کے مشابہ کب ہے؟

نیست مانندِ ہیولا با اثر
مادّہ، نتیجہ کے مشابہ نہیں ہے

دانہ کے مانند آید با شجر
دانہ، درخت کے مشابہ کب ہوا ہے؟

نطفہ از نانست کے ماند بناں
نطفہ، روٹی سے (بنا) ہے روٹی کے مشابہ کب ہے؟

مردم از نطفہ است کے باشد چناں
انسان نطفہ سے ہے ویسا کب ہوتا ہے؟

جنّی از نارست کے ماند بنار
جن آگ سے ہے، آگ سے مشابہ کب ہے

از بخارست ابر و نبود چوں بخار
ابر، بخار سے ہے اور بخار جیسا نہیں ہوتا ہے

از دمِ جبریل عیسیٰ شد پدید
(حضرت) عیسیٰ جبرئیلؑ کی پھونک سے پیدا ہوئے

کے بصورت ہمچو او بُد ناپدید
صورت کے اعتبار سے انہی طرح مخفی کب ہوئے؟

آدمؑ از خاکست کے ماند بخاک
(حضرت) آدمؑ مٹی سے ہیں، مٹی کے مشابہ کب ہیں

ہیچ انگورے نمی ماند بتاک
کوئی انگور، انگور کے درخت کے مشابہ نہیں ہے

کے بُود طاعت چو خلدِ پائیدار
عبادت، مستقل جنت کی طرح کب ہے؟

کے بُود دزدی بشکلِ پائیدار
چوری، سولی کے ستون کی شکل کی کب ہے؟

ہیچ اصلے نیست مانندِ اثر
کوئی اصل نتیجہ کے مشابہ نہیں ہے

پس ندانی اصلِ رنج و دردِ سر
تو تو رنج اور دردِ سر کی اصل نہیں جان سکتا

لیک بے اصلے نباشد ایں جزا
لیکن یہ جزا بغیر اصل کے نہیں ہوتی ہے

بیگناہے کے برنجاند خدا
خدا بے گناہ کو کب رنج دیتا ہے؟

آنچہ اصلست و کشندہ آں شئ است
وہ جو اصل ہے اور اس چیز کا سبب ہے

گر نمی ماند بوے ہم از وے ست
اگرچہ وہ اس کے مشابہ نہیں ہے تاہم وہ اسی کی وجہ سے ہے

پس بداں رنجت نتیجہ زلّتے ست
پس سمجھ لے کہ تیری تکلیف کسی لغزش کا نتیجہ ہے

آفتِ ایں ضربتت از شہوتے ست
تیری اس چوٹ کی آفت، کسی شہوت کی وجہ سے ہے

گر ندانی آں گنہ را ز اعتبار
اگر عبرت کے لئے تو اس گناہ کو نہ پہچان سکے

زود زاری کن طلب کن اغتفار
بہت جلد عاجزی کر اور معافی چاہ

سجدہ کن صد بار میگو اے خدا
سو بار سجدہ کر اور کہہ اے خدا!

نیست ایں غم غیرِ درخوردِ سزا
یہ غم سزا کی پاداش کے سوا نہیں ہے

اے تو سبحاں پاک از ظلم و ستم
اے سبحان تو ظلم و ستم سے پاک ہے

کے دہی بے جرم جانرا درد و غم
تو جان کو درد و غم بغیر جرم کے کب دیتا ہے؟

من معین می ندانم جرم را
میں جرم کو معین کرکے نہیں جانتا ہوں

لیک ہم جرمے بباید کرم را
لیکن بخشش کے لئے جرم بھی چاہئے

بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بچہ اور منی میں مشابہت نہیں ہے۔ ہیولا۔ مادہ۔ آخر۔ جو چیز مادہ سے بنی ہے۔

۱؎ نطفہ بنی روٹی سے بنا لیکن آپس میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ جنّی۔ جن آگ سے پیدا ہوا ابر بخارات سے پیدا ہوا لیکن آپس میں مشابہت نہیں ہے۔ دمِ جبرئیلؑ۔ حضرت مسیحؑ حضرت جبرئیلؑ کے دَم سے پیدا ہوئے لیکن ان میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔

۲؎ آدمؑ۔ آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے، انگور بیل سے پیدا ہوا، اُن میں بھی کوئی مشابہت نہیں ہے۔ خُلد۔ جنت، عبادت کا ثمرہ ہے، چوری کا نتیجہ سولی ہے لیکن باہمی مشابہت نہیں ہے۔ آنچہ۔ اصل اور نتیجہ میں اگرچہ کوئی مشابہت نہیں ہوتی لیکن نتیجہ کو اصل سے ہی سمجھو۔ پس بداں۔ لہٰذا مصیبت کو گناہ کا ثمرہ سمجھنا چاہیئے۔

۳؎ گر ندانی۔ خواہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے اس گناہ کو نہ سمجھ سکے جس کے نتیجہ میں مصیبت میں گرفتار ہوا ہے لیکن اُس کو گناہ کی معافی کی درخواست کرنی چاہیئے۔ سجدہ کن۔ سجدہ کرکے کہنا چاہیئے کہ یہ میرے گناہ کی سزا ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے عرض کرنا چاہیئے کہ تیری ذات ظلم و ستم سے پاک ہے بغیر خطا کے سزا نہیں دیتا ہے۔ کرم بخشش، گناہ کی متقاضی ہے۔

چون[1] بپوشیدی سبب را زاعتبار — دائما آن جرم را پوشیده دار
جبکہ تو نے سبب کو عبرت سامان کرنے سے چھپا دیا — اس خطا کو بھی ہمیشہ پوشیدہ رکھ

کز جزا اظہار جرم من بود — کز سیاست دزدیم ظاہر شود
کیونکہ بدلہ میری خطا کا اظہار بن جائے گا — کیونکہ سزا سے میری چوری کھل جائے گی

باز گردم سوئے تو بہ شاہ باز — تا شود معلوم اسرار نیاز
میں بادشاہ کی توبہ کی طرف پھر لوٹتا ہوں — تاکہ عاجزی کے اسرار معلوم ہو جائیں

عزم[2] کردن شاہ چون واقف شد بران خیانت کہ
جب بادشاہ اس خیانت سے واقف ہوا تو اس کا ارادہ کرنا کہ وہ چشم پوشی کرے

بپوشاند و عفو کند و او را باو دہد و دانست کآن فتنہ
اور معاف کر دے اور اس کو اسی کو دیدے اور سمجھ گیا کہ یہ فتنہ

جزائے قصد او بود و ظلم او بر صاحب موصل کہ من
موصل کے بادشاہ پر اس کے ظلم اور ارادہ کی سزا ہے کیونکہ جس شخص نے

اساء فعلیہا وان ربک لبالمرصاد و ترسید کہ اگر
برائی کی تو وہ اس پر ہے اور بیشک تیرا رب گھات کی جگہ پر ہے اور وہ ڈرا کہ اگر

این انتقام کشد آن انتقام باز ہم بر سر او آید چنانکہ این
یہ بدلے کا تو یہ بدلہ بھی اسی کے سر پہ آئے گا جیسا کہ یہ ظلم اور حرص

ظلم و طمع بر سرش آمد
اس کے سر پہ آیا

شاہ با خود آمد استغفار کرد — یاد جرم و زلت و اصرار کرد
شاہ ہوش میں آیا، اس نے توبہ کی — جرم اور لغزش اور اصرار کو یاد کیا

گفت[3] با خود آنچہ کردم با کسان — شد جزائے آن بجائے من رسان
اپنے آپ سے بولا میں نے جو کچھ لوگوں کے ساتھ کیا — اس کی سزا مجھ پر پہنچنے والی بن گئی

قصد جفت دیگران کردم ز جاہ — بر من آمد آن و افتادم بچاہ
میں نے رتبہ کی وجہ سے دوسروں کی بیویوں کا قصد کیا — وہی مجھے پیش آیا اور میں کنوئیں میں گر گیا

من در خانہ کس دیگر زدم — او در خانہ مرا زد لاجرم
میں نے کسی دوسرے کے گھر کا دروازہ پیٹا — اس نے لامحالہ میرا دروازہ پیٹا

ہر[4] کہ با اہل کسان شد فسق جو — اہل خود را دان کہ قواد است او
جو شخص لوگوں کے اہل کے ساتھ فسق کا طلبگار بنا — سمجھ لے کہ وہ اپنے اہل کا دیوث ہے

زانکہ مثل آن جزائے آن شود — چون جزائے سیئہ مثلش بود
کیونکہ اس کی جزا اس کی مثل ہوتی ہے — جبکہ برائی کا بدلہ اس جیسا ہوتا ہے

---

[1] چون۔ اے صاحب تو نے میری خطا کو اس بارے میں پوشیدہ کر دیا ہے کہ میں نہیں بتا سکتا کہ مصیبت کس خطا کی وجہ سے آئی ہے تو اب ہمیشہ کے لئے میری اس خطا کو چھپا دے۔ کز جزا۔ سزا جرم کے اظہار کا سبب بن جاتی ہے جب چور کی پٹائی ہوتی ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔ تا شود۔ عاجزی اور نیازمندی بہت سے اسرار پر مشتمل ہے۔

[2] عزم کردن۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ پہلوان کی خیانت میرے ظلم کی سزا ہے لہٰذا اس نے طے کیا کہ اب پہلوان پر ظلم نہ کرے ورنہ اور سزا ملے گی بلکہ یہ لونڈی اس کو دیدے۔ زلت۔ لغزش۔ اصرار یعنی گناہ پر جماؤ۔

[3] گفت۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ سب کچھ میرے ظلم کی سزا ہے۔ قصد جفت۔ میں نے شاہ موصل کی لونڈی پر نظر بد ڈالی تو اس کے بدلے میں میری لونڈی پر نفس پڑا۔ من در خانہ۔ میں نے دوسرے کی پردہ دری کی تو میری پردہ دری ہوئی۔

[4] ہر کہ۔ جو شخص دوسروں کی بیویوں سے فسق کرتا ہے وہ دیوث ہے دراصل وہ اپنی بیوی کے بارے میں چاہتا ہے کہ لوگ اس سے فسق و فجور کریں۔ زانکہ۔ چونکہ برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہوتی ہے۔

چوں سبب گردی کشیدی سوی خویش
جب تو سبب بنا، تو نے اپنی جانب کھینچا
مثل آں را پس تو دیدی پیش پیش
اس جیسا پس تو پہلے سے دیکھ چکا ہے

غصب کردم از شہِ موصل کنیز
میں نے شاہِ موصل کی لونڈی غصب کی
غصب کردند از من او را زود نیز
انھوں نے اس کو میرے پاس سے بھی فوراً غصب کر لیا

او امینِ من بُد و لالائے من
وہ میرا امین تھا اور میرا غلام
خائنش کرد آں خیانتہائے من
اس کو میری خیانتوں نے خیانت کرنے والا بنا دیا

نیست وقتِ کیں گذاری و انتقام
کینہ وری اور بدلہ کا وقت نہیں ہے
من بدستِ خویش کردم کارِ خام
میں نے بُرا کام اپنے ہاتھ سے کیا

گر کشم کینہ ازاں میر و حرم
اگر میں اس لونڈی اور سردار سے بدلہ لوں
آں تعدی ہم بیاید بر سرم
وہ ظلم بھی میرے سر پر آئے گا

ہمچناں کیں یک بیامد در جزا
جیسا کہ یہ ایک، بدلے میں آیا
آزمودم باز نزمائم دگر را
میں نے آزما لیا پھر میں اس کو نہ آزماؤں گا

دردِ صاحب موصلم گردن شکست
موصل کے بادشاہ کے درد نے میری گردن توڑ دی
من نیارم ایں دگر را نیز خست
میں اس کو دوبارہ نہیں توڑ سکتا ہوں

داد حق مارا از مکافات آگہی
بدلے سے خدا نے ہمیں خبردار کر دیا
گفت اِنْ عُدْتُّمْ بِہٖ عُدْنَا بِہٖ
فرمایا اگر تم دوبارہ (یہ عمل) کروگے ہم دوبارہ (یہ سزا) دیں گے

چونکہ افزونی کردن اینجا سود نیست
چونکہ اس جگہ زیادتی کرنا مفید نہیں ہے
غیر صبر و مرحمت محمود نیست
سوائے صبر اور رحم کے کچھ اچھا نہیں ہے

رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا سہو رفت
اے ہمارے رب بیشک ہم نے ظلم کیا، بھول ہوئی
رحمتے کن اے رحیمیہات زفت
رحمت کر لے وہ کہ تیری رحمتیں بڑی ہیں!

عفو کردم تو ہم از من عفو کن
میں نے معاف کیا تو بھی مجھے معاف کر دے
از گناہانِ نو و جرمِ کہن
نئے گناہوں اور پرانی خطاؤں کو

گفت اکنوں اے کنیزک وا مگو
کہا اے لونڈی! اب نہ کہنا
ایں سخن را کہ شنیدم من ز تو
یہ بات جو میں نے تجھ سے سنی

پاس دار و با کسے عرضہ مکن
محفوظ رکھ اور کسی سے نہ کہہ
آنچہ گفتی اے کنیزک زیں سخن
اے لونڈی! تو نے جو یہ بات کہی

با امیرت جفت خواہم کرد من
میں امیر سے تیرا نکاح کر دوں گا
اللہ اللہ زیں حکایت دم مزن
خدا کے لئے اس قصہ کو نہ کہہ

تا نگردد او ز رویم شرمسار
تاکہ وہ میرے سامنے شرمندہ نہ ہو
کو یکے بد کرد و نیکی صد ہزار
کیونکہ اس نے ایک برائی اور لاکھوں بھلائیاں

چوں سبب۔ جب تیرا فسق و فجور اپنی بیوی کے فسق و فجور کا سبب بنا تو معلوم ہوا کہ تو دیکھ چکا تھا۔
غصب۔ میں نے شاہِ موصل کی لونڈی غصب کی میرے سردار نے میری لونڈی غصب کر لی۔ لالای۔ غلام۔

۵۲ نیست۔ تو میں دوسرے سے کیا بدلہ لوں یہ تو میرا خود کردہ ہے۔ گر کشم۔ اب اگر میں پہلوان کو سزا دوں گا تو اس کا خمیازہ بھی مجھے بھگتنا پڑے گا۔ ہمچناں۔ ایک دفعہ میں آزما چکا کہ برائی کا بدلہ برائی سے ملتا ہے اب میں ایسا نہ کروں گا۔ اِنْ عُدْتُّمْ۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم پھر بھی شرارت میں کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

۵۳ چوں۔ اب اس پہلوان پر کوئی ظلم و زیادتی مناسب نہیں ہے صبر اور رحم سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ ربنا۔ اب تو بارگاہ خداوندی میں بھی دعا کرنی چاہیے کہ ہم سے ظلم ہوا غلطی ہوئی تو معاف کر دے۔ عفو کردم۔ شاہ مصر نے دعا میں کہا اے خدا میں نے

۵۴ گفت۔ شاہ مصر نے لونڈی کو ہدایت دی کہ پہلوان کا قصہ اب کسی سے نہ کہنا۔ با امیرت۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ پہلوان سے تیری شادی کر دوں گا تو اب پہلوان کی حالت کا قصہ کسی سے نہ کہنا۔ تا نگردد۔ اس لیے اگر ایک برائی کی ہے تو سینکڑوں بھلائیاں بھی کی ہیں میں اس کو شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔

بارہا من امتحانش کردہ ام — خوب[2] تر از تو بدو بسپردہ ام

میں نے اُس کو بارہا آزمایا ہے — تجھ سے زیادہ حسین اُس کے سپرد کئے ہیں

در امانت یافتم اُو را تمام — ایں قضائے بُود ہم از کردِ ہام

میں نے اس کو امانت میں مکمل پایا ہے — یہ بھی میرے کاموں کی سزا تھی

کنیزک بخشیدن شاہ بحیلت بپہلوان

بادشاہ کا پہلوان کو ایک تدبیر سے لونڈی بخش دینا

پس بخود خواند آں امیرِ خویش را — کُشت در خود خشمِ قہر اندیش را

پھر اس نے اس اپنے امیر کو بلایا — قہر ڈھانے والے غصّہ کو اپنے اندر دبا دیا

کرد با اُو یک بہانہ دلپذیر — کہ شُدستم زیں کنیزک بس نفیر

اس نے دل کو لگنے والا ایک بہانہ کیا — کہ میں اِس لونڈی سے بہت متنفر ہو گیا ہوں

زاں[3] سبب کز غیرت و رشکِ کنیز — مادرِ فرزند دارد صد ازیز

اس لئے کہ لونڈی کی غیرت اور رشک سے — لڑکے کی ماں بہت فریاد کر رہی ہے

زاں سبب کز غیرتِ اُو دائما — مادرِ فرزند ہست اندر عنا

اِس لئے کہ اُس کی غیرت سے مستقلاً — لڑکے کی ماں مصیبت میں ہے

مادرِ فرزند را بس حقہاست — اُو نہ درخورد چنیں جور و جفاست

لڑکے کی ماں کے بہت حقوق ہیں — وہ اِس طرح کی ظلم و زیادتی کے لائق نہیں ہے

رشک و غیرت میبرد خوں میخورد — زیں کنیزک سخت تلخی می بَرد

رشک اور غیرت کرتی ہے خون پیتی ہے — اِس لونڈی سے سخت کڑواہٹ محسوس کرتی

چوں[4] کسے را داد خواہم ایں کنیز — پس ترا اَولیٰ ترست ایں اے عزیز

چونکہ یہ لونڈی میں کسی کو دوں گا — اے پیارے! تجھے دینا زیادہ بہتر ہے

کہ تو جانبازی نمودی بہرِ اُو — خوش نباشد دادنِ آں جز بتو

کیونکہ تونے اُس کے لئے جانبازی دکھائی ہو — تیرے سوا کسی کو اُسکا دینا اچھا نہ ہو گا

عقد کردش با امیر اُو را داد — خشم را و حرص را یکسو نہاد

اُس کا نکاح امیر سے کر دیا اور اُسکو دیدی — غصّہ اور لالچ کو ایکطرف رکھ دیا

عقد کردش با امیر اُو را سپرد — کرد خشم و حرص را او خورد مُرد

اُس کا نکاح امیر سے کر دیا، اُسکو سپرد کر دی — اس نے غصّہ اور لالچ کو ریزہ ریزہ کر دیا

بیان آنکہ نحنُ قسمنا کہ یکے را قوّت و شہوتِ خراں دہد

اس کا بیان کہ ہم نے تقسیم کیا ہے کہ وہ (خدا) کسی کو گدھوں کی سی قوت اور شہوت

و یکے را کیاست و قوّتِ انبیا و فرشتگاں دہد[5]

دیدیتا ہے اور کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی سی قوت اور ذہانت دیدیتا ہے

---

[2] خوب تر۔ میں نے تجھ سے بھی زیادہ حسین لونڈیاں اُس کے سپرد کی ہیں لیکن اُس نے خیانت نہیں کی۔ ایں قضائے۔ یہ میری برائیوں کی سزا مجھے ملی ہے۔ پس۔ اِس کے بعد شاہ نے اُس امیر پہلوان کو بلایا اور اُس سے یہ بہانہ کیا کہ میں اِس لونڈی سے متنفر ہوں۔

[3] زاں۔ اور میری نفرت کا سبب یہ ہے کہ میری بیوی بہت نالاں ہے۔ آزیز۔ ہانڈی کے پکنے کی آواز۔ زاں سبب۔ میرا لونڈی سے متنفر ہونے کا سبب یہ ہے کہ میرے بچہ کی ماں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ عنا۔ مشقت۔ درخورد۔ لائق۔

[4] چوں کسے۔ اب جبکہ یہ لونڈی مجھے کسی کو دینی ہے تو تو زیادہ مستحق ہے۔ کہ تو۔ کیونکہ تو نے اُس کے لانے میں جانبازی کی ہے۔ عقد۔ شاہِ مصر نے اُس لونڈی کا اُس پہلوان سے نکاح کیا اور اپنے غصّہ کو ختم کر دیا۔ بیان۔ حضرت حق تعالیٰ نے جسمانی طاقتوں کی تقسیم ہر ایک کے مناسب حال کی ہے کسی کو تو گدھوں کی سی قوتِ شہوانی دی ہے کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی ذہانت اور ذکاوت عطا کی ہے۔

سر ز ہوا تافتن از سروریست	ترکِ ہوا قوتِ پیغمبری ست
خواہشِ نفسانی سے سرتابی کرنا سرداری ہے	خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دینا پیغمبری طاقت ہے
تخمہائے کشہوتی نبود	بر اُو جز قیامتی نبود
وہ بیج جو شہوت والے نہ ہوں	اُن کا پھل قیامت کے سوا (ظاہر) نہ ہوگا

گر بُدش سُستی ز نرّیِ خراں — بُود اُو را مردیِ پیغمبراں

اگر اُس میں گدھوں کی سی شہوت سے سُستی تھی — تو اُس میں پیغمبروں کی سی مردانگی تھی

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری — ہست مردی و رگِ پیغمبری

غصہ اور شہوت اور لالچ کرنے کو چھوڑنا — مردانگی اور پیغمبری رگ ہے

نرّیِ خر گو مباش اندر رگش — حق ہمی خواند اُلغ بگلر بگش

گو اُس کی رگ میں گدھے کا سا نر پنا نہ ہو — اللہ (تعالیٰ) اُسکی امیرالامرائی کو چاہتا ہے

مردہ باشم بمن حق بنگرد — بہ ازاں زندہ کہ باشم دور رد

(اگر) میں مُردہ ہوں (اور) حق (تعالیٰ) کی نظر ہو — اِس سے بہتر ہے کہ میں زندہ ہوں (اور) دور اُفتادہ

مغزِ مردی ایں شناس و پوست آں — آں برد در دوزخ وایں در جناں

اس کو مردانگی کا مغز سمجھ اور وہ چھلکا ہے — وہ دوزخ میں لے جائیگی اور یہ جنتوں میں

حُفّتِ الجنّۃ مکارہ را رسید — حُفّتِ النّار از ہوا آمد پدید

"جنت گھیر دی گئی ہے" ناپسندیدہ چیزوں کو ملا — "دوزخ گھیر دی گئی ہے" خواہشِ نفسانی سے ظاہر ہوا

[1] سرز ہوا۔ خواہشات پر قابو پالینا سرداری کی دلیل ہے اور یہ پیغمبری صفت ہے یہ شعر مولانا کا نہیں ہے بلکہ حکیم سنائی کا ہے۔ تخمہائے۔ جو شخص شہوت کی تخم ریزی کرے گا وہ قیامت میں اپنی تخم ریزی کا پھل پائیگا یہ شعر بھی مولانا کا نہیں ہے حکیم سنائی کا ہے۔ گر بدش۔ شاہِ مصر میں گدھوں کی سی شہوت نہ تھی اُس میں معنوی مردی تھی۔

[2] ترکِ خشم۔ نفسانی رذائل کو ترک کرنا پیغمبری مردی ہے۔ اُلغ۔ بزرگ۔ بگلر بگ۔۔۔۔ امیرالامراء۔ مردہ باشم۔ وہ مُردگی جو خدا کی منظورِ نظر ہو اُس زندگی سے بہتر ہے جو مردودِ بارگاہ ہو۔ مغز۔ مردی اصل وہ ہے جو پیغمبروں میں ہے وہی جنت

[3] بن جائیگی جو حضرت پیغمبروں کی مردی اور صفات کا حامل ہے۔

شرح

خیر! جب وہ کنیز بادشاہ کے پاس پہنچ گئی تو اُس نے اس کے ساتھ ہمبستری کا قصد کیا اور جماع کے لیے اُس کے پاس گیا اُس نے جماع کا خیال کیا اور عضوِ تناسل کو استادہ کیا اور روح افزا عیش و نشاط کا ارادہ کیا پس جبکہ وہ اسکے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تو تقدیرِ الٰہی نے اُس کے عیش و نشاط کا راستہ بند کر دیا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ چوہے کی حرکت کی آواز اسکے کانوں میں آئی اور اُس سے اس کی شہوت بالکل منقطع ہو گئی اور اُس کا ذکر استادہ بیٹھ گیا کیونکہ اُسے خیال ہُوا کہ یہ آواز سانپ کی ہے جو کہ تیزی کے ساتھ بوری کے نیچے سے گذرا ہے جب عورت نے اُسکی اس کمزوری کا مشاہدہ کیا تو وہ تعجب سے قہقہہ مار کر ہلنے لگی کیونکہ اس

وقت اس کو اس افسر کی مردانگی یاد آگئی جس نے شیر کو مارا تھا اور باوجود اس کی اس کا عضوِ مخصوص اُسی طرح اِستادہ تھا۔ اس خیال سے اس پر ہنسی کا غلبہ ہوا اور دیر تک ہنستی رہی وہ کوشش بھی کرتی تھی کہ ہنسی بند ہو جائے مگر وہ رُکتی نہ تھی اور اس کا منہ بند نہ ہوتا تھا۔ اور بھنگڑوں کی طرح بے خود ہو کر خوب ہنس رہی تھی اور وہ ہنسی نفع ونقصان کے خیال پر غالب آرہی تھی اور جو کچھ بھی سوچتی تھی اس سے بجائے اس کے کہ ہنسی رُکے اور ہنسی آتی تھی۔

اس کی ہنسی کی یہ حالت تھی جیسے کہ سیلاب کا بند دفعۃً کاٹ دیا جائے اور اس وقت وہ جاری ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اس غیر اختیاری ہنسی کا راز کیا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہنسی اور رونے اور رنج اور خوشی کا ایک مخفی اور مستقل معدن اور گودام ہے اور اس کی کنجی حق سُبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے پس وہ جس وقت چاہتے ہیں اس وقت اس کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور رنج اور خوشی خندہ وگریہ آدمی پر ٹوٹ پڑتی ہیں جس کو وہ دفع نہیں کر سکتا۔

اس بنا پر اس کنیز کی ہنسی نہ رکتی تھی اور وہ برابر ہنس رہی تھی اس سے بادشاہ کی طبیعت مکدر ہو گئی اور اسے غصہ آگیا اور اس نے فوراً میان سے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ او خبیثہ! اس ہنسی کا راز بتلا۔ میرے دل میں تیری ہنسی سے شبہ پیدا ہو گیا ہے دیکھ سچ سچ کہنا اور دھوکا نہ دینا۔ کیونکہ تو مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔ اور اگر تو جھوٹ بول کر مجھے دھوکا دیگی۔ یا کوئی دل خوش کُن بہانہ پیش کریگی تو میں تیرے فریب کو سمجھ لوں گا کیونکہ میرے دل میں روشنی اور نورِ فراست ہے پس جو کچھ کہنے کے لائق ہو وہ ہی کہنا۔ اور جھوٹ نہ بولنا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے دل میں فی الحقیقت ایک عظیم الشان چاند (نورِ فراست) ہوتا ہے۔ جس سے وہ صحیح اور غلط اور جا اور بے جا میں تمیز کر لیتے ہیں لیکن کبھی وہ اَبرِ حرص وخَشم کے نیچے مستور ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دل میں تفریح کے وقت ایک چراغ ہوتا ہے اور غصہ اور حرص کے وقت وہ طشت کے نیچے مخفی

ہو جاتا ہے اور روشنی نہیں دیتا۔

اب اس جملہ معترضہ کو تمام کر کے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ وہ فراست اس وقت میرے ساتھ ہے اور میں اس سے تیرے صدق اور کذب میں تمیز کر لوں گا۔ اسلئے سچ کہنا اگر تو سچ سچ نہ کہے گی تو میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا اور حیلہ بہانہ کرنے سے تجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور میں تجھے ابھی مار ڈالوں گا تجھے اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر تلوار اس کے حوالہ کر دیگی اور کہا کہ لے دیکھ لے یہ تلوار موجود ہے لیکن اگر تو سچ سچ کہہ دے گی تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔ اور خدا کی قسم میں تجھے نہ مارونگا بلکہ خوش کرونگا۔

اس نے اسے یقین دلانے کے لیے اس وقت سات قرآن اوپر تلے رکھے اور قسم کھائی اور اس طرح اپنے عہد کو پختہ کر دیا۔ خیر جب عورت مجبور ہوگئی اور اُسے کچھ بن نہ آیا تو واقعہ کہہ دیا اور اس بہادر کی مردانگی کو بیان کر دیا۔ اس نے اس واقعہ کی جو کہ رستہ میں واقع ہوا تھا پوری تفصیل بادشاہ سے بیان کر دی کہ یوں اس نے شیر مارا اور یوں واپس آیا اور جب واپس آیا تو اس کا ذکر گینڈے کے سینگ کی طرح کھڑا تھا وغیرہ وغیرہ اور اس نے کہا کہ اُس کی قوت کی تو یہ حالت تھی کہ شیر سے اس میں کچھ تغیر نہ آیا اور اسی طرح قائم رہی اور تمہاری کمزوری کی یہ حالت ہے کہ چوہے کی رفتار کی آواز سے تمہارے حواس جاتے رہے۔ پس جبکہ میں نے اس کی وہ حالت اور تمہاری یہ حالت دیکھی تو مجھے ہنسی آگئی۔

اس واقعہ سے تم سبق حاصل کرو اور سمجھو کہ حق سبحانہٗ یوں اسرار کو ظاہر کر دیتے ہیں اور جبکہ تم نے سمجھ لیا کہ جو بیج بویا جائے وہ اُگے گا تو تم کو احتیاط چاہیئے اور بُرا بیج نہ بونا چاہیئے ورنہ اس کے ظہور کے بعد تم کو رُسوائی کا سامنا ہوگا۔

اب ہم تمہیں اس مضمون کو دوسرے نظائر حسیہ سے سمجھاتے ہیں اچھا سُنو! پانی اور ابر اور گرمی اور آفتاب سب کے سب مٹی سے امور مخفیہ کو ظاہر کرتے ہیں بس یونہی حق سبحانہٗ بھی آدمیوں کے اسرار مخفیہ کو ظاہر فرماتے ہیں۔

یہ پت جھڑ کے بعد درختوں کی سرسبزی قیامت کے وجود کی اعلیٰ درجہ کی دلیل

یعنی قیامت کے متعلق جو استبعاد ہے جس کی بناء پر اس کا انکار کیا جاتا ہے

اس کو بالکل دور کر رہی ہے۔ کیونکہ موسم بہار میں اسرار مخفیہ بداہتہ ظاہر ہوتے ہیں اور

جو کچھ زمین نے کھایا ہے وہ ظاہر ہوتا اور اسکے منہ سے نکلتا ہے۔ تا آنکہ اس کی

باطنی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور ہر درخت کی جڑ کی باطنی حالت اور اس کی غذا

سب کی سب اسکے سر پر ظاہر ہو جاتی ہے۔

جبؔ واقعات مشاہد اور ناقابل انکار ہیں تو قیامت کا وقوع مستبعد نہیں رہتا

کیونکہ وہاں بھی یہی ہوگا کہ ہر شخص کی حالت مخفیہ ظاہر ہوگی۔ اور اس پر اس کے موافق

نتیجہ مرتب ہوگا۔ واقعات مذکورہ سے تم کو یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ جو غم تم کو لاحق

ہوا اور تم اسے پریشان ہو وہ اس شراب کا خمار ہے جو تم نے پی ہے اور ان

افعال کا نتیجہ ہے جو تم نے کیے ہیں لیکن تم کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ رنج خمار

کس شراب سے پیدا ہوا ہے اور تم کیا جان سکتے ہو کہ یہ خمار فلاں دانہ کا شگوفہ اور

یہ رنج فلاں عمل کا اثر ہے۔ ہاں ایک حقائق شناس عارف اس کو سمجھتا ہے تمہارے

نہ جاننے کا سبب یہ ہے کہ تم اشیاء اور ان کے نتائج ہیں۔ مشابہت کو ضروری...

سمجھتے ہو او سا افعال اور ان کے آثار میں مشابہت نہیں دیکھتے۔ اشیاء اور ان کے

نتائج ہیں کسی ایسے مشابہت کا ہونا خود ضرور نہیں ہے۔ جس کو ہر شخص سمجھ سکے

دیکھو! شاخیں اور شگوفے بیج سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان میں ایسی مشابہت

نہیں ہوتی۔ جس کو ہر شخص مان لے۔ علیٰ ہٰذا آدمی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر نطفہ

کو آدمی سے کون سی واضح مشابہت ہوتی ہے۔

غرض کہ تمام مادہ اپنے آثار کے ساتھ کھلی ہوئی مشابہت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دانہ درختوں

کے مشابہہ نہیں ہوتے اور منی روٹی سے پیدا ہوتی ہے مگر اسکو روٹی سے مشابہت نہیں

ہوتی۔ آدمی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے مگر نطفہ کے مشابہہ نہیں ہوتا۔ جنات آگ سے پیدا ہوتے

ہیں مگر آگ کے مشابہ نہیں ہوتے۔ ابر بخار سے پیدا ہوتا ہے مگر بخار کے مشابہ نہیں ہوتا

عیسیٰ علیہ السلام نفخۂ جبریلی سے پیدا ہوئے مگر جس طرح نفخہ غیر محسوس تھا یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیر محسوس نہ تھے۔ نیز آدم علیہ السلام خاک سے پیدا ہوئے تھے مگر وہ خاک کے مشابہ نہ تھے۔ انگور اپنی بیل سے پیدا ہوتا ہے مگر وہ بیل سے مشابہ نہیں ہوتا۔ جنت نتیجۂ اعمال حسنہ ہے (باایں معنیٰ کہ جنت اعمال صالحہ کے بدلے میں ملیگی نہ باایں معنیٰ کہ جنت اعمال صالحہ سے پیدا ہوئی ہے) مگر اعمال حسنہ سے اُسے کیا مناسبت اور چوری کا نتیجہ سولی ہے۔ مگر چوری کو اس سے کیا مشابہت ہے۔ پس سے خلاصہ یہ نکلا کہ عام طور پر کسی اصل کو اپنے اثر سے مشابہت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ تم سمجھے ہوئے ہو کہ ہر اصل کو اس اثر کے مشابہ ہونا چاہیئے۔ اسلیئے تم ان رنجوں اور تکلیفوں کا منشا نہیں سمجھ سکتے جو تم کو گناہ کے عوض میں دی جاتی ہے۔ واقع میں وہ سزا بلا وجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ حق سُبحانہٗ بدوں گناہ کے تکلیف اور سزا نہیں دیتے پس جو چیز کسی سزا کی اصل اور اسکو کھینچنے والی ہے۔ گو وہ سزا اپنے اصل کے مشابہ نہ ہو۔ مگر وہ پیدا اسی سے ہوئی ہے۔ اس سے تم سمجھ لو کہ تمہاری تکلیف ضرور تمہاری غلطی کا نتیجہ ہے اور اس سزا کا منشأ ضرور کوئی خواہش نفسانی ہو۔ اگر تم اس گناہ کو خصوصیت کے ساتھ نہ جان سکو تو عجلت سے فوراً حق سُبحانہٗ کے سامنے تضرع کرو اور اس سے معافی چاہو۔ اور سو دفعہ سجدہ کرو اور کہو کہ اے اللہ! یہ غم اور سزا ضرور اسی لیے ہے کہ مَیں مستحق سزا ہوں کیونکہ اے سبحان! اور اے ظلم و ستم سے پاک تو بے قصور جان کو تکلیف اور سزا نہیں دیتا۔ اور گو میں خصوصیت کے ساتھ اس جُرم کو نہیں جانتا۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ سزا کے لیے کسی جُرم کی ضرورت ہے۔ پس ضرور مجھ سے کوئی قصور ہُوا ہے جس کی یہ سزا ہے۔ اب میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔ کہ جب آپ نے میرے جُرم کو میرے علم سے مخفی کیا ہے تو اس کو آپ ہمیشہ کے لیئے پوشیدہ رکھیئے یعنی مجھے سزا سے معافی دیجیئے اسلیئے کہ سزا دینا میرے جُرم کا اظہار ہے۔ کیونکہ عقوبت سے میری چوری ظاہر ہوگی

(فائدہ: اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایلام حق سُبحانہٗ کی ضروری تفصیل کردی جائے۔ تاکہ مضمون مثنوی کی توضیح ہو جائے اور کسی کو مغالطہ نہ ہو۔ سو واضح ہو کہ حق سُبحانہٗ کو اپنی مخلوق پر مختلف قسم کے حقوق حاصل ہیں وہ ان کا مالک بھی ہے اور مُربّی بھی۔

اور بادشاہ حاکم بھی۔ پس اگر وہ کسی کو بحیثیت مالکانہ تکلیف پہنچا دے۔ یا اس میں کوئی اور تصرف کرے تو چونکہ وہ اس حق کی بنا پر ہے جو اس کو حاصل ہے تو یہ تصرف کی حالت میں ظلم نہیں کہلا سکتا لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہیں اسلئے اس تصرف میں کسی حکمت کا ہونا ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس حکمت کا علم مخلوق کو بھی ہو۔ بلکہ اس حکمت کا خدا کو علم ہونا کافی ہے اور اگر وہ کسی کو مربیانہ حیثیت سے تکلیف پہنچا دے تو چونکہ وہ بنا بر مصالح مخلوق ہے خواہ بنا بر مصلحت مُولِم ہو۔ یا بنا بر مصالح مخلوق دیگر۔ اسلئے اس کو بھی ظلم نہیں کہا جا سکتا۔

مثلاً ڈاکٹر کسی مریض کی مصلحت کا لحاظ رکھ کر اُس کا کوئی عُضو کاٹ ڈالے یا کسی جگہ شگاف دیدے۔ یا کوئی حاکم بنا پر رعایت مصلحت عامہ بشرائط مخصوصہ[ع] کوئی ایسا فعل کرے جو بعض رعایا کے لیے موجب تکلیف ہو تو اس ڈاکٹر یا حاکم کے فعل کو ظلم نہ کہا جائے گا اور اگر وہ کسی کو حاکمانہ حیثیت سے اور بطور سزا کے کوئی تکلیف دے تو اس کے لیے ضرورت ہے کہ مُولِم کسی جُرم کا مرتکب ہوا ہو۔ کیونکہ سزا بلا جُرم ظلم ہے اور حق سُبحانہٗ ظلم سے منزہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ غیر مکلّفین کو جو تکلیفیں ہوتی ہیں ان کا منشا یا حق مالکانہ ہوتا ہے یا حق مربیانہ۔ اور ان کے لیے کسی جُرم کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو تکلیفیں کہ مکلّفین کو ہوتی ہیں ان میں تینوں احتمال ہوتے ہیں یہ بھی کہ بحق مالکانہ ہوں اور یہ بھی کہ بحق مربیانہ ہوں۔ اور یہ بھی کہ بحق حاکمانہ اور بطور سزا ہوں۔ تیسرے صورت میں تقدم جُرم لازمی ہے اور پہلی دو صورتوں میں جُرم کی ضرورت نہیں ——— پس خلاصہ یہ نکلا کہ جو تکلیف

ع ؛ شرائط مخصوصہ کی قید ہم نے اسلئے بڑھائی ہے کہ ہر حاکم کو ہر مصلحت عامہ کا لحاظ کر کے ایسا فعل کرنا جو بعض رعایا کے لیے موجب تکلیف ہو جائز نہیں ہے بلکہ خاص شرائط کے ساتھ جائز ہے مثلاً یہ کہ وہ فعل کسی اور اہم مصلحت کے معارض نہ ہو۔ نیز اس میں کسی حاکم بالادست .... کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو وغیرہ وغیرہ ۱۲ منہ ـ

سزا کے طور پر ہو فقط۔ اس لیے تقدم جرم کی ضرورت ہے اور کسی تکلیف کے لیے تقدم جرم کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ مکلّف یہ نہیں جان سکتا کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے اس کا منشأ کیا ہے اسلئے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو متہم کرے اور سمجھے کہ یہ میرے کسی جرم کا نتیجہ ہے اور حق سبحانہٗ سے استغفار کرے کیونکہ اگر وہ کسی تکلیف کو اپنے گناہ کا اثر نہ سمجھے گا اور اسلئے استغفار نہ کرے گا۔ اور واقع میں وہ اسکے گناہ کا نتیجہ ہوگی تو اسکو ایسا کرنے میں فرزند خود کا اندیشہ ہے۔

اس تفصیل سے ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم کا مطلب بھی واضح ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں مصیبت سے ہر تکلیف مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہ تکلیف مراد ہے جو سزا کے طور پر ہو۔ اور جس طرح دلائل عقلیہ اس تخصیص پر دلالت کرتے ہیں یوں ہی دلائل نقلیہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً خود حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع الخ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ ہر تکلیف کا منشأ جرم نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں حق سبحانہٗ نے بعض تکالیف کا منشا محض امتحان قرار دیا ہے اور انکو کسی جرم کا نتیجہ قرار نہیں دیا نیز دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کتب علیکم القتالُ وھو کُرہٌ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جنگ ایک مصیبت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس مصیبت میں پھنسانا کسی جرم کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ اس کا منشا رحمت ہے جس کی طرف ھو خیر لکم میں اشارہ ہے پس ضرور ہوا کہ آیۂ مذکورہ بالا میں مصیبت سے مراد ہر مصیبت نہ ہو۔ بلکہ خاص مصیبت ہو وہو المدعیٰ۔ پس آریوں کا آیۂ مذکورہ میں مصیبت سے ہر تکلیف مرادلینا مقصود متکلم کے خلاف ہے اور اسسے تناسخ پر استدلال صحیح نہیں)

اچھا اب ہم بادشاہ کی توبہ کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ اسکی تم کو اس کی توبہ کے اسرار معلوم ہوں۔ اچھا سنو! کنیزک کے منہ سے واقعہ خیانت افسر سنکر اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اسنے فوراً توبہ کی اور اپنے جرم اور اپنی لغزش اور ضد کو یاد کیا اور اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ میں نے دوسروں کے ساتھ کیا تھا۔ وہ میرے آگے آیا میں نے دوسرں

کے محبوبوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کا وبال مجھ پر پڑا اور جو کنواں میں نے اوروں کے لیے کھودا تھا اُس میں مَیں خود گر گیا۔ میں نے دوسروں کے دروازہ کو کھٹکھٹایا تھا میرے افسر نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! جو کوئی دوسروں کی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کا قصد کرتا ہے وہ گویا کہ اپنی بیوی کی بےحرمتی کرتا ہے کیونکہ جس جرم کا وہ ارتکاب کرتا ہے وہ بدلالت حال اس کی مثل سزا پر رضامند ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جیسا جرم ہوتا ہے اسی قسم کی اس کی سزا ہوتی ہے پس جبکہ تم نے دوسروں کی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کیا تو حالاً تم نے ویسی ہی سزا کو قبول کر لیا۔ اس سے تمہارا دیوّث ہونا خود ظاہر ہو گیا ۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو کہ بادشاہ نے کہا کہ میں نے شاہ موصل سے کنیز غصب کی تھی اوروں نے مجھ سے چھین لیا۔ وہ افسر میرا معتمد اور غلام خاص تھا۔ وہ ہرگز خیانت نہ کر سکتا تھا اُسکو خائن خود میری خیانتوں نے بنایا ہے۔

اچھا اب اس کا وقت نہیں ہے کہ اس سے دشمنی نکالی جائے اور بدلہ لیا جائے بلکہ خاموشی اور عفو ہی مناسب ہے کیونکہ میں نے اپنا کام خود خراب کیا ہے اس کا کیا قصور ہے۔ ایسی حالت میں اگر میں اس افسر اور کنیز سے انتقام لیتا ہوں تو اس ظلم کا وبال بھی مجھ ہی پر پڑے گا جیسا کہ اُس جرم کا وبال پڑا ہے پس مجھے انتقام کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ اور جب مجھے ایک بار تجربہ ہو چکا ہے تو پھر دوبارہ اُس قسم کی حرکت کر کے دوسری دفعہ اس کا تجربہ نہ کرنا چاہیئے۔ صاحبِ موصل کی تکلیف نے میری گردن توڑ دی ہے۔ اب مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ دوسرے وبال کا طالب ہوں۔ حق سُبحانہٗ نے ہم کو بدلے کی اطلاع کر دی ہے اور فرما دیا ہے کہ اگر تم پھر ویسی ہی حرکت کرو گے تو ہم پھر اسی قسم کی سزا دیں گے۔ اس بنا پر دوبارہ سزا ضرور ملے گی پس جبکہ اس موقعہ پر زیادتی کرنا بے فائدہ ہے تو اب صبر اور شفقت ہی بہتر ہے۔ اے اللہ! ہم نے ظلم کیا اور ہم سے غلطی ہوئی پس اے بڑی رحمتوں والے

تو ہم پر رحم کر۔ میں نے اپنے مجرموں کو معاف کیا تو مجھے معافی دے اور میرے نئے اور پرانے گناہ بخش دے۔ اسکے بعد اس کنیزک سے خطاب کیا اور کہا کہ اے کنیزک جو بات تو نے مجھ سے کہی ہے اسکو کسی اور سے نہ کہنا۔ دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ اس بات کا خیال رکھنا۔ اور جو کچھ تو نے مجھ سے کہا ہے اس کو کسی اور کے سامنے بیان نہ کرنا۔ میں امیر سے تیری شادی کر دوں گا۔ مگر خدا کے لئے اس واقعہ کو اُس سے بھی ذکر نہ کرنا۔ تاکہ وہ مجھ سے شرمندہ نہ ہو۔ کیونکہ اُس نے اگر ایک بُرائی کی ہے تو لاکھوں بھلائیاں کی ہیں ایسی حالت میں اُسے شرمندہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں بارہا اس کا امتحان کر چکا ہوں اور تجھ سے بڑھ کر حسین حسین عورتیں اسکے سپرد کر چکا ہوں لیکن اس نے خیانت نہیں کی اور ہمیشہ میں نے اسے نہایت امین پایا ہے ــــــ یہ واقعہ محض بتقدیر الٰہی اور میرے افعال کی بدولت پیش آیا۔ بادشاہ نے کنیز کو یہ ہدایت کر کے افسر کو طلب کیا۔ اور غصہ جو کہ قہر کو مقتضی تھا اسکو اس نے دبایا اور اس سے ایک جی لگتا بہانہ کیا اور یہ کہا کہ مجھے اس لونڈی سے سخت نفرت ہو گئی ہے کیونکہ اسکے رشک سے بچی کی ماں بہت کڑھتی ہے اور اسکے رشک سے وہ ہمیشہ مبتلائے رنج رہتی ہے اور چونکہ وہ قدیم الصحبت ہے اسلئے اس کے حقوق مجھ پر بہت ہیں اور وہ اس قسم کی تکالیف کی مستحق نہیں ہے پس چونکہ وہ نہایت رشک کرتی ہے اور اپنا خون جگر کھاتی ہے اور اس کنیزک سے اسکو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اسکو الگ کر دوں۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ جب الگ کروں گا تو آخر کسی کو دوں گا۔ ایسی حالت میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کو دے دوں کیونکہ تم اسکے زیادہ مستحق ہو۔ اس لیئے کہ تم اسکے لئے جان پر کھیل گئے ہو۔ اور اس کو اپنی جان پر بیچ کر لائے ہو۔ پس مناسب نہیں ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو دی جائے۔

یہ کہہ کر اس کا امیر سے نکاح کر دیا اور اس کو امیر کے حوالہ کر دیا اور غضب اور حرص کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس کا امیر سے نکاح کر کے اسکو امیر کے سپرد کر دیا اور اپنے غضب اور حرص کو چکنا چور کر دیا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو اس بادشاہ میں مستی حیوانی کی تھی مگر اس میں پیغمبروں کی

مردانگی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنے غضب اور شہوت اور حرص کو چھوڑ دیا۔ اور ان کا چھوڑ دینا پیغمبروں کی مردی اور رگِ پیغمبری ہے پس اگر اس میں گدھوں کی مستی نہ ہو۔ نہ سہی خدا سے عظیم الشان خانِ خاناں کہتا ہے اور یہی درکار بھی ہے کیونکہ اگر ہم عورتوں کی نظر میں بالکل مردہ ہوں مگر ہم پر حق سبحانہٗ کی نظرِ عنایت ہو یہ ہزار درجہ بہتر ہے اسلئے کہ ہم لوگوں کی نظر میں زندہ ہوں۔ مگر حق سبحانہٗ سے دُور اور اسکی درگاہ سے مردود ہوں۔ تم سمجھ لو کہ حقیقت مردی ترک غضب و شہوت و حرص ہے اور غلبۂ شہوت مردی نہیں ہے بلکہ یہ محض بے وقعت چیز ہے۔

کیونکہ غلبۂ شہوت تو دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے اور ترک شہوت وغیرہ جنت میں پہنچانے والا ہے کیونکہ غلبۂ شہوت موجب تلذذ و تنعم ہے اور ترکِ خشم وغیرہ موجبِ اذیت اور نہایت ناگوار۔ اور جنت ناگواریوں سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشاتِ نفسانیہ سے۔ پس ناگواریوں کے تحمّل سے آدمی جنت میں پہنچتا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے اتباع سے دوزخ میں —— اس قصہ کو ختم کر کے پھر مولانا خطابِ محمود کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

دیگر بار خطابِ پادشاہ با ایاز و امتحان کردنِ ارکانِ
بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ خطاب کرنا اور ارکانِ دولت کا امتحان لینا
دولت را و نمودنِ فرمانبرداریِ ایاز بایشاں
اور ایاز کی فرمانبرداری اُن کو دکھانا

اے ایازِ شیر نرِ دیو کُش
اے ایاز! نر شیر، دیو کو مار ڈالنے والے
مردیِ خر کم فزوں مردیِ ہُش
گدھے کی مردانگی کم ہے ہوش کی مردانگی بڑھی ہوئی ہے

آنچہ چندیں صدر را در اکش نکرد
جس چیز کو اتنے صدروں نے نہ سمجھا
لعبِ کودک بُود پیشت اے مرد
تیرے سامنے بچوں کا کھیل تھا۔ زہے مردانگی

اے[2] بدیدہ لذتِ امرِ مرا
اے وہ! جس نے میرے حکم کا مزا چکھا ہے
جاں سپردہ بہرِ امرم در وفا
وفاداری میں میرے حکم پر جان فدا کر دی

اے کہ از تعظیمِ امرش آگہی
اے وہ کہ تو اس (شاہ) کے حکم کی تعظیم سے واقف ہے،
ایں حکایت گوش کن تا داریؔ
یہ حکایت سُن لے تاکہ تو نجات پا جائے

سلہ ترجمہ۔ اس کا ترجمہ بعض شارحین نے یہ کیا ہے کہ یہ بات پہنچی ہے کہ جنت کراہت سے گھیر دی گئی ہے اور دوسرے مصرعہ کا ترجمہ بھی یہ کیا ہے کہ آگ خواہشِ نفس سے گھیر دی گئی ہے ظاہر ہوا ہے۔ یعنی یہ بات حدیث کی ہمیں پہنچی ہے اور یہ بات حدیث سے ظاہر ہوئی ہے۔ دیگر بار۔ سلطان محمود نے ایاز کو دوبارہ خطاب کیا اور اُن کو ایاز کی فرمانبرداری دکھائی۔ مردی ہُش۔ یعنی پیغمبروں کی مردی۔ آنچہ۔ یہ دوسرے سردار وہ نہ سمجھے جو تو بآسانی سمجھ گیا۔

داستانِ ذوقِ امر و چاشنیش — بشنو اکنوں دَر بیانِ معنویش
حکم کے ذوق اور اس کی چاشنی کی داستان — اب اس (حکایت) معنوی بیان کو سُن لے

دادنِ شاہ گوہر را درمیانِ دیوان و مجمع بدستِ وزیر

کچہری اور مجمع میں بادشاہ کا ایک وزیر کو موتی دینا کہ یہ کس

ایں چند ارزد و مبالغہ کردنِ وزیر در قیمت و فرمودن

قیمت کا ہے؟ اور قیمت میں وزیر کا مبالغہ کرنا اور بادشاہ

شاہ کہ اکنوں ایں را بشکن و گفتنِ وزیر کہ ایں گوہر

کا حکم دینا کہ اب اس کو توڑ دے اور وزیر کو کہنا کہ اس عمدہ

نفیس را چگونہ بشکنم

موتی کو کیسے توڑوں؟

گفت روزے شاہ محمودِ غنی — آں شہِ غزنی و سلطانِ سنی
کہا ہے کہ بے نیاز شاہ محمود نے ایک دن — جو غزنی کا بادشاہ اور بزرگ شاہ تھا

شاہ روزے جانبِ دیواں شتافت — جملہ ارکاں را دراں دیواں بیافت
ایک دن، بادشاہ کچہری کی جانب گیا — اُس کچہری میں سب ارکان کو (موجود) پایا

گوہرے بیروں کشید او مستنیر[۵۱] — پس نہادش زود در کفِ وزیر
اس نے ایک روشن موتی باہر نکالا — پھر اُس کو جلد وزیر کی ہتھیلی پر رکھا

گفت چون ست و چہ ارزد ایں گہر — گفت بہ ارزد ز صد خروارِ زر
کہا کیسا ہے؟ اور یہ موتی کس قیمت کا ہے؟ — اُس نے کہا سونے کے سیکڑوں بوروں سے زیادہ قیمت کا ہے

گفت بشکن گفت چونش بشکنم — نیک خواہِ مخزن و مالت منم
کہا توڑ دے اُس نے کہا اسکو کیسے توڑوں؟ — میں آپ کے مال اور خزانہ کا خیر خواہ ہوں

چوں روا دارم کہ مثلِ ایں گہر — کہ نیاید در بہا گردد ہدر
میں کیسے روا رکھوں کہ اس جیسا موتی — جس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا رائگاں ہو جائے

گفت شاباش و بدادش خلعتے — گوہر از وے بستد آں شاہِ فتے
کہا شاباش ہے اور خلعت عطا کی — اُس جوانمرد شاہ نے موتی اُس سے لے لیا

کرد ایثارِ وزیر آں شاہِ جود — ہر لباس و حلہ[۵۲] کو پوشیدہ بود
اُس شاہِ سخی نے وزیر کو عطا کر دیا — جو لباس اور جوڑا وہ پہنے ہوئے تھا

ساعتے شاں کرد مشغولِ سخن — از قضیہ تازہ و رازِ کہن
اُن کو تھوڑی دیر باتوں میں لگایا — نئے معاملہ اور پرانے راز میں

---

۵۲ اے بدیدہ۔ لے ایاز تو میرے حکم کی لذت سے واقف ہے اس لئے تو میرے حکم پر جان چھڑکتا ہے۔ آگے یہ مولانا کا کلام ہے امرش میں شین کی ضمیر شاہ کی جانب ہے چاشنیش کی ضمیر امر کی جانب اور معنویش کی ضمیر حکایت کی جانب لوٹتی ہے

۵۳ دیوان۔ دفتر، دربار۔ چند ارزد کس قیمت کا ہے۔ گفت یعنی بیان کرنیوالے نے کہا ہے۔ سنی۔ بلند۔

۵۱ مستنیر۔ روشن۔ خروار۔ گدھے پر لادنے کا بورا مخزن۔ خزانہ۔ نیاید در بہا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ہدر۔ رائگاں۔ خلعتے۔ شاہی لباس فتے۔ فتی کا امالہ ہے نوجوان۔

۵۲ حلہ۔ کپڑوں کا جوڑا۔ مشغولِ سخن۔ چونکہ بادشاہ کو سب کا امتحان لینا تھا تو بات کاٹ دی تاکہ از سرِ نو دوسروں سے سوال و جواب کرے۔ حاجب۔ چوبدار جو پیشی کا وزیر ہوتا تھا۔

بعد ازاں دادش بدستِ حاجبے — کہ چہ ارزد ایں بہ پیشِ طالبے

اسکے بعد اُس کو حاجب کے ہاتھ میں دیا — کہ خریدار کے لئے یہ کس قیمت کا ہے؟

گفت [۵۰] ارزد ایں بہ نیمہ مملکت — کش نگہدارد خدا از مہلکت

اُس نے کہا یہ آدھی سلطنت کی قیمت کا ہے — خدا اُس کو بربادی سے بچائے

گفت بشکن گفت اے خورشید تیغ — بس دریغ ست ایں شکستن بس دریغ

کہا تو اسکو توڑ دے اُس نے کہا اے سورج کی تلوار والے! — اسکا توڑنا بہت قابلِ افسوس ہے بہت قابلِ افسوس

قیمتش بگذار بیں تاب و لمع — کہ شدست ایں نورِ روز او را تبع

اُسکی قیمت کو رہنے دیجئے چمک اور روشنی کو دیکھئے — کہ دن کی روشنی اسکے تابع بن گئی ہے

دست کے جنبد مرا در کسرِ او — کہ خزینہ شاہ را باشم عدو

اسکے توڑنے میں میرا ہاتھ کب ہلے گا؟ — ،، بادشاہ کے خزانہ کا دشمن کب ہوں؟

شاہ خلعت داد و ادرارش [۵۱] فزود — پس دہاں در مدحِ عقلِ او کشود

شاہ نے اُسکو خلعت دی اُسکی تنخواہ بڑھادی — پھر اُس کی عقل کی تعریف میں مُنہ کھولا

بعد یک ساعت بدستِ میر داد — دُر را آں امتحاں کُن باز داد

تھوڑی دیر کے بعد ایک امیر کے ہاتھ میں دیا — اُس امتحان کرنے والے نے موتی پھر دیا

او ہمی گفت و ہمہ میراں ہمیں — ہر یکے را خلعتے داد او ثمیں

اُس نے وہی کہا اور سب امیروں نے وہی — اُس نے ہر ایک کو قیمتی خلعت عطا کی

جامگیہا شاں ہمی افزود شاہ — آں خسیساں را ببرد از رہ بچاہ

بادشاہ اُنکے (کپڑوں کے جوڑے) بڑھا رہا تھا — اُن کمینوں کو راستہ سے کنویں میں لے گیا

ایں چنیں [۵۲] گفتند پنجہ شصت امیر — جملہ یک یک ہم بتقلیدِ وزیر

پچاس ساٹھ امیروں نے یہی کہا — وزیر کی تقلید میں ایک ایک کرکے سب نے

گرچہ تقلید ست اُستونِ جہاں — ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں

اگرچہ تقلید دنیا کا ستون ہے — آزمائش سے ہر مقلد رسوا ہوتا ہے

شاہ چوں کرد امتحانِ جملگاں — مال و خلعت برد ہر یک بیکراں

شاہ نے جب سب کا امتحان لیا — ہر ایک نے لاتعداد مال اور خلعت حاصل کیا

ہمچنیں در دور گرداں شد گہر — تا بدستِ آں ایازِ دیدہ ور

موتی اسی طرح گردش کے چکر میں رہا — یہاں تک دیدہ وَر ایاز کے ہاتھ میں (آیا)

آخریں بنہاد در کفِ ایاز — گفت او را کاے حریفِ دیدہ باز

بالآخر اُس کو ایاز کی ہتھیلی پر رکھا — اُس سے کہا اے صاحبِ نظر دوست!

یک [۵۳] بیک دیدند ایں گوہر تو ہم — در شعاعش در نگر اے محترم

انھوں نے ایک ایک کرکے اس موتی کو دیکھا تو بھی — اے محترم! اس کی چمک کو دیکھ لے

---

۵۰ گفت۔ حاجب نے کہا یہ آدھی سلطنت کی قیمت کا ہے۔ خورشید تیغ۔ یعنی وہ جس کی تلوار سورج جیسی چمکدار ہے۔ لمع۔ چمک۔ کہ شدست۔ دن کی روشنی اس کے سامنے ماند ہے۔

۵۱ ادرار۔ ماہواری تنخواہ۔ کشود۔ اُسکی تعریف اسلئے کی تاکہ دوسروں کا امتحان کرسکے بعد تھوڑی دیر کے بعد شاہ نے وہ موتی ایک دوسرے امیر کے ہاتھ میں دیا۔ ثمیں۔ قیمتی۔ جامگیہا۔ وہ لباس جو ملازمین کو سالانہ ملتے ہیں۔ آں خسیساں۔ یہ داد و دہش اُن سب کیلئے گمراہی کا سبب تھی چونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاہ کو جواب پسند آرہا ہے اسلئے وہ انعام دے رہا ہے۔

۵۲ ایں چنیں۔ جو جواب پہلے امیر نے دیا اُس کی تقلید میں سب امیروں نے وہی جواب دیا۔ گرچہ۔ دنیا کا کام تقلید سے ہی چل رہا ہے۔ در دور۔ وہ موتی یکے بعد دیگرے اسی طرح امیروں کے ہاتھ میں جاتا رہا آخیر میں شاہ نے ایاز کے ہاتھ میں دیدیا۔

۵۳ یک بیک۔ شاہ نے ایاز سے کہا اس موتی کو سب سردار دیکھ چکے اب تو بھی دیکھ لے۔ رسیدن۔ موتی ایاز کے ہاتھ میں جب پہنچا تو اُس نے پہلے سرداروں کی تقلید میں جواب نہ دیا اور بادشاہ کے اُنکو خلعت وغیرہ دینے سے دھوکے میں نہ آیا۔

رسیدنِ گوہر از دست بدست آخرِ دور بایاز و کیاستِ

موتی کا دست بدست آخری دور میں ایاز کے ہاتھ میں پہنچنا اور ایاز کی

ایاز و مقلّد نا شدنِ اُو ایشاں را و مغرور ناشدن اُو

ذہانت اور اس کا ان کا مقلد نہ ہونا اور اسکا دھوکے میں نہ پڑنا

بمال دادنِ شاہ و خلعتہا و جامگیہا افزوں کردن و

بادشاہ کے مال اور خلعت دینے سے اور کپڑے بڑھانے سے اور

مدحِ عقلِ ایشاں کردن بگمٰن کز نشاید مقلّد را مسلمان دانستن

اُن کی عقل کی تعریف کرنے سے، بقدر امکان مقلّد کو مسلمان نہ سمجھنا چاہیے

مسلمان باشد امّا نادر باشد کہ مقلّد ثبات کند براں اعتقاد و

مسلمان ہوتا ہے لیکن بہت کم ہوتا ہے کہ اُس اعتقاد پر وہ جماؤ کرے اور

مقلِّد ازیں امتحانہا بسلامت بیروں آید کہ ثبات بینایاں ندارد

مقلد ان امتحانات سے سلامتی کیساتھ عہدہ برآ ہو کیونکہ وہ دور اندیشوں کی سی ثابت قدمی نہیں رکھتا ہے

اے ایاز اکنوں بگوئی کایں گہر — **چند می ارزد بدیں تاب و ہنر**

اے ایاز! اب تو بتا کہ یہ موتی — اِس چمک اور خوبی کے ساتھ کس قیمت کا ہے؟

گفت افزوں زانچہ تانم گفت من — **گفت اکنوں زود خردش در شکن**

اُس نے کہا جتنا میں کہہ سکتا ہوں اُس سے بڑھا ہوا ہے — اُس نے کہا اب اُسکو فوراً ریزہ ریزہ کردے

سنگہا در آستیں بودش شتاب — **خُرد کردش پیش اُو آں بُد صواب**

پتھر اُس کی آستین میں تھے، جلد — اُس کو توڑ دیا اُسکے نزدیک یہ درست تھا

زاتفاقِ طالعِ با دولتش — **دست داد آں لحظہ نادر حکمتش**

اُس کے باقبال نصیبہ کے اتفاق سے — اُس وقت نادر حکمت اُسکے ہاتھ آگئی

یا بخواب ایں دیدہ بود آں پُر صفا — **کردہ بود اندر بغل دو سنگ را**

یا اُس روشن دل نے خواب میں یہ دیکھا تھا — اُس نے دو پتھر بغل میں دبا لئے تھے

ہمچو یوسفؑ کاندرونِ قعرِ چاہ — **کشف شد پایانِ کارش از آلہ**

یوسفؑ کی طرح کہ کنویں کی گہرائی میں — اُنکے لئے انجام کار اللہ تعالیٰ کیجانب سے کھل گیا تھا

ہر کرا فتح و ظفر پیغام داد — **پیشِ اُو یک شُد مراد و بے مراد**

جس کو فتح اور کامیابی نے پیغام دیا — اُنکے لئے مراد اور نامراد یکساں ہے

ہر کہ پایندانِ وے شُد وصلِ یار — **اُو چہ ترسد از شکستِ کارزار**

یار کا وصل جس کا ضامن ہوگیا — وہ جنگ کی شکست سے کیا ڈرے گا؟

---

۱۵ تمکن۔ تقلیدی ایمان معتبر نہیں ہے ایمان کا تعلق یقین سے ہے اور مقلد کو عموماً یقین حاصل نہیں ہوتا ہے معمولی شکوک سے اُس کا علم زایل ہو جاتا ہے۔ بینایاں۔ وہ لوگ جن کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اے ایاز۔ بادشاہ نے موتی کی قیمت ایاز سے لگوائی اُس نے جواب دیا کہ یہ اسقدر بیش قیمت ہے کہ اُسکی قیمت کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے، بادشاہ نے کہا اُسکو توڑ ڈال اُسکی آستین میں پتھر تھا اُس نے اُس کے ذریعہ فوراً اسکو توڑ ڈالا اُسکا نصیبہ تھا کہ دانائی نے اُسکا ساتھ دیا۔ ممکن ہے کہ اُس نے خواب میں یہ قصہ دیکھا ہو اور اسی لئے وہ آستین میں پتھر لیکر مجلس میں آیا ہو۔

۲۵ ہمچو۔ حضرت یوسفؑ نے قید ہی میں خواب میں آنے والے واقعات دیکھ لئے تھے۔ ہر کرا۔ جس شخص کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری مل چکی ہو اُسکے لئے فتح و شکست کے اسباب یکساں ہوتے ہیں۔

۳۵ پایندان۔ ضامن۔ چونکہ جب بازی کی کامیابی پر یقین ہو جاتا ہے تو اُس کو اپنے اسپ اور فیل کے پٹ جانے کی کوئی پروا نہیں ہوتی کر برگزد۔ اُسکا حریف اگر اُسکے اسپ کو مارے تو اسپ کا پٹنا اُسکی کامیابی کا پیش خیمہ ہوگا۔

چوں یقیں گشتش کہ خواہد کرد مات — فوتِ اسپ و فیل پیشش تُرّہات

جب اسکو یقین ہوگیا کہ وہ مات دے گا — اسپ اور فیل کا مارا جانا اسکے لئے بکواس ہے

گر بُرد اسپش ہر آنکہ اسپ جُوست — اسپِ اُو گوئی کہ پیشِ آہنگِ اوست

جو شخص اسپ کا طالب ہے اگر اُسکا اسپ مار لیجائے — تو گویا اسپ اُس کا پیشرو ہے

مُرد[۱] را با اسپ کے خویشی بُوَد — عشقِ اسپش از پئے پیشی بُوَد

انسان کی گھوڑے سے رشتہ داری کب ہوتی ہے؛ — گھوڑے سے اُسکا عشق آگے بڑھنے کیلئے ہوتا ہے

بہرِ صُورتہا مکش چندیں زحیر — بے صُداعِ صُورتے معنیٰ بگیر

صورتوں کے لئے اسقدر پیچ و تاب نہ اٹھا — صورت کا دردِ سر اٹھائے بغیر معنی حاصل کر

ہست زاہد را غمِ پایانِ کار — تا چہ باشد حالِ اُو روزِ شمار

زاہد کو انجام کا غم ہے — کہ قیامت کے دن اُسکا کیا حال ہوگا؟

عارفاں ز آغاز گشتہ ہوشمند — از غم و احوالِ آخر فارغ اند

عارف شروع ہی سے ہوشمند ہیں — آخرت کے احوال اور غم سے بے نیاز ہیں

بُود عارف را ہمیں خوف و رَجا — سابقہ دانیش خورد آں ہر دو را

عارف کو یہی خوف اور امید تھی — اُسکی پیشگی دانش نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے

دید[۲] کو سابق زراعت کرد ماش — اُو ہمی داند چہ خواہد بُود چاش

وہ جانتا ہے جس نے پہلے ماش کی کاشت کی ہے — وہ جانتا ہے کہ اُس کی پیداوار کیا ہوگی

عارف است اُو باز رست از خوف و بیم — ہائے و ہُو را کرد تیغِ حق دو نیم

وہ عارف ہے وہ خوف اور ڈر سے چھوٹ گیا ہے — اللہ تعالیٰ کی تلوار نے شور و غل کے دو ٹکڑے کر دیے ہیں

بُود اُو را بیم و اُمید از خدا — خوف فانی شد عیاں گشت آں رجا

اُس کو خدا سے خوف اور امید تھی — خوف فنا ہوگیا وہ امید ظاہر ہوگئی

خوف[۳] طے شد جملگی اُمید شُد — نور گشت و تابعِ خورشید شُد

خوف پٹ گیا، وہ مجسم امید ہوگیا — نور بنگیا اور سورج کے تابع ہوگیا

زامتحانِ شاہ بُود آگہ ایاز — وز فریبِ شہ نشُد گمرہ ایاز

ایاز، بادشاہ کے امتحان سے آگاہ تھا — شاہ کے فریب سے ایاز گمراہ نہ ہوا

خلعت و ادرار از راہش نبرد — کرد اُو گوہر ز امرِ شاہ خُرد

خلعت اور وظیفہ نے اسکو گمراہ نہ کیا — اُس نے بادشاہ کے حکم سے موتی توڑ ڈالا

چوں شکست اُو گوہرِ خاص آں زماں — زاں امیراں خاستہ صد بانگ و فغاں

جب اُس نے خاص موتی توڑا، اُس وقت — امیروں سے بہت شور اور فریاد بلند ہوئی

کایں چہ بیباکیست واللہ کافر است — ہر کہ ایں پُر نور گوہر را شکست

کہ یہ کیا بے باکی ہے خدا کی قسم کافر ہے — جس نے اِس منوّر موتی کو توڑا

[۱] مُرد را۔ شطرنج کو اسپ سے کوئی محبت نہیں ہوتی وہ تو جیتنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ زحیر: پیچ و تاب۔ صُداع۔ دردِ سر۔ صورت: یعنی اسپ۔ معنیٰ: یعنی کامیابی۔ ہست: معنیٰ کے ادراک کے بھی مراتب مختلف ہیں زاہد کو انجام کا غم رہتا ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے عارفاں جو لوگ کمل ہیں انکو ابتداء سے ہی انجام کا علم ہو جاتا ہے اور انکا علم خوف اور امید کو ختم کر دیتا ہے۔

[۲] دید۔ عارف جان لیتا ہے جو بویا ہے اُسکی پیداوار کیا ہوگی چونکہ اسکو پیشگی ہی علم حاصل ہوگیا ہے لہٰذا انجام کے فکر کا شور و غل ختم ہوگیا ہے۔ بُود: اسکو بھی انجام کے بارے میں خوف اور امید کی کشمکش تھی لیکن اس پر حقیقت واضح ہو جانے کی وجہ سے اب خوف ختم ہوگیا ہے اور امید باقی رہ گئی ہے۔

[۳] خوف۔ اُس کے لئے اب خوف ختم ہوگیا اور وہ نور بنکر نورِ مطلق کے تابع ہوگیا۔ زامتحان۔ ایاز بھی انہی میں سے تھا جن کو انجام کی خبر ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بادشاہ کے احکام وغیرہ کے دھوکے میں نہ پڑا۔ گوہر۔ اُس نے موتی کو شاہ کے حکم کے مطابق فوراً توڑ ڈالا۔ کایں چہ۔ امیروں نے شور کیا اور ایاز سے کہا کہ یہ کیسی بے باکی ہے کہ ایسے عمدہ موتی کو تو نے توڑ ڈالا۔

وانؔ جماعت جملہ از جہل و عمیٰ | در شکستہ دُرِّ امرِ شاہ را
اور اس جماعت نے نادانی اور اندھے پن سے | بادشاہ کے حکم کے موتی کو توڑا تھا

قیمت گوہر نتیجہ مہر و وُد | بر چناں خاطر چرا پوشیدہ شُد
دوستی اور محبت کے نتیجہ کے موتی کی قیمت | ایسی طبیعت پر کیوں پوشیدہ ہوئی؟

تشنیع زدن اُمرا بر ایاز کہ چرا شکستی و جواب دادن ایاز ایشاں را

امیروں کا ایاز کو ملامت کرنا کہ تونے کیوں توڑا اور ان کو ایاز کا جواب دینا

گفت ایاز اے مہترانِ نامور | امرِ شہ بہتر بقیمت یا گہر
ایاز نے کہا اے نامور سردارو! | قیمت میں بادشاہ کا حکم بہتر ہے یا موتی

امرِ سلطاں بہ بُود پیشِ شُما | یا کہ ایں نیکو گہر بہرِ خدا
تمہارے نزدیک بادشاہ کا حکم بہتر ہے | یا یہ اچھا موتی! خدا کے لئے بتاؤ

اے[۵۲] نظرتاں بر گہُر بر شاہ نے | قبلہ تاں غُولست جادہ راہ نے
ارے تمہاری نظر موتی پر ہے شاہ پر نہیں ہے | تمہارا قبلہ چھلاوا ہے سیدھا راستہ نہیں ہے

من ز شہ بر می نگردانم بصر | مَن چو مشرک روئے نارم در حجر
میں شاہ سے نظر نہیں پھیرتا ہوں | میں مشرک کیطرح پتھر کیجانب رُخ نہیں کرتا ہوں

بے گہر جانے کہ رنگیں سنگِ راہ | بر گزیند پس نہد اُو امرِ شاہ
وہ بے گوہر جان جو راستہ کے رنگین پتھر | پسند کرے، وہ شاہ کا حکم پیچھے ڈال دے گی

پُشت[۵۳] سُوی لُعبتِ گلرنگ کُن | عقل در رنگ آورندہ دنگ کُن
پھول جیسے رنگ کی گڑیا کی جانب پُشت کرے | عقل، رنگ دینے والے میں حیران کردے

اندر آ در جو سبو بر سنگ زن | آتش اندر بُو و اندر رنگ زن
نہر میں آجا، ٹھلیا کو پتھر پر ماردے | بُو اور رنگ میں آگ لگا دے

گر نہٖ در راہِ دیں از رہزنان | رنگ و بُو مپرست مانند زناں
اگر تو دین کی راہ میں راہزنوں میں سے نہیں ہو | عورتوں کی طرح رنگ و بُو کی پرستش نہ کر

گوہر امرِ شہ بُود اے ناکساں | جُملہ بشکستید گوہر را عیاں
اے نالائقو! موتی بادشاہ کا حکم ہوتا ہے | تم سب نے علانیہ موتی کو توڑا

چوں ایاز ایں راز بر صحرا فگند | جُملہ ارکاں خوار گشتند و نژند
جب ایاز نے اِس راز کو میدان میں ڈال دیا | سب ارکان خوار اور ذلیل ہوگئے

سر فرو انداختند آں سروراں | عُذر[۵۴] گویاں گشتہ زاں نسیاں بجاں
اُن سرداروں نے سر نیچے جُھکالئے | (دل و) جان سے اُس بھول پر عذرخواہ بن گئے

از دلِ ہر یک دو صد آہ آں زماں | ہمچو دُودے می شُدے تا آسماں
اُس وقت سیکڑوں آہیں ہر ایک کے دل سے | دھوئیں کی طرح آسمان تک جاتی تھیں

[۵۱] واں جماعت: سرداروں کی جماعت اپنے جہل سے یہ نہ سمجھی کہ ایاز نے تو موتی توڑا اور اُن لوگوں نے بادشاہ کا حکم توڑا۔ قیمت۔ محبت اور دوستی کے موتی کو اُنھوں نے اُس موتی سے زیادہ قیمتی نہ سمجھا۔ امرِ شہ۔ ایاز نے اُن امیروں سے کہا یہ بتاؤ کہ موتی زیادہ قیمتی تھا یا بادشاہ کا حکم!

[۵۲] اے نظر۔ تم لوگوں کا منظورِ نظر موتی تھا بادشاہ کا حکم نہ تھا۔ تم نے اپنا قبلہ سیدھا راستہ چھوڑ کر چھلاوے کو بنا لیا۔ من زشہ۔ بادشاہ کو چھوڑ کر موتی کی طرف توجہ کرنا محبت کا شرک ہے۔ بے گہر۔ جو شخص راستہ کے رنگین پتھر کو بہتر سمجھے اور شاہ کے حکم کو پس پشت ڈال دے وہ خود بے جوہر ہے۔

[۵۳] پشت۔ مصنوعات سے روگردانی کرکے صانع کی جانب توجہ کرنی چاہئے۔ اللہ ظاہر کی طرف رُخ کر مظاہر پر اکتفا نہ کر۔ رنگ و بُو۔ دنیا کی خوشنمائی راہ کی رکاوٹ ہے۔ گوہر۔ اصل موتی شاہ کا حکم تھا نافرمانی کرکے تم نے اُس کو توڑ ڈالا۔ چوں۔ ایاز کی یہ تقریر سن کر سب امیر شرمندہ اور حیران ہوگئے۔

شرح

واضح ہو کہ اس قصہ میں محمود و ایاز محض روپوشی کے لیے ہیں اور اصل مقصود اس معاملہ کا بیان کرنا ہے جو اہل اللہ اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہوتا ہے۔ اسلئے اس قصہ میں بعض الفاظ و مضامین تو ایسے واقع ہوئے ہیں جن میں ظاہر قصہ کا لحاظ کیا گیا ہے جیسے "ای تو سلطان و خلاصہ امر کنی" وغیرہ اور بعض ایسے جن میں مقصود کی رعایت کی گئی ہے۔ جیسے انچہ معلوم تو نبود چیست آں وغیرہ جیساکہ مضامین آئندہ سے آپ کو معلوم ہوگا اور بعض خطابات و عنوانات تو ایسے آئیں گے جن میں صاف طور پر مقصود کی تصریح ہوگا ان سے یہ امر صاف طور پر کھل جاویگا۔ کہ مولانا نے ایاز سے عبدِ حقیقی مراد لیا ہے اور محمود سے شہنشاہِ حقیقی۔ جب یہ امر ذہن نشین ہوگیا تو اب مضمون اول سے آخر تک منسق و منظم ہوگیا اور انتشارِ کلام جو بادی النظر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے دفع ہوگیا اور تکلف انتقالات کی ضرورت نہ رہی۔ محشیں چونکہ اس دقیقہ سے غافل تھے اسلئے انکو

شرح کلام و تعیین انتقالات میں سخت دقت پیش آئی ہے فتنبہ لہ۔ جب یہ مضمون تمہیدی معلوم ہوگیا تو اب حل اشعار سنو مولانا فرماتے ہیں کہ محمود نے ایاز کو پھر خطاب کیا اور کہا کہ اے مشبہ نژاد و شیطان کش ایاز جس میں مردی حیوانی کم اور مردی عقلی زیادہ ہے۔ تیری کمال عقل کی یہ حالت ہے کہ جس امر کو اتنے امرا نہ سمجھ سکے وہ تیرے نزدیک ایک بچوں کا کھیل اور نہایت معمولی شے تھا اور اے وہ شخص جو میرے حکم کی لذت سے آشنا ہے اور جس باب وفا میں یہ حالت ہے کہ میرے حکم کے لیے جان دینے میں بھی دریغ نہیں ہے تو نہایت ہی عجیب شخص ہے — [فائدہ: اس مضمون کے الفاظ بھی صاف پکار رہے ہیں کہ ایاز سے عبدِ حقیقی مراد ہے] محمود کے خطاب کو ختم کر کے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص! جو کہ محمود کے ایاز کی اتنی تعریف کرے اور اسکی اتنے بڑھانے چڑھانے سے واقف ہے تو یہ حکایت سن! تاکہ تو شک و شبہ سے چھوٹ جائے اور ایاز کو امر سلطانی میں جو مزہ آتا تھا اسکا بیان تو ایک پرمعنی بیان کے اندر سن! تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ تعریف بالکل صحیح اور بلا مبالغہ ہے — ایک روز سلطان محمود شاہ غزنی اور عالیجاہ بادشاہ نے کہا۔ کیا کہا اسکو تو ہم آگے بیان کرینگے پہلے یہ سن لو کہ ایک روز محمود اپنے دربار میں آیا۔ اور ارکین دولت کو لینے حاضر دربار پایا۔ اس وقت اس نے ایک روشن موتی نکالا اور وزیر کے ہاتھ

پرر کھا جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سُنو کہ اُس نے کیا کہا اُس نے کہا کہ اے وزیر یہ موتی کیسا ہے اور کس قیمت کا ہوگا
وزیر نے جواب دیا کہ حضور والا! یہ موتی اشرفیوں کے سو گونوں سے بھی زیادہ قیمت کا ہے جب اس نے یہ کہا کہ
تو محمود نے حکم دیا کہ اچھا اسے توڑ دو اس نے کہا کہ حضور بھلا میں کیسے توڑ دوں ۔ میں خزانہ سلطانی اور دولت
شاہی کا خیرخواہ ہوں۔ ایسی حالت میں میں کیسے جائز رکھ سکتا ہوں کہ ایسا انمول موتی ضائع ہو جائے
محمود نے اُسے شاباش دی اور خلعت سے سرفراز کیا اور موتی اس کے ہاتھ سے لے لیا اور وہ اُسوقت جو کچھ
پہنے ہوئے تھا اُس نے وہ سب وزیر کو دیدیا............
اس کے بعد اس نے لوگوں کو ادھر اُدھر کی باتوں میں لگایا تاکہ یہ واقعہ انکے ذہنوں سے نکل جائے اس کے بعد اُسکو دربان کے
ہاتھ میں دیدیا اور کہا کہ خریدار کی نظر میں یہ کتنے کا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ حضور والا کی سلطنت کا نصف اسکی
قیمت ہوگی یہ سنکر محمود نے کہا کہ اچھا اسے توڑ ڈالو اس نے عرض کیا کہ اے وہ بادشاہ! جس کی تلوار آفتاب
کی طرح چمکدار اور عالمگیر ہے اس کا توڑنا نہایت ہی قابل افسوس ہے، اچھا! آپ اسکی قیمت کو جانے دیجئے
اسکی چمک دمک ہی دیکھ لیجئے کہ روز روشن کا نور اس کے تابع ہے ایسی حالت میں میرا ہاتھ اس کے توڑنے
کے لیے کیسے ہلے گا اور میں اسے کیسے توڑوں گا میں خزانہ شاہی کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا بادشاہ نے
اسکو خلعت دیا اور اس کا وظیفہ بڑھا دیا اور اس کی عقل کی بہت کچھ تعریف کی بھوڑی دیر
کے بعد اسکو داروغہ عدالت کے ہاتھ میں دیا اس نے بھی یہی جواب دیا جو اوروں نے دیا تھا
اور دیگر اُمراء نے بھی۔ ایسا ہی کیا اس نے سب کو بیش بہا خلعتیں عطا کیں اور تنخواہیں بڑھا
دیں اور اس طرح ان ذلیلوں کو راہِ راست سے ہٹا کر کنوئیں میں گرا دیا۔
خیر خلاصہ یہ ہے کہ پچاس ساٹھ اُمرا نے وزیر کی تقلید میں موتی کے توڑنے سے
انکار کر دیا۔ اس موقع پر استطراداً اتنا سمجھ لو کہ گو عالم تقلید سے پُر ہے اور اس سے چارہ بھی نہیں ہے
کیونکہ تحقیق کے لیے بھی اوّل تقلید کی ضرورت ہے۔ اور اسلئے کہ گویا کہ عالم ستون تقلید ہی
پر قائم ہے لیکن ہر مقلد کو امتحان میں ذلت اٹھانا پڑتی ہے اسلئے تقلید پر اکتفا نہ کرنا
چاہیئے۔ بلکہ اسکو تحقیق کا ذریعہ بنا کر درجہ تحقیق حاصل کرنا چاہیئے۔
جب یہ مضمون استطرادی ختم ہُوا تو اب سمجھو کہ جب بادشاہ نے تمام ارکین دولت
کا امتحان کیا تو ہر ایک بہت کچھ مال و دولت اور خلعت لے گیا اور اس طرح وہ موتی

تمام حلقۂ ارکینِ دولت میں گشت کر گیا۔ یہاں تک کہ وہ آخر میں حقیقت شناس ایاز کے ہاتھ میں آیا اور بادشاہ نے اسے کہا کہ اے صاحب بصیرت ندیم! اِن سب نے ایک ایک کرکے موتی دیکھ لیا۔ اب تم بھی اس کی شعاع کو دیکھ لو۔ اور یہ بتلاؤ کہ یہ موتی اس چمک اور کمال کے ساتھ کس قیمت کا ہوگا اس پر ایاز نے جواب دیا کہ میں جو کچھ بھی ہوں اسسے اس کی قیمت زائد ہوگی۔ جب اسنے یہ کہا تو بادشاہ نے کہا کہ اچھا اسے توڑ دو۔ اس کی آستین میں پتھر موجود تھے اسنے نکالتے ہی اس موتی کو وہیں چور چور کر دیا۔ اور ایسا کرنا ہی ٹھیک بھی تھا اب یا تو یوں کہا جائے کہ اسکی یادولت طالع کے موافقت سے اس کو یہ نادر حکمت سوجھ گئی یا یوں کہا جائے کہ اسنے خواب میں یہ واقعہ دیکھ لیا تھا۔ غرض کچھ بھی ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اسنے آستین میں دو پتھر چھپا رکھے تھے۔ اور اس واقعہ میں اسکی حالت یوسف علیہ السلام کے مشابہ تھی جن کو اپنے معاملہ کا نتیجہ خدا کی طرف سے کنوئیں کے اندر ہی معلوم ہوگیا تھا۔ یہاں سے مولانا فضیلت مآل والے کا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حسن مآل کا علم ہو جانا نہایت عجیب چیز ہے کیونکہ جس کسی کو فتح و ظفر

پیغام دیدیتی ہے یعنی اسکو اپنی فتح کا علم ہوجاتا ہے اسکے نزدیک کامیابیاں اور عارضی ناکامیاں سب برابر ہوجاتی ہیں اور جس کو وصل یار کا اطمینان ہوچکا ہے اور گویا کہ اس طرح وصلِ یار اسکے پاس رہن ہو جاتا ہے اسکو اپنی عارضی ناکامیوں کا کچھ خوف نہیں ہوتا اور جس کو یہ اطمینان ہوجائے کہ بازی میں ہی جیتوں گا اُس کے نزدیک گھوڑے یا خیل کا مارا جانا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اگر طالب اسپ اس کا گھوڑا لے جائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ مقدمہ ہے اسکی فتح کا۔ کیونکہ اسسے اس کے لئے اس بازی کا رستہ کھلتا ہے جسسے وہ اپنے حریف کو شکست دے گا۔ ایسی حالت میں اسکو گھوڑے کے مرنے کا کیا رنج ہوسکتا ہے کیونکہ آدمی کو گھوڑے سے رشتہ داری کا تعلق نہیں ہے بلکہ اسکو جو کچھ تعلق ہے وہ اسلئے ہے کہ وہ اس کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ پس جبکہ ترقی اس کے مرنے کی صورت

میں یہی حاصل ہے تو اس کا مرنا اسکو کچھ صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔

جب یہ مضمون معلوم ہوگیا۔ تو اب تم کو چاہیئے کہ تم صورتوں کے لئے زحمت نہ اٹھاؤ اور صورتوں کے لئے دردسر کیئے بغیر معنی حاصل کرو۔ کیونکہ مقصود صورتیں نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود حقیقت ہے جیسے کہ شطرنج میں اصل مقصود ہاتھی گھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصودمات دینا ہے پس جس طرح شطرنج باز حصول فتح کے لیے ہاتھی گھوڑے کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کو مروا دیتا ہے یونہی تم بھی حقیقت پر صورتوں کو قربان کردو اور لذات روحانیہ کے لیے لذاتِ جسمانیہ کو چھوڑ دو اور آخرت کے لئے دنیا کو وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو ہمنے اوپر کہا تھا کہ مآل بین سے اپنی عارضی ناکامیوں کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس مضمون کو ہم نے واقعات سے ثابت کیا تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زاہد خشک چونکہ مآلِ کار سے ناواقف ہوتا ہے اسلئے اُسے نتیجہ کی فکر ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھئے کہ قیامت میں ہمارا انجام کیا ہوتا ہے مگر عارف آغاز سے واقف ہوتے ہیں اسلئے اُنکو نتیجہ کے متعلق کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے اہل عرفان بھی امید وبیم کی حالت میں ہوتے ہیں مگر اسکے آغاز دانی اس امید وبیم کو چٹ کر جاتی ہے دیکھا جو شخص ہوتا ہے وہ مآل کار کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ انبار غلہ کیا ہوگا اسلئے اسکو اسکے متعلق کوئی فکر نہیں ہوتی پس چونکہ عُرفا بھی آغاز دانی کے سبب مآل کار سے واقف ہوتے ہیں اسلئے وہ بھی امید وبیم کے مخمصہ سے نجات پا جاتے ہیں اور تیغ حق اس شور وشغب اور صاتے واتے کا خاتمہ کردیتی ہے اور گو ابتداء میں ان کو بھی خدا سے امید وبیم دونوں ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں خوف فنا ہو جاتا ہے اور صرف امید ظاہر ہو جاتی ہے اور خوف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ بتمامہ اُمید ہو جاتا ہے اور خوف سراپا نور بن کر تابع خورشید امید ہو جاتا ہے۔

(فائدہ: تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جب تک آدمی محجوب ہوتا ہے اُس وقت تک اُسکو نجات وعدم نجات کے بارے میں خلجان رہتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھئے نجات ہوگی یا نہیں لیکن جب وہ عارف ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُسکو نجات کی

طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اور وہ خلجان جو پیشتر تھا دفع ہو جاتا ہے۔ اطمینان سے مراد ہماری یقین نہیں ہے بلکہ محض سکونِ قلب مراد ہے) اور وجہ اس اطمینان کی یہ ہوتی ہے کہ اس کو حق سبحانہٗ کے وعدہ پر اطمینان ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہٗ بدون جُرم کے سزا نہ دیں گے پس وہ نجات کی طرف سے توبے فکر ہو جاتا ہے اب جو کچھ فکر ہوتی ہے وہ اس کی ہوتی ہے کہ اعمال میں کوئی خرابی نہ آئے اور وہ اپنے اعمال کو درست رکھتا ہے اور انکی درستی کی خود بھی کوشش کرتا ہے اور حق سبحانہٗ سے اس میں مدد لیتا ہے اور جبکہ وہ حق سُبحانہٗ کی عنایات کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی توفیق اور امداد کو اپنے شاملِ حال پاتا ہے تو اسکو اعمال کی طرف سے بھی اطمینان ہو جاتا ہے اور اب اسکو نجات کے متعلق بالکل خلجان نہیں رہتا لیکن چونکہ عقلاً وہ یہ جانتا ہے کہ نہ فی نفسہٖ مجھ سے صدورِ معصیت کُفر وغیرہ ناممکن ہے اور نہ حق سبحانہٗ پر میری حفاظت واجب ہے اور نہ اس نے میری حفاظت کا قطعی طور پر وعدہ کیا ہے اسلئے عقلی خوف اسکو ضرور ہوتا ہے پس اس تقریر پر مولانا کا کلام خلافِ حدیث الایمان بین الخوف والرّجاء نہ ہوگا۔ واللہ اعلم)

خیر! ایاز امتحانِ شاہ سے واقف تھا اسلئے اُس نے وہی کیا جو بادشاہ چاہتا تھا اور اسکے دھوکہ سے مغالطہ میں نہیں پڑا۔ اور خلعت اور وظیفہ نے اُسے گمراہ نہ کیا بلکہ اُس نے بحکمِ شاہی موتی کو توڑ دیا۔ جب اُس نے وہ خاص موتی توڑا تو امیروں نے چلّانا شروع کیا کہ ارے یہ کیا بے باکی ہے کہ ایسا بیش بہا موتی توڑ دیا گیا۔ واللہ وہ شخص نہایت کافرِ نعمت شاہی ہے جس نے ایسے بیش بہا موتی کو توڑ دیا۔

اس پر مولانا فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایاز کے خلاف شور و شر کرتے ہیں جس نے کہ حکمِ شاہی سے ایک موتی کو توڑ دیا تھا۔ حالانکہ خود انہوں نے اپنی جہالت اور اندھے پن سے امرِ سلطانی کے موتی کو توڑ دیا ہے یہ روش انکی نہایت غلط ہے کیا مہر و محبت اور خلوصِ وفا کا نتیجہ فی الواقع قیمت گوہر ہے۔ جس کی رعایت کو وہ اپنی محبت و وفا کا۔

اور جس کا خیال نہ کرنے کو ایاز کے نمک حرامی کا شاہد بناتے ہیں ہرگز نہیں پس سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے زیرک طبیعتوں پر اتنی کھُلی ہوئی بات کیسے مخفی رہی۔

اسکو ختم کر کے مولانا ایاز کے جواب کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا کہ اے معزز سردارو! تم بتلاؤ کہ کیا امر شاہی زیادہ قیمتی ہے یا موتی اور خدا کے لیے تم مجھے بتلاؤ کہ تمہارے نزدیک امر سلطانی اچھا ہے یا یہ عمدہ موتی۔ صاحبو! تمہاری نظر موتی پر ہے اور بادشاہ پر نہیں ہے اور تمہارا قبلہ توجہ راہِ راست نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو کہ تم کو راہِ راست سے ہٹاتا ہے مگر میں تو بادشاہ ہی پر نظر رکھوں گا اور اس سے اپنی نظر نہ ہٹاؤں گا اور مشرکین کی طرح ایک پتھر کی طرف رُخ نہ کروں گا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے کمال ہے وہ شخص جو کہ رنگین پتھر (حطامِ دنیا) کو قبول کرے۔ اور امر حق سبحانہ کو پسِ پُشت ڈال دے اس کو کوئی کہے کہ اے بے وقوف تو حسین معشوقوں وغیرہ کی طرف سے منہ موڑلے اور اپنے عقل کو رنگ پیدا کرنے والے کے مشاہدۂ جمال میں متحیر کر۔ اور گھڑے کو توڑ کر ندی میں گھس جا یعنی مطلوبات خسیسہ کے بُود رنگ کو آگ لگا۔ اور ان کی معدن کو مطمح نظر بنا۔ اور اگر تو راہِ دین کا ڈاکو نہیں ہے تو مرد بن اور عورتوں کی طرح رنگ بُو کو مقصود نہ بنا۔

اس مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ ایاز کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا۔ کہ اصل گوہر تو امرِ شاہ ہے لیکن تم نے کھُلم کھُلا اس موتی کو توڑ دیا اور تمہیں اس کا کچھ بھی خیال نہ ہُوا۔ میں نے ایک پتھر کو توڑا وہ بھی حکمِ شاہی سے تو تم مجھ پر ملامت کرتے ہو کتنی ناانصافی کی بات ہے پس جبکہ ایاز نے اس راز کو کھولا ہے تو تمام امیر ذلیل اور پریشان ہو گئے اور دل سے اپنی بھول کا عذر کرتے ہوئے سب نے مارے شرم کے سر جھکا لئے۔ اور ہر شخص کے دل سے اس وقت مارے غم کے سینکڑوں آہیں دھوئیں کی طرح آسمان پر جا رہی تھیں۔

قصد کردن شاہ بقتلِ اُمرا و شفاعت کردنِ ایاز پیشِ تخت کہ اَلْعَفْوُ اَوْلیٰ

بادشاہ کا امیروں کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا اور تخت کے سامنے ایاز کا سفارش کرنا کہ معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے

کرد[2] اشارت شہ بجلادِ کہن — کز صدرم ایں خساں را پاک کن
شاہ نے پُرانے جلاد کو اشارہ کیا — کہ اِن کمینوں کو میرے دربار سے صاف کردے

ایں خساں چہ لائقِ صدرِ منند — کز پئے سنگ امرِ ما را بشکنند
یہ کمینے کیا میرے دربار کے لائق ہیں؟ — جو پتھر کی خاطر ہمارے حکم کو توڑتے ہیں

امرِ ما پیشِ چنیں اہلِ فساد — بہرِ رنگیں سنگ شد خوار و کساد
ایسے مفسدوں کے نزدیک ہمارا حکم — رنگین پتھر کی وجہ سے ذلیل اور کھوٹا ہوگیا

پس ایازِ مہر افزا بر جہید — پیشِ تختِ آں اُلغ سلطاں دوید
پھر محبت بڑھانے والا ایاز اُٹھا — سلطانِ اعظم کے تخت کے سامنے دوڑ کر گیا

سجدۂ کرد و گلوی خود گرفت — کای قبادے کز تو چرخ آرد شگفت
سجدہ کیا اور اپنا گلا پکڑا — کہ اے شاہ! کہ تجھ سے آسمان تعجب میں ہے

اے[4] ہمائے کہ ہمایاں فرخی — از تو دارند و سخاوت ہر سخی
اے ہما! کہ سب ہما برکت — اور تمام سخی سخاوت تجھ سے حاصل کرتے ہیں

اے کریمے کہ کرمہائے جہاں — محو گردد پیشِ ایثارت نہاں
اے وہ کریم! کہ جہان کے کرم — تیرے مخفی ایثار کے آگے محو ہوجاتے ہیں

[illegible] کہ گلِ سرخت چو دید — از خجالت پیرہن را بردرید
اے وہ صاحبِ لطف کہ جب گلِ سرخ نے تجھے دیکھا — شرمندگی سے لباس چاک کرڈالا

از غفوریِ تو غفراں چشم سیر — روبہاں بر شیر از عفوِ تو چیر
تیری مغفرت سے، مغفرت سیر چشم ہے — تیری معافی سے لومڑیاں شیر پر غالب ہیں

جز[5] کہ عفوِ تو کرا دارد سند — ہر کہ با امرِ تو بیباکی کند
تیری معافی کے سوا کس پر سہارا رکھتا ہے؟ — جو شخص تیرے حکم پر بیباکی کرے

غفلت و گستاخیِ ایں مجرماں — از وفورِ عفوِ تست اے عفوراں
اِن خطاواروں کی غفلت اور گستاخی — اے معافی دینے والے! تیری معافی کی کثرت کی وجہ سے ہے

---

[1] مُقلد۔ منت کرنے لگے کہ ہم سے بھول ہوگئی اور ہر ایک آہیں بھرنے لگا۔

[2] کرد۔ شاہ نے اِن سرداروں کی نافرمانی پر اُن کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ یہ کمینے میری مجلس کے لائق نہیں ہیں اِن سے مجلس کو پاک کرنا چاہیئے اُنھوں نے ایک پتھر کی خاطر حکم عدولی کی اس پر ایاز شاہی تخت کی طرف دوڑا اور اُس کے سامنے سجدہ کر کے سفارش کرنے لگا۔

قباد۔ نوشیرواں کے باپ کا نام ہے پھر ہر بڑے بادشاہ کو کہہ دیا جاتا ہے۔

[4] اے ہمای۔ ایاز نے بادشاہ سے کہا آپ ہما ہیں دنیا کے جس قدر ہما ہیں اُن میں آپ کی وجہ سے برکت آئی ہے آپ ایسے کریم ہیں کہ دنیا کے کریموں نے آپ سے کرم حاصل کیا ہے آپ اِس قدر حسین ہیں کہ گلاب نے شرمندگی سے اپنا لباس چاک [illegible]

آپ کا عفو [illegible] کہ مغفرت آپ سے سیر چشم ہوری ہے اور لومڑیاں آپ کے عفو کی بنیاد پر شیروں پر غالب ہیں۔

[5] جز۔ جو شخص آپ کی حکم عدولی کرتا ہے وہ آپ کے عفو کو سہارا لے کر کرتا ہے۔

شرح بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ ان نااہلوں کو میرے دربار سے صاف کر دے۔ یہ نااہل میرے دربار کے کیا قابل ہو سکتے ہیں؟ کہ ایک پتھر کے لیے ہمارے حکم کو توڑتے ہیں اور ہمارا حکم ان خراب لوگوں کے نزدیک ایک رنگین پتھر کے لیے بے وقعت اور ناقابل قبول ہو گیا جب بادشاہ نے یہ حکم دیا۔ تو ایاز مشفق اپنی جگہ سے فوراً اٹھا۔ اور دوڑا ہوا اس عظیم الشان بادشاہ کے تخت کے سامنے آیا۔ اور آدابِ شاہی بجالایا اور مطابق رسمِ دربار اپنے گلے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اے وہ کیقباد جس کی رفعت و علو مرتبت سے آسمان بھی متعجب ہے اور اے وہ ہُما جس سے اور ہما سعادت حاصل کرتے ہیں اور جس سے ہر سخی سخاوت حاصل کرتا ہے اور اے وہ کریم! جس کی بخشش کے سامنے تمام عالم کے کرم محو اور مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور اے وہ پاکیزہ! جس کو گُل سُرخ نے دیکھا تو شرمندگی سے اپنا پیراہن سُرخ و لطیف پھاڑ ڈالا۔ آپ کی بخشش سے۔ خود بخشش سیر چشم ہے کہ وہ کسی کے جُرم کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ نظر میں نہیں لاتے

شیر پر غالب ہیں یعنی یہ مجُرم خود حضور والا کے سامنے گستاخی کرتے ہیں آپ ان مجرموں کا قصور معاف فرما دیجئے اور ان کی جان بخشی کیجئے۔ بھلا جو حضور کے حکم ساتھ گستاخانہ برتاؤ کریگا وہ حضور کے عفو کے سوا کس پر بھروسہ کر سکتا ہے کسی پر نہیں پس ان مجرموں کی غفلت اور گستاخی۔ حضور ہی کے عفو سے ناشی ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں صورت قصہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

دائماً غفلت زگستاخی دمد ۔ کہ برد تعظیم از دیدہ رمد
غفلت ہمیشہ گستاخی سے پیدا ہوتی ہے ۔ کیونکہ آنکھیں دکھنا آنکھوں سے تعظیم کو ختم کر دیتا ہے

غفلت ونسیانِ بدآموختہ ۔ زآتشِ تعظیم گردد سوختہ
سیکھی ہوئی بُری غفلت اور بھول ۔ تعظیم کی آگ سے جل جاتی ہے

ہیبتش بیداری و فطنت دہد ۔ سہو و نسیاں از دلش بیروں جہد
اس کی ہیبت بیداری اور سمجھ عطا کرتی ہے ۔ بھول اور نسیان اُس کے دل سے نکل جاتا ہے

غفلت۔ آقا کی رحم دلی اور عفو کی صفت غلاموں کو گستاخ اور غافل بنا دیتی ہے، جب انسان کی آنکھیں دُکھ رہی ہوں تو وہ تعظیم سے غافل ہو جاتا ہے۔ ہیبتش۔ آقا کی ہیبت اور خوف غلاموں میں بیداری پیدا کر دیتا ہے

وقتِ[۵۲] غارت خواب ناید خلق را — تا نبرد باید کسے زُود دلق را
لوٹ کے وقت لوگوں کو نیند نہیں آتی ہے — تاکہ کوئی اُس کی گدڑی نہ لے اُڑے

خواب چوں درمیرمد از بیمِ دلق — خواب و نسیاں کے بود با بیمِ حلق
جب گدڑی کے ڈر سے نیند بھاگ جاتی ہے — گلے کے ڈر سے نیند اور بھول کب ہوتی ہے؟

لَاتُوَاخِذْ اِن نَّسِیْنَا شُد گواہ — کہ بُوَد نسیاں بوَجہے ہم گناہ
• اگر ہم بھول گئے تو تو پکڑ نہ کر، گواہ ہے — کہ بھول بھی ایک طرح سے گناہ ہے

زانکہ اِستکمالِ تعظیم اُو نہ کرد — وَرنہ نسیاں درنیاوردے نبرد
کیونکہ اس نے تعظیم کی تکمیل نہ کی — ورنہ بھول، مصیبت نہ لاتی

گرچہ نسیاں لابُد و ناچار بُود — در سبب ورزیدن اُو مختار بُود
اگرچہ بھول ضروری اور لا علاج ہے — (لیکن) سبب اختیار کرنے میں وہ صاحبِ اختیار ہے

چوں[۵۳] تہاون کرد در تعظیمہا — تاکہ نسیاں زاد یا سہو و خطا
جب اُس نے عظمتوں میں سستی برتی — یہاں تک کہ سہو اور غلطی سے نسیان پیدا ہوا

ہمچو مستے کو جنایتہا کُند — گوید اُو معذور بُودم من زخُود
اُس مست کی طرح جو ظلم کرے — اور کہے، میں اپنے بارے میں معذور تھا

گویدش لیکن سبب اے زشت کار — از تو بُد در رفتنِ آں اختیار
اُس کو (حاکم) کہے گا، اے بدکار! لیکن سبب — تیری جانب سے تھا اُس اختیار کے چلے جانے میں

بیخودی نامد بخود تُش خواندی — اختیارت خود نشد تُش راندی
بیخودی خود نہیں آئی تو نے خود اُس کو بلایا — تیرا اختیار خود ختم نہ ہوا تو نے اُس کو بھگایا

گر رسیدے[۵۴] مستیِ بے جہدِ تو — حفظ کردے ساقیِ جاں عہدِ تو
اگر تیری کوشش کے بغیر مستی پیدا ہوجاتی — تو روح کا ساقی تیرے عہد کی حفاظت کرتا

پشت دارت اُو بُدے عُذر خواہ — من غلامِ زَلّتِ مستِ الٰہ
وہ تیرا عذر خواہ ہوتا (اور) مددگار ہوتا — میں خدائی مست کی لغزش کا غلام ہوں

اور بھول کو ختم کردیتا ہے۔
[۵۲] وقتِ غارت۔ جب نعیم لوٹ رہا ہو تو کوئی نہیں سوسکتا اس لئے ہر شخص اپنی گدڑی بچانے کی فکر کرنے لگتا ہے یہ تو گدڑی کا ڈر تھا اب اگر جان کا ڈر ہو تو پھر نیند کیسے آسکتی ہے۔

لاتواخذ۔ قرآن پاک میں ہے - اللہ ہماری بھول پر ہماری گرفت نہ کر، اس سے معلوم ہوا کہ بھول بھی گناہ ہے ورنہ گرفت نہ کرنے کی دعا کیوں سکھائی جاتی۔ زانکہ۔ وہ بھول جو بے پرواہی سے ہو مواخذہ کے قابل ہے البتہ اگر یاد کرنے کی ساری تدبیریں کرلی ہوں اور پھر بھول ہوجائے تو اس پر گرفت نہیں ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں اس نے وہ اسباب نہ اختیار کئے جو وہ کرسکتا تھا۔

[۵۳] چوں تہاون۔ جب یاد رکھنے کے ذرائع اور اسباب کو ترک کرتا ہے اور اس سے بھول سرزد ہوتی ہے تو غلطی

[۵۴] گر رسیدے۔ اگر تو اپنے حضور میں مست نہ ہوا ہوتا تو اللہ تعالٰی تیری پشت پناہی کرتا اور تیرا عذر خواہ ہوتا ایسے خدائی مست کی لغزش کے تو ہم غلام ہیں:

ہوتا ہے ——— بجبر جو شخص بھول کے اسباب اختیار کرے اور پھر بھول کو عذر بنائے اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو شراب میں مست ہوکر جرم کرے اور پھر کہے کہ میں بیخود تھا لہٰذا معذور ہوں حاکم اس سے بھی کہے گا کہ بدبخت بیخودی کا سبب تو نے خود اختیار کیا تھا تو نے خود اپنا اختیار ختم کیا تھا لہٰذا تو معذور نہیں ہے۔

شرح

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیشہ غفلت ترک تعظم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ لحاظ عظمت کا خاصہ ہے کہ وہ آنکھ کی بیماری کو کھو دیتا اور نظر کو تیز کر دیتا ہے اور خوف آدمی کو بیداری اور سمجھ عطا کرتا ہے اور اسکی سبب سہو اور نسیان دل سے بالکل نکل جاتا ہے ۔ دیکھو! لوٹ کے وقت لوگوں کو نیند نہیں آتی بدیں خیال کہ کوئی ہماری گدڑی نہ اتار لے جائے پس جبکہ گدڑی کے خوف سے نیند اڑ جاتی ہے ۔ تو جان کے خوف کے ساتھ نیند یا بھول کیسے ہوسکتی ہے یہ دلیل تو عقلی تھی اب ہم اس کا ثبوت قرآن سے دیتے ہیں اور کہتے ہیں لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا شاہد ہے اس بات کا کہ خطا و نسیان ہی ایک حیثیت سے گناہ ہیں ۔ ورنہ .. درخواست معافی کے کیا معنی اور راز اس کا یہ ہے کہ ناسی اور خاطی نے عظمت حق سبحانہٗ کا لحاظ کامل نہیں رکھا ۔ ورنہ خطا و نسیان اس پر حملہ نہ کرتے ۔

یہ ضرور ہے کہ خطا و نسیان اضطراری ہیں مگر اختیار سبب یعنی ترک تعظیم میں تو وہ مختار تھا پھر اس نے تعظیم میں کیوں کوتاہی کی جس کا اثر یہ ہوا کہ نسیان یا سہو خطا پیدا ہوئے ـــــ اسکی مثال ایسی ہے جیسے وہ مست جو مستی میں جرائم کا ارتکاب کرے اور کہے کہ میں معذور تھا کیونکہ اس کا جواب صاحب حق یہ دے گا کہ ہم نے مانا کہ مستی کی حالت میں تو مجبور تھا لیکن اس اختیار کے زوال کا سبب تیری طرف سے تھا پھر تو نے اس کا ارتکاب کیوں کیا ۔ بیخودی خود نہیں آئی تھی ۔ بلکہ تو نے خود اسے بلایا تھا اور تیرا اختیار خود نہ زائل ہوا تھا ۔ بلکہ تو نے خود اسے زائل کیا تھا لہٰذا تو معذور نہیں ہوسکتا ۔ ہاں اگر مستی بلا تیری کوشش کے طاری ہوتی تو حق سبحانہٗ جو کہ روح کو مست کرنے والے ہیں تیرے عہد کا لحاظ رکھتے ۔ اور اسکی تجھ پر عہد شکنی کا الزام نہ لگاتے اور خود تیرے حامی اور تیری طرف سے معذرت کرنے والے ہوتے ۔ لیکن ایسا نہیں ہوا ۔ اسلئے تو معذور نہیں ہے ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں مست حق کی لغزش کا قائل ہوں کہ اسکی خطا بھی صواب ہے ۔

عفوہائے جملہ عالم ذرہ — عکسِ عفوت اے ز تو ہر بہرہ

تمام جہان کی معافیاں ایک ذرہ ہیں — اے وہ ذات! کہ ہر حصہ تیری معافی کا عکس ہے

عفوہا گفتہ ثنای عفوِ تو — نیست کفوش اَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوا

تمام معافیوں نے تیری معافی کی تعریف کی ہے — اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ اے لوگو! ڈرو

جانِ شان بخش و ز خود شان ہم مران[1] — کام شیرینِ تو اند اے کامراں

انکی جان بخشدے اور اپنے آپ سے انکو علیحدہ نہ کر — اے مرادمند! وہ تیرے شیریں مقاصد ہیں

رحم کن[2] بر وے کہ روئے تو بدید — فرقتِ تلخِ تو چوں خواہد چشید

اس پر رحم کر جس نے تیرا دیدار کر لیا ہے — وہ تیری جدائی کی تلخی کیسے چکھے گا؟

از فراق و ہجر میگوئی سخن — ہر چہ خواہی کن و لیکن ایں مکن

تو فراق اور جدائی کی بات کرتا ہے — جو چاہے کر، لیکن یہ نہ کر

در جہاں نبود بتر از ہجرِ یار — ایں سخن از عاشقِ خود گوشدار

دنیا میں دوست کی جدائی سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے — اپنے عاشق کی یہ بات یاد رکھ

صد ہزاراں مرگِ تلخِ شصت[3] تو — نیست مانندِ فراقِ شستِ تو

ساٹھ درجے کی لاکھوں کڑوی موتیں — تیرے حلقۂ (زلف) سے فراق کے مانند نہیں ہیں

تلخیِ ہجر از ذکور و از اناث — دور دار اے مجرماں را مستغاث

مردوں اور عورتوں سے جدائی کی تلخی کو — اے خطاکاروں کے فریادرس! دور رکھ

بر امیدِ وصلِ تو مُردن خوش ست — تلخیِ ہجرِ تو فوقِ آتش ست

تیرے وصل کی امید پر مرنا بھلا ہے — تیری جدائی کی تلخی آگ سے زیادہ ہے

---

[1] عفوہای۔ ایاز نے کہا اے شاہ آپ کے عفو کے مقابلہ میں تمام جہان کی معافیاں ذرہ ہیں اور دنیا کی سب معافیاں تیرے عفو کی ثناگو ہیں؛ اے انسانوں اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے اس کا ہمسر قرار دینے سے بچتے رہو۔ جانِ شاں۔ ایاز نے بادشاہ سے کہا ان کی جان بخشی کر دیجئے اور ان کو اپنے سے جدا نہ کیجئے آپ کے مقاصد بڑے شیریں ہیں۔

[2] رحم کن جس نے ایکبار بھی تیرا چہرہ دیکھ لیا ہے وہ جدائی کی تلخی کیسے برداشت کرے گا اس پر رحم کر دیجئے آپ ہجر و فراق کی بات کر رہے ہیں ان کے ساتھ یہ نہ کیجئے اور جو چاہے کر دیجئے عاشق کے لئے یار کی جدائی سے بدتر کوئی سزا نہیں ہے۔

[3] شصت۔ ہم نے عدد کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں اس کا املا شصت ہونا چاہیئے مصرع اول میں تو یہی معنی درج ہے دوسرے مصرع میں شست سے مراد زلف کا حلقہ لیا جائے۔ تلخی۔ آپ خطاکاروں کے فریادرس ہیں کسی شخص کو بھی فراق کی سزا نہ دیں یہ ایاز کا شاہ کیلئے مقولہ ہے برامید۔ وصل کی امید میں جان دے دینا فراق زندگی سے بہتر ہے۔

شرح

یہاں سے پھر شفاعت ایاز کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا کہ تمام عالم کی معافیاں آپ کی عفو کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور آپ کی عفو کا عکس ہیں اور جو کچھ کسی کو ملا ہے وہ آپ ہی سے ملا ہے اور تمام عفو آپ کی عفو کے مداح ہیں (پس لوگو چونکہ عالم میں اس کی عفو کا کوئی ہمسر نہیں ہے اسلئے تم اپنے عفو کو اسکے عفو کے برابر کہنے سے بچنا) آپ ان کی جان بخشی فرمائیں

اور انکو اپنے دربار سے نکالیں ہی نہیں کیونکہ یہ آپکے ارکان دولت اور آپ کی .... کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کا روئے مبارک دیکھا ہے۔ آپ ان پر رحم فرمائیں۔ اور آپکو اپنے سے جُدا نہ کریں۔ کیونکہ وہ آپ کی ناگوار جدائی کا مزہ کیسے چکھ سکیں گے۔ آپ مفارقت اور جُدائی کا نام لیتے ہیں۔ آپ ایسا نہ کریں اور اسکے سوا آپ جو کچھ چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں۔ اور آپ اپنے عاشق کی اس بات کا خیال رکھیں کہ دُنیا میں کوئی چیز دوست کی جدائی سے بدتر نہیں ہے۔ لاکھوں نہایت ناگوار موتیں آپکے پھندے سے جدائی کے برابر ناگوار نہیں ہوسکتیں پس اے مجرموں کے فریادرس! آپ مردوں اور عورتوں سے تلخیٔ ہجر کو دور رکھیئے اور انکو اپنے وصال سے بہرہ مند رکھیئے کیونکہ آپ کا وصل اتنا مرغوب اور محبوب ہے کہ اس کی اُمید میں مرجانا بھی بہتر ہے اور آپ کا فراق اتنا ناگوار ہے کہ اُسکی ناگواری آتشِ دوزخ سے بڑھی ہوئی ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں مولانا نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں اس طرف کہ اس قصہ میں محمود سے مراد حق سبحانہٗ ہیں اور ایاز سے عبد حقیقی۔ اور اس قصہ سے مولانا کا مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ اور حق سبحانہٗ کا آپس کا تعلق ظاہر ہو۔

گبر[۱] میگوید میانِ آں سَقَرَ | چہ غمم بُودے گرم کردے نَظَر
دوزخ کے درمیان کافر کہہ رہا ہے | اگر وہ مجھ پر نظر کر لیتا۔ مجھے کیا غم ہوتا

کاں نظر شیریں کُنندہ رنجہاست | ساحراں را خونبہائے دَست و پاست
کیونکہ وہ نظر غموں کو شیریں بنا دینے والی ہے | جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کا خونبہا ہے

تفسیر گفتنِ ساحراں فرعون را در وقتِ سیاست کہ

سزا کے وقت فرعون سے ساحروں کے "کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اپنے

لَاضَیْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْن

رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" کہنے کی تفسیر

نعرۂ لَاضَیْرَ بشنید آسماں | چرخ گوئے شد پئے آں صولجاں
آسمان نے "کوئی ضرر نہیں" کا نعرہ سُنا | اُس بَلّے کے لئے آسمان گیند بن گیا

ضربتِ فرعون مارا نیست ضیر | لُطفِ حق غالب بُود بر قہرِ غیر
فرعون کی سزا ہمارے لئے نقصان نہیں ہے | دوسرے کے قہر پر اللہ تعالیٰ کا کرم غالب ہے

[۱] گبر۔ کافر بھی جہنم میں یہ کہے گا کہ آپ کی نظر کرم ہو تو جہنم بھی گوارا ہے.... ساحراں۔ آپ کی نظر کرم نے فرعون کے جادوگروں کے لئے ہاتھ پاؤں کٹوا دینا آسان کر دیا اور انھوں نے آپ کی شیریں نظر کو اپنے ہاتھ پاؤں کے خون کا بدلہ دیکھا۔ تفسیر۔ جب فرعون نے ساحروں کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو انھوں نے کہا ہاتھ پاؤں کٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ چرخ۔ اس نعرہ سے آسمان بھی رقص کرنے لگا۔

گر بدانی سرِّ ما را اے مُضِل ۔ میرہانی ماں ز رنج اے کوردل

اے گمراہ کرنے والے! اگر تو ہمارا راز جان لے ۔ اے دل کے اندھے! ہمیں تکلیف سے نجات دیدیتا

ہیں بیا ایں سُو ببیں کایں ارغنوں (۵۲) ۔ می زند یا لَیتَ قَومِی یَعلَمُون

خبردار! ادھر آ دیکھ یہ باجا ۔ "کاش میری قوم جان لیتی" بجا رہا ہے

داد ما را فضلِ حق فرعونیے (۵۳) ۔ نے چنیں فرعونیے بے عونیے

اللہ (تعالےٰ) کے فضل نے ہمیں فرعونی عطا کر دی ہے ۔ وہ فرعونی نہیں جو بغیر مدد (خداوندی) کے ہو

سر برآور ملک بیں زندہ جلیل ۔ اے شدہ غرّہ بمصر و رودِ نیل

سر اٹھا، زندہ اور عالیشان سلطنت کو دیکھ ۔ اے، مصر اور دریائے نیل پر مغرور

گر تو ترکِ ایں نجس خرقہ کنی ۔ نیل را در نیلِ جاں غرقہ کنی

اگر تو اس ناپاک چیتھڑے کو چھوڑ دے ۔ تو نیل کو، جان کے نیل میں ڈبو دے

ہیں بدار از مصر اے فرعون دست ۔ درمیانِ مصرِ جاں صد مصر ہست

خبردار! اے فرعون! مصر سے ہاتھ اٹھا لے ۔ جان کے مصر میں سیکڑوں مصر ہیں

تو "انا رب" را ہمی گوئی بعام (۵۴) ۔ غافل از ماہیتِ ایں ہر دو نام

تو عوام سے "میں خدا ہوں" کہتا ہے ۔ (حالانکہ) تو ان دونوں ناموں کی ماہیت سے غافل ہے

ربّ بر مربوب کے لرزاں بود ۔ کے انا داں بندِ جسم و جاں بود

پروردگار زیرِ پرورش سے کب لرزتا ہے؟ ۔ "انا" کو جاننے والا جسم اور جان کا پابند کب ہوتا ہے

نک انا مائیم رستہ از انا ۔ از انائے پُر بلائے پُر عنا

دیکھ! "انا" ہم ہیں "انا" سے چھوٹے ہوئے ۔ اس "انا" سے جو مصیبت (اور) مشقت سے پُر ہے

آں انائے بر تو اے سگ شوم بود (۵۵) ۔ در حقِ ما دولتِ محتوم بود

اے کتے! وہ "انا" تیرے لئے منحوس تھی ۔ ہمارے حق میں یقینی دولت تھی

گر نبودے ایں انائے کینہ کش ۔ کے زدے بر ما چنیں اقبال خوش

اگر یہ کینہ نکالنے والا "انا" تیرے اندر نہ ہوتا ۔ تو ایسا اچھا نصیبہ ہمیں کب حاصل ہوتا

شکر آں کز دارِ فانی میرہیم ۔ بر سر ایں دار پندت میدہیم

اس کا شکر ہے کہ ہم دارِ فانی سے چھوٹ رہے ہیں ۔ اس سولی پر ہم تجھے نصیحت کر رہے ہیں

دارِ قتلِ ما براقِ رحلت ست ۔ دارِ ملکِ تو غرور و غفلت ست

ہمارے قتل کی سولی سفر کا براق ہے ۔ تیرا دار السلطنت، غرور اور غفلت ہے

---

۵۲ ضربت۔ مار۔ گردانی۔ اگر تو ہمارے اِس جذبہ کو سمجھ جاتا تو ہمیں تکلیف نہ دیتا۔ ہیں۔ انطاکیہ والوں نے جب حبیب نجار حضرت عیسیٰؑ کے حواری کو شہید کیا تو انھوں نے فرمایا کاش میری قوم اِس بات کو جان لیتی کہ میرے ربّ نے میری مغفرت فرما دی اور مجھے معزز بنا دیا۔ ارغنوں مشہور باجا ہے جس کو افلاطون نے ایجاد کیا تھا۔

۵۳ فرعونیے یعنی شہنشاہی۔ نے چنیں۔ وہ شہنشاہی... فرعون کی سی شاہی نہیں ہے۔ سر برآور ــــ ان جادو گروں نے کہا تھا کہ خوابِ غفلت سے سر اُبھار اور ہماری پائندہ اور عظیم سلطنت کو دیکھ لے مصر اور نیل کی سلطنت پر غرور نہ کر۔ گر تو۔ اگر تو اِس حقیر سلطنت کو ٹھکرا دے گا تو تیری روح میں اس قدر وسعت پیدا ہو جائے گی کہ یہ دریائے نیل اُس میں غرق ہو جائے گا۔ ہیں بدار۔ ساحروں نے فرعون سے کہا کہ اِس مصر کی حکومت سے دست کش ہو جا پھر روحانی دنیا کے سیکڑوں مصر ہاتھ آ جائیں گے۔

۵۴ تو انا۔ فرعون قوم سے کہتا تھا کہ میں تمہارا رب ہوں ساحروں نے کہا تو انا اور رب دونوں کی حقیقت سے بے بہرہ ہے انا وہ ہے جو فنا کے بعد حاصل ہو تو اس سے ناواقف ہے۔ ربّ۔ تو رب کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے جو اپنی رعایا کے بگڑ جانے سے خوفزدہ ہو وہ رب کیسے ہو سکتا ہے۔ انا مائیم۔ اصل انانیت تو جب حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی انانیت اور خودی کو چھوڑ چکے جو مصیبت اور مشقت سے پُر ہے۔

۵۵ آں انا۔ تیری انانیت خودی لئے ہوئے ہے تو منحوس ہے ہم فنا کا درجہ حاصل کر چکے ہیں لہٰذا ہماری انانیت ایک دولت ہے۔ گر نبودے۔ تیری

ایں حیاتِ خفیہ در نقشِ ممات
یہ خفیہ زندگی ہے جو موت کی صورت میں ہے

واں مماتِ خفیہ در قشرِ حیات
وہ خفیہ موت ہے جو زندگی کے چھلکے میں ہے

می نماید نور نار و نار نور
نور، آگ اور آگ نور، نظر آتی ہے

ورنہ دنیا کے بُدے دار الغرور
ورنہ دنیا دار الغرور کب ہوتی؟

ہیں مکن تعجیل اول نیست شو
خبردار! جلدی نہ کر پہلے نیست بن

چوں غروب آری بر آر از شرق ضو
جب تو غروب کر گیا مشرق سے روشنی لا

آں انائے در ازل دل تنگ شد
وہ "انا" ازل میں دل تنگ ہے

زیں انا جان بیخود و دل دنگ شد
اس "انا" سے جان بیخود اور دل حیران ہوگیا

آں انائے سرد گشت و تنگ شد
وہ "انا" سرد اور تنگ ہے

ایں انا خم دادہ ہمچو چنگ شد
یہ مست "انا" چنگ کی طرح ہے

زاں انائے بے انا خوش گشت جاں
اس بے "انا" کے "انا" کہنے سے جان خوش ہوگئی

شد جہان او از انائے ایں جہاں
وہ اس جہاں سے کود جانے والی ہوگئی

از انا چوں رست اکنوں شد انا
جب "انا" سے چھوٹ گئی اب "انا" ہوگئی

آفریں ہا بر انائے بے عنا
بے مشقت کی "انا" کو شاباش ہے

او گریزان وانائے در پیش
وہ بھاگ رہا ہے اور "انا" اسکے درپے ہے

می دود چوں دید وے را بے ویش
وہ "انا" دوڑتی ہے جب وہ اسکو اپنے بغیر دیکھتی ہے

طالبِ اوئی نگردد طالبت
تو اسکا طلبگار ہے وہ تیری طلبگار نہ بنے گی

چوں بمردی طالبت شد مطلبت
جب تو مرگیا تیرا مطلوب تیرا طالب بن گیا

زندۂ کے مردہ شو شوید ترا
تو زندہ ہے، مردے کو نہلانے والا تجھے کب نہلائیگا؟

طالبی کے مطلبت جوید ترا
تو طلبگار ہے، مطلوب تجھے کب ڈھونڈے گا؟

اندریں بحث ار خرد رہ بیں بدے
اس بحث میں اگر عقل راستہ دیکھنے والی ہوتی

فخر رازی رازدارِ دیں بدے
(تو) فخر (الدین) رازی دین کے رازدار ہوتے

لیک چوں من لم یذق لم یدر بود
لیکن چونکہ جس نے نہ چکھا اس نے نہ جانا ہے

عقل و تخییلاتِ او حیرت فزود
انکی عقل اور تخیلات نے حیرت میں اضافہ کردیا

کے شود کشف از تفکر ایں انا
غور کرنے سے یہ "انا" کب کھلتی ہے

ایں انا مکشوف شد بعد الفنا
یہ "انا" فنا کے بعد کھلی ہے

انانیت ہماری خوش بختی کا سبب بن گئی ہے۔ بشکر۔ تیری انانیت نے ہمیں اس فانی دنیا سے نجات دیدی ہے اب ہم سولی پر چڑھ کر تجھے نصیحت کر رہے ہیں۔ دار۔ یہ سولی ہمارے لئے قربِ خداوندی کا بُراق بن گئی ہے۔

۵۳ ایں۔ یعنی بُراقِ رحلت حیات بصورت ممات ہے۔ واں۔ تیرا دارِ تنگ موت بصورتِ حیات ہے۔ دارالغرور دھوکے کا گھر دنیا کو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حقائق برعکس نظر آتے ہیں۔ ہیں۔ پہلے نہ۔ وصل کر پھر غروب کے بعد سورج طلوع ہوگا۔ آتی انائے۔

۵۵ زاں۔ جس انا میں بشری انانیت نہ ہو اُس سے روح خوش ہوتی ہے اور انسان اُس انا کے ذریعہ اس دنیا کی انا سے نجات پاجاتا ہے۔ پہلے مصرع کے شروع میں جہاں جہندہ کے معنی میں ہے دوسرا جہاں دنیا کے معنی میں ہے۔ ازانا۔ جب انسان بشری انانیت سے چھوٹ جاتا ہے تو حقیقی انا اُس کو حاصل ہوجاتی ہے۔ او گریزاں۔ فانی حقیقت کیلئے گریزاں ہے اور بقا اسکے درپے ہے اور اس مظہر میں صفاتِ الٰہی اپنا ظہور چاہتے ہیں اور جب تک انسان اپنی انا کا طالب ہے فنائے حقیقی اُسکو حاصل نہ ہوگی جب اپنی صفاتِ بشری سے مُردہ ہوجائیگا تو فنا خود اُس کی طالب بنجائے گی۔

۵۶ زندۂ۔ جب تک انسان اپنی انا سے زندہ ہے تو اس مُردے کو نہلانے والا یعنی فنا اُس کیساتھ معروف عمل نہ

اوصاف بشری فنا کرنے سے پہلے انا کہنا ازل سے مردود ہے۔ زیں انا۔ فنا کے بعد انا کہنا محمود ہے۔
چنگ سے ایک باجا ہے جس کی آواز خوش کن ہے۔

می تند ایں عقلہا در افتقاد ۔ در مغاکِ حلول و اتحاد

جستجو میں یہ عقلیں جاگرتی ہیں ۔ گڑھے اور حلول و اتحاد میں

۵۳ در افتقاد۔ اگر محض عقل کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا جائیگا تو انسان حلول اور اتحاد جیسے عقیدوں میں مبتلا ہوجائیگا یعنی یہ سمجھ جائیگا کہ بقا بعد فنا جس میں ایک انسان وجودِ عبد کے بغیر صفاتِ رب کیساتھ متصف ہوتا ہے حلول کی صورت میں ہے یعنی حضرت حق تعالیٰ وجودِ عبد کو اپنا محل بنا لیتے ہیں یا عبد اور رب میں اتحاد ہوجانے کی صورت سے ہے۔

ہوگی۔ اندریں۔ اس بحث میں کہ فنا اپنی انا ختم کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے عقل رہنمائی نہیں کرتی ہے ورنہ...... امام فخرالدین رازیؒ جو دلایل عقلی پر ہر چیز کا مدار رکھتے ہیں دین کے اسرار کے سب سے بڑے عالم ہوتے۔ لیکن۔ یہ مسائل ذوقی ہیں جس نے انکا مزا چکھا وہ انکی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ان مسائل میں دلائلِ عقلیہ حیرت میں اور اضافہ کردیتے ہیں۔ ایں اکا۔ حقیقی انا کا علم فنا کے بعد واضح ہوتا ہے۔

شرح یہاں سے مولانا اپنے مقصود کی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مضمون بالا سے کنایۃً تم کو حق سبحانہٗ کے فراق کی سختی معلوم ہوئی ہے اور اس میں دعوے کیا گیا ہے کہ اس کی ہجر کی سختی آتشِ دوزخ سے بڑھ کر ہے اب اس کنایہ کی توضیح اور اس دعوٰی کی دلیل سنو! کفار دوزخ میں کہیں گے کہ اگر آپ ہم پر نظرِ عنایت کرتے تو پھر ہمیں دوزخ کا بھی ملال نہ ہوتا وجہ اسکی یہ ہے کہ نظرِ عنایت تکالیف کو خوشگوار بنا دینے والی اور ساحروں کے ہاتھ پاؤں کا خون بہا ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے جادوگروں کو سولی دینے اور پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی تو انہوں نے آپ کی نظر کے شوق میں اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور انہوں نے اس قدر زور سے نعرہ لگایا کہ اسکو گوشِ فلک نے بھی سن لیا اور اس بلا کے سامنے آسمان بھی گیند ہوگیا (یعنی یہ نعرہ آسمان سے یوں ٹکرایا جیسے بلّا گیند سے ٹکراتا ہے یا یہ کہ اس کو سنکر آسمان یوں رقص کرنے لگا۔ جیسا کہ گیند بلے سے رقص کرتی ہو واللہ اعلم) اور انہوں نے نہایت زور سے کہا کہ فرعون کی مار سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہے کیونکہ حق سبحانہٗ کی ہم پر عنایت ہے اور خدا کی عنایت دوسروں کے غصہ پر غالب ہے اسکے بعد انہوں نے فرعون کو خطاب کیا اور کہا کہ او گمراہ کرنے والے فرعون! اگر تجھے ہماری

باطنی حالت معلوم ہو۔ تو تو بھی یقین کر لے کہ تو ہم کو تکلیف نہیں دے رہا ہے بلکہ ہم کو تکلیف سے نجات دے رہا ہے۔

دیکھ! ادھر آ اور سن! کہ ہماری ارواح کا ارگن یا لیت قومی یعلمون کا راگ گا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کاش لوگوں کو معلوم ہو کہ ہمیں اس تکلیف میں کس قدر راحت ہے خدا نے ہم کو اپنے فضل سے روحانی بادشاہت عطا کی ہے جو کہ اس سلطنت جسمانی سے بڑھ کر ہے جو تجھ کو عنایت ہوئی ہے کیونکہ ہماری سلطنت باقی ہے اور تیری سلطنت فانی نیز ہماری سلطنت رنج و غم سے پاک صاف ہے اور تیری سلطنت میں ان کی آمیزش ہے ارے مصر اور رود نیل سے دھوکا کھائے ہوئے تو ذرا ظلمات ناسوت سے سر تو باہر نکال اور دیکھ تو سہی کہ اقلیم روحانی کس قدر عظیم اور زندہ ہے اور پائیدار ہے اسکے بعد تجھے اپنی بادشاہی کی حقیقت معلوم ہوگی۔ اگر تو اس ناپاک لباس تن کو چھوڑ دے تو پھر تو رود نیل کو روح کے دریائے معرفت میں ڈبو دے یعنی اس دریا کے سامنے اس دریا کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دے۔

دیکھ فرعون! کہنا مان! اور ملک مصر کو چھوڑ کر سلطنت روحانی حاصل کر۔ اسلئے کہ اس سلطنت میں ایسی ایسی سینکڑوں سلطنتیں ہیں۔ احمق تو لوگوں سے کہتا ہے کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔ یہ تیری کتنی بڑی حماقت ہے کیونکہ نہ تو آنا اور میں کے حقیقت جانتا ہے اور نہ رب کی اسلئے کہ تجھے اپنی سلطنت کے متعلق اندیشہ ہے اور تو ڈرتا ہے کہ کہیں موسیٰ (علیہ السلام) اپنا اثر جما کر میری سلطنت نہ چھین لے اور لوگوں کو مجھ سے نہ توڑ لے حالانکہ جب تو رب اعلیٰ ہے تو ملک وغیرہ سب تیرے مربوب ہیں پھر تجھے کیا خوف ہے بھلا کبھی رب کو اپنے مربوب کے متعلق کوئی اندیشہ ہوتا ہے اور کیا وہ ڈرتا ہے کہ کہیں کوئی میرا ملک نہ چھین لے وغیرہ وغیرہ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تو رب کی حقیقت نہیں جانتا۔

اچھا اب سن کہ تو آنا اور میں کی حقیقت بھی نہیں سمجھا کیونکہ جو اپنے کو جانتا ہے وہ ہرگز تن پروری میں مشغول نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا خالق اور میرا مالک اور میرا حاکم اور مربی خدا ہے اسلئے میرا فرض ہے کہ میں اسکے احکام بجا لاؤں۔ پس ثابت ہوا کہ

تو اَنَا کی حقیقت بھی نہیں سمجھتا ۔ دیکھ ! اَنَا کے معنی جاننے والے ہم ہیں کہ ہم نے خودی
یعنی تکلیف کی بھری ہوئی خودی ۔۔۔۔۔۔ کو چھوڑ دیا اور اپنے کو خدا کا مطیع بنا دیا
یہ تیری اَنانیت گو تیرے لئے منحوس ثابت ہوئی ۔ مگر ہمارے لئے اعلیٰ دولت ہو گئی ۔
کیونکہ اگر تیرے کینہ کش انانیت نہ ہوتی تو ہمیں یہ خوش قسمتی شہادت کیسے میسّر ہوتی ۔
خیر الحمد للہ ! کہ اب ہم اس دار فانی سے رخصت ہوتے ہیں ۔ مگر سُولی پر چڑھے ہوئے
محض خیر خواہی سے تجھے بھی نصیحت کرتے ہیں کہ تو اس جہالت کو چھوڑ اور طاعت و عبودیت
حق کو اختیار کر ۔ تو ہماری سُولی کو حقیر اور اپنی سلطنت کو وقیع سمجھ کر ہماری نصیحت کو
نظر انداز نہ کرنا ۔ کیونکہ معاملہ بالعکس ہے ۔ اسلیے کہ ہمارے قتل کی سولی ہمارے سفرِ
آخرت کا بُراق ہے جو کہ ہم کو ہمارے محبوب اور بادشاہ تک پہنچائے گا اور تیرا دار الحکومت
تیری غفلت اور تیرے غرور اور بُعد عن الحق کا ذریعہ ہے اور گو ہم مُردہ ہیں اور تو زندہ مگر
تو اس مغالطہ میں نہ پڑنا کیونکہ ہماری حیات روحانی موت جسمانی کی صورت میں مخفی ہے
اور تیری موت روحانی بے وقعت حیاتِ جسمانی میں مستور ہے اسلئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ
نور آگ اور آگ نور دکھلائی دیتی ہے یعنی موت حیات معلوم ہوتی ہے اور حیات موت ۔
اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں ــــــــ ہونا بھی یہی چاہیے
ورنہ دنیا دھوکے کا گھر ــــــــ کہلاتا ہے یہ جملہ معترضہ ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف
عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ــــــ ساحروں نے کہا کہ دیکھ ! ہم کہتے ہیں کہ تو دعوائے اَنَا میں
جلدی نہ کر ۔ بلکہ اوّل اپنی خودی کو فنا کر ۔ پس جب تو مٹ جائے اور آفتاب کی
طرح غروب ہو جائے اس وقت مشرق روحانی سے آفتاب کی طرح چمکتا ہوا اور شاندار ہو کر
نکل ۔ اس وقت اگر تو اَنَا کہے گا تو یہ اَنَا برمحل ہو گی کیونکہ اس وقت تجھے بقا باللہ حاصل
ہو جائے گی ۔ اور تو خدا کے رنگ میں رنگ جائے گا ۔ اور ایسی حالت میں تیرا اَنَا کہنا
ایسا ہو گا جیسا کہ لوہے کا آگ سے سُرخ ہو کر اَنَا النّار کہنا وغیرہ وغیرہ ! اور تیرا یہ کہنا
ایک حد تک صحیح ہو گا ۔

اب مولانا انائے فرعون اور اَنائے فانین کا فرق دکھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انائے فرعونی تو ازل میں بھی دلتنگ ہے۔ اور اَنائِ فانین کی جان بے خود اور دل دنگ ہے (مطلب یہ ہے کہ اشخاص مبتلائے خودی کے راحت کے لئے وسعتِ ازل بھی کافی نہیں اور اَنا ہی بے خودی نہایت آرام دہ اور راحت بخش ہے۔) اور وہ اَنا بالکل بے مزہ اور پھیکی اور موجب دل تنگی و تکلیف ہے اور یہ اَنا چنگ کی طرح خم دی ہوئی اور مبنی بر انکسار وفنا اور موجب لذّت و راحت ہے۔

اور اس اَنا سے جوکہ خودی سے خالی ہے جان خوش ہوتی ہے اور وہ اسکے ذریعہ سے اس اَنا ناسوتی جس کا منشا خودی ہے چھوٹ جاتی ہے اور جب کہ وہ اس اَنائے مذموم سے چھوٹ جاتی ہے تو اس کو.... انا کہنے کا منصب حاصل ہوجاتا ہے۔ سو کیا کہنا ہے اِس اَنا کا جو مصائبِ خودی سے خالی ہو۔

دیکھو: جب آدمی اپنے کو مرضیاتِ حق میں فنا کردیتا ہے اس وقت اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اَنا سے بھاگتا ہے لیکن جبکہ اَنائِ محمود اس کو فانی محض پاتی ہے تو وہ اسکے پیچھے پیچھے دوڑتی ہے اور اسے نہیں چھوڑتی۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی کو فنا کرتا ہے اور حق سُبحانہٗ اسی کو اپنی طرف سے ایک نئی ہستی جس کو بقا باللہ کہتے ہیں عطا فرماتے ہیں لیکن جب کہ تم خود ہستی اور خودی کے طالب ہو تو اس وقت وہ تم سے بھاگتی ہے اور تمہاری طالب نہیں ہوتی۔ ہاں جب تم اپنے کو فنا کرو اور اپنی خودی کو مٹادو اس وقت وہ تمہاری مطلوب ہستی تمہاری طالب ہوتی ہے اور تم کو لپٹتی ہے کیونکہ اُس کے طلب کی شرط فنائِ طالب ہے اور جب کہ شرط مفقود ہوگئی تو مشروط بھی مفقود ہوگئی۔ **دیکھو:** جب تک تم نہ مرو۔ اُس وقت تک تمہیں مردہ شو کیسے نہلا سکتا ہے اور جبکہ تم خود طالب ہو اس وقت تک مطلوب تمہارا طالب کیونکر ہوسکتا ہے اور جبکہ نہیں ہوسکتا۔ تو عدمِ فنا کی صورت میں ہستی بھی تمہاری طالب نہیں ہوسکتی۔

اس مقام پر چونکہ مولانا نے فنا اور بقا اور دعوٰی انا کے متعلق بحث فرمائی

ہے اور چونکہ مسئلہ فنا و بقا ایک وجدانی مسئلہ ہے جس کو ارباب احوال ہی خوب سمجھ سکتے ہیں اور جو لوگ صاحب حال نہیں ہیں وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جس طرح کہ لذت جماع کو کما حقہ وہی سمجھ سکتا ہے جسے جماع کا اتفاق ہوا ہو اور جس کو اتفاق نہیں ہوا وہ نہیں سمجھ سکتا اور ایسی حالت میں کچھ بعید نہیں تھا کہ لوگ اس بیان کو جو کہ پورے طور پر حقیقت فنا و بقا کو ظاہر نہیں کرتا کافی سمجھ جائیں اور گمراہ ہو جائیں۔

اسلئے مولانا لوگوں کو متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو! بحث فنا و بقار عقل کے ادراک سے باہر ہے اور یہ ایک امر ذوقی ہے جس کو صاحب حال ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور غیر صاحب حال عقل سے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اگر مجرد عقل اس بحث کا پتہ چلا لیتی تو امام فخر الدین رازی کو دین کا راز دار اور حامل اسرار شریعت ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ امام موصوف صاحب حال نہ تھے اور اسلئے وہ ان معاملات کی حقیقت کو نہ جانتے تھے۔ بنابریں وہ عقلی تکّے چلاتے تھے اور ان کی عقل اور تخیلات بجائے حل مشکل کے اُن کو اور حیرت میں ڈالتی تھیں پس اگر تمہیں اس ہستی اور بقا کی حقیقت معلوم کرنی ہے جو کہ فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے تو فنا حاصل کرو۔ کیونکہ اس ہستی اور بقا کی حقیقت غور اور فکر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی حقیقت حصول فنا سے معلوم ہوتی ہے عقلیں جب اس بحث میں پڑتی ہیں تو راہِ راست سے ہٹ کر گمراہی کے گڑھے اور حلول و اتحاد کے شبہ میں پڑ جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

اے ایازِ گشتہ فانی ز اقتراب	ہمچو اختر در شعاعِ آفتاب
اے ایاز! تو قرب میں فانی بنگیا ہے	جیسا کہ ستارہ سورج کی شعاع میں
بلکہ چوں نطفہ مبدّل تو بتن	نز حلول و اتحادِ مُفتتن
بلکہ جیسا کہ تیرا نطفہ جسم میں تبدیل ہوا	نہ کہ حلول اور پُر فتنہ اتحاد سے
عفو کن اے عفو در صندوقِ تو	سابقِ لطفی ہمہ مسبوقِ تو
معاف کردے اے وہ کہ معافی تیرے صندوق میں ہے	تو مہربانی میں سابق ہے سب تیرے پیچھے ہیں

اے ایاز۔ بقا اور فنا کی صحیح مثال اگر ہے تو یہ ہے کہ جسطرح ستارہ شعاع شمس میں گم ہو جاتا ہے اسی طرح عبد حادث اپنے آپ کو رب قدیم میں گم کر دیتا ہے یہ تو صفات کی تبدیلی کی مثال ہے یا یہ سمجھو کہ نطفہ منی جسم انسانی میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ تبدیل ذاتی کی مثال ہے۔

شرح

بعض محشین نے ان ابیات کو سلطان محمود کا مقولہ قرار دیا ہے اور بعض نے مولانا کا۔ محمود کا مقولہ ہونے پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب محمود نے عفو کو ایاز کے سپرد کر دیا۔ تو اب ایاز کی اس معذرت کا کوئی موقع نہیں رہتا جو وہ آئندہ اپنے مطاعت کے متعلق کرتا ہے۔ بلکہ اس کا موقعہ اس سے پہلے اور شفاعت کے ساتھ ہے اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ معذرت از شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ میرا تو شفاعت کرنا بھی گستاخی ہے۔ چہ جائیکہ خود عفو کرنا۔ مگر یہ توجیہ جی کو نہیں لگتی۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کو مولانا کا مقولہ کہا جائے اور یوں کہا جائے کہ چونکہ مولانا ابھی فنا کی بحث کہہ چکے ہیں۔ اسلئے وہ اس فنائے ایاز کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ایاز جو کہ قرب شاہی کے سبب یوں فنا ہو گیا ہے جیسے خورشید کے نور میں ستارہ۔ بلکہ جس کی یوں کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ جیسے نطفہ کی جسم بن کر۔ مگر نہ اس میں حلول کو دخل ہے اور نہ اتحاد کو۔ تو شفاعت کیوں کرتا ہے اور محمود سے کیوں درخواست کرتا ہے تو خود معاف کر دے اسلئے کہ عفو تیرے قبضہ میں ہے کیونکہ تو محمود سے جدا نہیں اور مہربانی میں اور سب سے بڑھا ہوا ہے اور دوسرے لوگ سب اس صفت میں تجھ سے پیچھے ہیں کیونکہ تجھ میں یہ صفت خود تیری نہیں ہے۔ بلکہ محمود کی ہے جو کہ اس صفت میں سب سے بڑھا ہوا ہے (فائدہ: تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ مسئلہ بقا و فنا۔ ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف عقل سے بخوبی سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ جس پر یہ حال طاری ہو کما حقہ اسکو وہی سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا ارباب حال جب اس مسئلہ کو دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں تو اسکے لیے تقریبی مثالیں اختیار کرتے ہیں جو پورے طور پر تو ممثل لہ پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ہاں کچھ کچھ اس سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اسلئے کبھی وہ اسکو لوہے اور آگ سے تشبیہ دیتے ہیں اور کبھی ستارہ اور آفتاب سے اور کبھی سرکہ اور شہد سے اور کبھی نطفہ اور جسم سے۔ وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ یہ مثالیں تقریب فہم کے ساتھ مغالطہ میں بھی ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اسلئے وہ مغالطہ سے بچانے کے لئے کہیں کہیں تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ یہ مثالیں تقریبی ہیں نہ کہ تحقیقی۔

چنانچہ مولانا نے ابیات سابقہ میں فرما دیا ہے کہ یہ مسئلہ ذوقی اور وجدانی ہے
جو کہ کما حقہ ذوق سے سمجھ میں آسکتا ہے نہ کہ عقل سے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اندریں بحث از خرد
راہ بیں بد ــــــــ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ جس قدر مثالیں اس مسئلہ کا بیان کی جاتی
ہیں وہ تقریبی ہوتی ہیں نہ کہ تحقیقی۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب سمجھو کہ مولانا نے
اس مقام پر مسئلہ فنا کو اولاً تمثیل ستارہ و آفتاب سے بیان فرمایا تھا۔ مگر چونکہ یہ مثال اسلئے ناقص
تھی کہ اس میں بعد فنا عود الی الحالۃ الاولیٰ ہوتا ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد ہوتا
ہے مگر ممثل لہ میں عود نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے ترقی کی اور اسکی تمثیل نطفہ اور تن
سے بیان فرمائی لیکن یہ مثال بھی ممثل لہٗ کے بالکل مطابق نہیں ہے کیونکہ اس
مثال میں بعض باتیں ایسی ہیں جو ممثل لہٗ میں نہیں مثلاً مثال مذکور میں نطفہ کی صورت
نوعیہ بدل جاتی ہے اور ممثل لہٗ میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان بعد فنا بھی انسان
ہی رہتا ہے۔ نیز مثال مذکور میں مفنی فیہ یعنی جسم خود فانی سے پیدا ہوا ہے
اور ممثل لہٗ میں مفنی فیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ پہلے سے ہوتا ہے اسلئے
یہ مثال بھی تقریبی ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ جیسے مثال مذکور میں نطفہ بلا حلول
اور اتحاد کے فنا ہو جاتا ہے۔ اور فنا کے بعد حالت اولیٰ کی طرف عود نہیں کرتا یونہی
ایاز بھی محمود میں بلا حلول و اتحاد اور بدوں عود الی الحالۃ الاولیٰ فنا ہو گیا واللہ اعلم)

مجرم داشتنِ ایاز خود را دریں شفاعت گری و عذر ایں جرم
اِس سفارش کرنے میں ایاز کا اپنے آپ کو مجرم سمجھنا اور اِس خطا کی معافی

خواستن و دراں عذر گوئی ہم خود را مجرم داشتن و ایں شکستگی
چاہنا اور اُس عذر گوئی میں بھی اپنے آپ کو مجرم قرار دینا اور یہ کسرِ نفسی

از شناخت عظمت شاہ خیزد و انا اعلمکم باللہ
شاہ کی عظمت اور پہچان سے پیدا ہوتی ہے "الا میں تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور

واخشاکم وقال اللہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء
تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے اسکو جاننے والے ڈرتے ہیں

مَن کہ باشم کہ بگویم عفو کن — اے تو سلطان و خلاصہ امرِ کُن
میں کون ہوتا ہوں جو کہوں کہ معاف کر دیجئے؟ — اے وہ کہ آپ بادشاہ اور "کُن" کے امر کے خلاصہ ہیں

مَن کہ باشم کہ بُوَم مَن با منت — اے گرفتہ جملہ منہا دامنت
میں کون ہوتا ہوں کہ میں تیری منی کے سامنے موجود رہوں؟ — اے وہ کہ تمام ہستیوں نے تیرا دامن تھاما ہے

مَن[۲] کے آرم رحمِ حلم آلود را — رَہ نمایم علمِ حِلم اندود را
میں غضب آلود رحم کب کر سکتا ہوں؟ — میں تو حلم سے بھرے ہوئے علم کی رہنمائی کرتا ہوں

صد ہزاراں صفع را ارزانیم — گر زبون صفعہا گردانیم
میں لاکھوں طمانچوں کے لائق ہوں — اگر آپ مجھے طمانچوں کا مغلوب بنالیں

مَن کیم تا پیشت اعلامے کنم — یا کہ وا یادت دہم شرطِ کرم
میں کون ہوں کہ آپ کے سامنے اعلان کروں؟ — یا کہ آپ کو کرم کی شرط یاد دلاؤں

آنچہ معلوم تو نبود چیست آں — وآنچہ یادت نیست کو اندر جہاں
جو تجھے معلوم نہیں وہ کیا ہے؟ — جو تجھے یاد نہیں وہ جہاں میں کہاں ہے؟

اے[۳] تو پاک از جہل و علمت پاک از آں — کہ فراموشی کند ویرا نہاں
اے وہ کہ تو نادانی سے پاک ہے اور تیرا علم اس سے پاک ہے — کہ بھول اُس کو چھپا دے

ہیچکس را تو کسے انگاشتی — ہمچو خورشیدش بنور افراشتی
تو نے ناچیز کو چیز ٹھہرایا — تو نے اُس کو سورج کی طرح نور سے بلند کر دیا

چوں کسم کردی اگر لابہ کنم — مستمع شو لابہ اَم را از کرم
جب تو نے مجھے کچھ بنا دیا، اگر میں عاجزی کروں — تو کرم کر کے میری خوشامد کو سن لے

زانکہ[۱] از نقشم چو بیروں بردہ — آں شفاعت ہم تو خود را کردہ
اسلئے کہ جب تو نے مجھے ہستی سے باہر نکال دیا ہے — تو وہ سفارش بھی تو نے خود ہی سے کی ہے

---

[۱] خواستن۔ ایاز نے اُس سفارش کے بارے میں بجائے آپ کو قصوروار سمجھا اور عذر خواہی کرنے لگا اور یہ صورت جب پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان شاہ کی عظمت کو سمجھ چکا ہو چنانچہ آنحضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں خدا کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور خدا سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے جاننے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ من کہ باشم۔ میرا تیرے سامنے سفارش کرنا اپنی ہستی کا اقرار کرنا ہے جو غیر مناسب ہے۔

[۲] من۔ میرے رحم میں تو خلوص نہیں ہے میں تو صرف آپکے علم کی رہنمائی کر رہا ہوں۔ صد ہزاراں۔ اگر تو مجھے سزا دینا پسند کرے تو میں لاکھوں طمانچوں کا مستحق ہوں، سفارش کرنا میری گستاخی ہے۔ من کیم میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کو بتاؤں اور کرم کی شرط یاد دلاؤں جب کہ آپ کو ہر چیز معلوم ہے اور ہر بات یاد ہے۔

[۳] اے تو پاک۔ آپ خود جہل سے پاک ہیں اور کوئی بھول کسی چیز کو آپ سے پوشیدہ نہیں کر سکتی ہے۔ ہیچکس۔ آپ نے معافی کا اختیار مجھے دیکر مجھے کسی قابل بنا دیا اب جب کہ آپ نے مجھے کسی قابل بنا دیا ہے تو کرم کر کے میری خوشامد کو بھی سن لیجئے۔

[۱] زانکہ۔ اب میں میں نہیں ہوں لہٰذا میری یہ سفارش میری نہیں ہے آپ کی ہے۔

چوں زرختِ من تہی گشت ایں وطن ۔ تر و خشکِ خانہ نبود آنِ من

جب یہ وطن میرے سامان سے خالی ہوگیا ۔ تو گھر کا تر اور خشک میرا نہیں ہے

ہم دعا از من رواں کردی چو آب ۔ ہم ثباتش بخش و گرداں مستجاب

تونے ہی دعا مجھ میں سے پانی کی طرح جاری کردی ۔ تو ہی اسکو جماؤ عطا کر اور قبول فرما

ہم تو بودی اوّل آرندہ دعا ۔ ہم تو باش آخر اجابت را رجا

تو ہی ابتداءً مجھ سے دعا کرانے والا ہے ۔ تو ہی اخیر میں قبولیت کی امید بن

تا زنم من لاف کاں شاہِ جہاں ۔ بہرِ بندہ عفو کرد از مجرماں

تاکہ میں شیخی بگھار سکوں کہ اُس شاہجہاں نے ۔ اِن خطا کاروں کو غلام کی خاطر معاف کردیا

درد[۲] بودم سر بسر من خود پسند ۔ کرد شاہم داروئے ہر دردمند

میں متکبر سراسر درد تھا ۔ شاہ نے مجھے ہر دردمند کی دوا بنا دیا

دوزخے بودم پُر از شور و شرے ۔ کرد دستِ فضلِ اُویم کوثرے

میں شور و شر سے پُر ایک دوزخ تھا ۔ اُسکی مہربانی کے ہاتھ نے مجھے کوثر بنادیا

ہر کہ را سوزید دوزخ در قوَد ۔ من بروِیانم دگر بار از جسد

جس شخص کو دوزخ نے سزا میں جلادیا ہے ۔ میں اُسکے جسم کو دوبارہ اُگا دیتا ہوں

چوں جبکہ میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے تو گھر میں جو کچھ ہے میری ملکیت نہیں ہے تو نے ہی مجھے سفارش کی توفیق دی ہے اب تو ہی اسکو قبول فرمائیے ہم تو۔ دعا کرنے والا تو ہی ہے تو تجھی سے قبول کرلینے کی امید وابستہ ہے۔ تا زنم جبکہ میرا کوئی حصہ نہیں تو مجھے تو خواہ مخواہ کا فخر ہوگا کہ بادشاہ نے میری سفارش پر خطاکاروں کو معاف کیا ہے۔

[۲] درد۔ میں تو خود مرض تھا شاہ نے مجھے دوا بنادیا۔ میں دوزخ تھا جو دوسروں کو جلاتی ہے اُس شاہ کے فضل نے مجھے کوثر بنادیا جو جلے ہوؤں کو زندگی بخش دیتی ہے۔ ہر کہ۔ اب چونکہ میں کوثر ہوں دوزخ نے سزا میں جنکا جسم جلا کر خاکستر کردیا ہے اُن کو دوبارہ جسم دے دیتا ہوں

شرح

: چونکہ محمود نے اُمراء کے قتل کا حکم دیا تھا اور ایاز نے اُمراء کی شفاعت کی تھی اور یہ شفاعت بادی النظر میں فنا تام کے منافی تھی۔ اسلئے ایاز اپنے اس فعل پر ندامت ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے بادشاہ اور خلاصۂ مخلوقات! مَیں کون ہوں کہ آپ سے کہوں کہ آپ معاف کردیں۔ اور اے مرجع جملہ ہستیاں! میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی ثابت کروں اور آپ کی خواہش کے خلاف اپنی خواہش پیش کروں اور اپنے غیر خالص اور خشم آلود رحم کو کام میں لاؤں اور آپ کے علم حلم آمیز کو مصلحت سمجھاؤں پس مَیں نے جو کچھ کیا مجھ سے غلطی ہوئی۔

اب اگر آپ میرے چپت لگائیں تو میں لاکھوں چپتوں کا مستحق ہوں کیونکہ میں نے

سخت گستاخی کی۔ اسلیئے کہ میری کیا مجال ہے کہ حضور والا کے سامنے کسی مصلحت کو ظاہر کروں یا کسی شرطِ کرم کو یاد دلاؤں۔ کیونکہ وہ کون سی بات ہے جو آپ کے علم سے باہر ہے اور ایسی چیز عالم میں کہاں ہے جو کہ آپ کو یاد نہ ہو۔ یہاں تک بیان تھا... معذرت کا۔ جس کا منشا نظر بر ظاہر حال تھی۔

اب ایاز کی نظر حقیقت حال تک پہنچتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ شفاعت میری ذاتی خواہش سے نہ تھی بلکہ پرتو تھی محمود کی خواہش کا۔ اسلیئے وہ اب اپنے کو اس معذرت میں مجرم قرار دیتا ہے اور پھر شفاعت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے وہ بادشاہ جو کہ میل سے پاک۔ اور جس کا علم اس سے منزہ ہے کہ نسیان اس پر پردہ ڈالے۔ آپنے ایک نااہل (مجھ) کو اہل سمجھا۔ اور آفتاب کی طرح اسکو نور سے سرفراز فرمایا ہے پس جبکہ آپنے مجھے لائق کیا ہے تو اگر میں کوئی درخواست کروں تو آپ اپنی عنایت سے اسے قبول فرما دیں۔ اسلیئے کہ جب آپ نے مجھے میری ہستی سے خارج کر دیا ہے اور اپنی ہستی کا خلعت عنایت فرمایا ہے تو اب میں آپ کا غیر نہیں ہوں اور میری شفاعت جداگانہ نہیں ہے بلکہ میری شفاعت وہ شفاعت ہے جو کہ آپ خود اپنے سے کرتے ہیں کیونکہ جب میری ذاتی اوصاف سے میری روح خالی ہوگئی ہے تو اب اس میں جو صفت ہی ہوگی وہ میری نہ ہوگی بلکہ آپ کی ہوگی۔

بنابریں یہ شفاعت بھی آپ کی ہوگی پس اس بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ جب یہ دعا آپ نے مجھ سے کرائی ہے تو آپ اس کو پروان چڑھائیے؛ اور اسے قبول فرمائیے اتاکہ میں فخریہ یہ کہہ سکوں کہ حضور والا نے ایک غلام کی خاطر مجرموں کا قصور معاف فرما دیا۔ اور میں خود پسند سر بسر مرض تھا۔ مگر حضور والا نے مجھے ہر مریض کی دوا بنا دیا۔ اور میں شور و شر سے پر دوزخ تھا۔ مگر حضور کے دستِ فضل نے مجھے حوضِ کوثر بنا دیا۔ اسلیئے اب اگر کسی کو دوزخ قہر سلطانی کسی جرم کے معاوضہ میں جلا دے تو میں دوبارہ اس کا جسم درست کر سکتا ہوں۔

کارِ کوثر چیست کہ ہر سوختہ ‏ ‏ ‏ گرددازوے نابت و اندوختہ

کوثر کا کام کیا ہے؟ یعنی ہر جلا ہوا ‏ ‏ ‏ اُس سے اُگ جانے والا اور مجتمع ہوجائے

قطرہ قطرہ اُو منادیِ کرم ‏ ‏ ‏ کانچہ دوزخ سوخت من بازآورم

اُس کا قطرہ قطرہ کرم کا منادی ہے ‏ ‏ ‏ کہ جو دوزخ نے جلایا ہے میں لوٹا دوں گا

ہمچو مرہم بر سرِ زخمِ عفن ‏ ‏ ‏ یُنبِتُ لحماً جدیداً خالصاً

جس طرح سڑے ہوئے زخم پر مرہم ‏ ‏ ‏ خالص نیا گوشت اگا دیتا ہے

ہست دوزخ ہمچو سرمائے خزاں ‏ ‏ ‏ ہست کوثر چوں بہار و گلستاں

دوزخ جاڑوں کی خزاں کی طرح ہے ‏ ‏ ‏ کوثر بہار اور چمن کی طرح ہے

ہست دوزخ ہمچو مرگ و چوں فنا ‏ ‏ ‏ ہست کوثر نفخِ صور از کبریا

دوزخ، موت اور فنا کی طرح ہے ‏ ‏ ‏ کوثر، اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے صور کا پھونکنا ہے

ہست دوزخ ہمچو مرگ و خاکِ گور ‏ ‏ ‏ ہست کوثر بر مثالِ نفخِ صور

دوزخ، موت اور قبر کی مٹی کی طرح ہے ‏ ‏ ‏ کوثر، صور پھونکنے کی طرح ہے

اے ز دوزخ سوختہ اجسامِ تاں ‏ ‏ ‏ سوئے کوثر میکشد اکرام تاں

اے وہ کہ تمہارے جسم دوزخ سے جل چکے ہیں ‏ ‏ ‏ (اللہ کا) کرم تمہیں کوثر کی جانب کھینچتا ہے

نابت۔ اُگنے والا۔ اندوختہ۔ جمع شدہ۔

[۳] قطرہ۔ کوثر کا ایک ایک قطرہ پکار کر کہتا ہے کہ میرے قریب آجاؤ میں جلے ہوئے کو دوبارہ جسم عطا کر دوں گا میری مثال مرہم کی سی ہے جو سڑے ہوئے زخم پر دوبارہ عمدہ گوشت پیدا کر دیتا ہے۔

دوزخ۔ دوزخ موسم خزاں کی طرح اور کوثر موسم بہار کی طرح ہے دوزخ موت ہے کوثر نفخِ صور ہے جس سے مُردے زندہ

[۵] اے۔ جو لوگ دوزخ کی آگ سے جل گئے ہیں اُن کو اللہ کا کرم کوثر کی جانب بلاتا ہے

شرح

اوپر مولانا نے ایاز کو کوثر سے تشبیہ دی تھی اور مقصود ایاز سے عبدِ حقیقی تھا پس یہ تشبیہ بکوثر حقیقت میں عبدِ حقیقی کی تھی۔ اسلئے اب اُس کوثر یعنی عبدِ حقیقی کی کچھ تعریف کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوثر (عبدِ حقیقی) کا کام کیا ہے اس کا کام یہ ہے کہ ہر سوختۂ دوزخ (آتش حرص و ہوا) اس سے تعلق پیدا کر کے صحیح الجسم اور مجتمع الاجزاء ہوجائے یعنی اس کے روحانی حالت درست کر دے اور اس کا قطرہ قطرہ (جزو جزو) وفورِ کرم سے ندا کر رہا ہے کہ جو کچھ اس دوزخ نے جلا دیا ہے۔ میں اسکو دوبارہ پیدا کر سکتا ہوں (جس قدر تم کو آتش حرص و ہوا سے نقصان پہنچا ہے میں اسکی تلافی کر سکتا ہوں) جس طرح مرہم سڑے ہوئے زخم پر لگ کر نیا اور خالص گوشت پیدا کر دیتا ہے پس دوزخ [آتش حرص و ہوا] کی ایسی مثال ہے جیسے سرمائے خزاں اور کوثر [عبدِ حقیقی] کی ایسی مثال ہے جیسے بہارِ گلستان اور دوزخ مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے مرگ اور فنا اور کوثر مذکور کی ایسی مثال ہے

جیسے حق سبحانہ کا نفخ صور اور دوزخ مذکور کی ایسی مثال ہی جیسے مگ اور خاک گور اور کوثر مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے نفخ صور۔ پس اے وہ لوگو! جس کے اجسام دوزخ سے جل چکے ہیں اور جو کہ حرص و ہوا سے تباہ ہو چکے ہوں۔ تم اس کوثر (عبدِ حقیقی) سے تعلق پیدا کرو اس کا تم پر کرم تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اس مضمون ارشادی کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں مگر عنوان بدل دیا ہے کیونکہ مضمون سابق میں صورت قصہ کا لحاظ تھا گو اس میں بھی حقیقت کا رنگ بہت کچھ تھا۔ اور اس مضمون میں صاف طور پر حقیقت کا رنگ غالب ہے یعنی وہ مضمون بلسان ایاز معروف تھا اور یہ مضمون بلسان عبد حقیقی ہے اور اس میں مخاطب محمود تھا اور اس میں مخاطب حضرت جی ہیں۔

چوں خلقتُ الخلقَ کے یربح علیَّ
جبکہ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع اٹھائے

لطف تو فرمود اے قیّومُ وحیّ
اے حیّ قیوم تو نے مہربانی فرمائی ہے

لَا لِاَنْ اَربحَ علیہم جُودتَ
"نہ یہ کہ میں ان سے نفع کماؤں" تیری عطا ہے

کہ شود زو جملہ ناقصہا درست
تاکہ اس سے سب ناقص مکمل بن جائیں

عفو کن زیں ناقصانِ تن پرست
ان ناقص تن پرستوں کو معاف فرما دے

عفو از دریائے عفو اولیٰ ترست
معافی کے سمندر کیطرف سے معاف کرنا ہی بہتر ہے

عفوِ خلقاں ہمچو جوی و ہمچو سیل
مخلوق کی معافی، نہر کی طرح اور بہاؤ کیطرح

ہم بداں دریائے خود تازند خیل
اس ہی اپنے دریا کی جانب گھوڑا دوڑاتی ہے

عفو ہا ہر شب ازیں دل پارہا
معافیاں ہر شب کو ان دل کے ٹکڑوں سے

چوں کبوتر سوئے تو آید شہا
اے شاہ! آپ کی جانب کبوتر کی طرح آتی ہیں

بازشاں وقتِ سحر پراں کنی
تو ان کو پھر صبح کے وقت اڑا دیتا ہے

تا بشب محبوسِ ایں ابداں کنی
رات تک کیلئے ان جسموں میں قید کر دیتا ہے

پرزناں بارِ دگر در وقتِ شام
دوبارہ، شام کے وقت پر پھڑپھڑاتے ہوئے

می پرند از عشق آں ایوان و بام
عشق کیوجہ سے اس محل اور بالاخانے پر پرواز کرتی ہیں

تاکہ از تن تارِ وصلت بگسلند
یہاں تک کہ وہ جسم سے جوڑ کا تار توڑ دیتی ہیں

پیشِ تو آیند کز تو مقبلند
آپکے پاس آجاتی ہیں کیونکہ وہ آپکے پاس آنیوالی ہیں

پرزناں ایمن ز رجع سرنگوں
سرنگوں (جماعت کی) واپسی سے مطمئن ہو کر اڑتی ہیں

در ہوا کاِنّا الیہ راجعوں
ہوا میں کہ ہم اسی طرف لوٹنے والی ہیں

چون۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے مخلوق اس لئے پیدا کی ہے تاکہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے نہ کہ اس لئے کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ کہ شود۔ یہ فرمانِ خداوندی اسی لئے ہے کہ اس کی ذات سے ناقص درست ہو جائیں۔
۲؎ عفو خلقاں۔ مخلوق کا معاف کرنا بھی اسی دریائے عفو کا ایک حصہ ہے۔ عفوہا۔ مخلوق کی معافیاں اپنی اصل کیطرف پرواز کرتی ہیں۔ کل شئی یرجع الی اصلہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ بازشاں۔ پھر اللہ تعالیٰ انکو دن بھر کے لئے انسانی بدنوں میں محبوس کر دیتا ہے اور پھر شام کے وقت اسی محل کیطرف پرواز کر جاتی ہیں۔
۳؎ تاکہ۔ یہ ان کی آمد و رفت اس وقت تک ہے جب تک کہ زندگی مقدر ہے۔ پرزناں۔ انکی پرواز فساق اور کفار کی پرواز کی طرح اوندھے منہ نہیں ہے۔

بانگ می آید تعالَوا زاں کرم
اُس کرم کیجانب سے "ا ٓؤ" کی آواز آتی ہے
بَعدازاں رَجعت نَماند دَرد و غَم
اُس واپسی کے بعد رنج اور غم باقی نہیں رہے گا

بَس غریبیہا کشیدید از جہاں
تم نے دنیا میں بہت سے پردیسی پن برداشت کئے
قدرِ من دانستہ باشید اے مِہاں
اے بزرگو! تم نے میری قدر جان لی ہے

زیرِ سایہ ایں درختم مستِ ناز
میرے اِس درخت کے سایہ میں ناز سے مَست ہوکر
ہیں بیفگنید پاہا را دراز
آگاہ! پاؤں کو خوب پھیلا دو

پایہائے پُرعَناں از راہِ دیں
وہ پاؤں جو دین کے راستہ میں تھکے ہوئے ہیں
بر کنار و دستِ حوراں خالدیں
ہمیشہ رہنے والی حوروں کی گود اور ہاتھوں میں

حُوریاں گشتہ مغمّز مہرباں
غمزہ کرنے والی حوریں، مہربان ہوگئیں
کز سفر باز آمدند ایں صوفیاں
کہ یہ صوفی سفر سے واپس آئے ہیں

صوفیانِ صافیاں چوں نورِ خُور
ایسے صاف صوفی جیساکہ سورج کا نور
مُدّتے اُفتادہ بر خاک و قَذر
جو ایک مدت تک مٹی اور پلیدی میں پڑے رہے

بے اثر پاک از قذر باز آمدند
بغیر کسی نشان کے پلیدی سے پاک واپس آئے ہیں
ہمچو نورِ خُور سوئے قُرصِ بلند
جس طرح کہ سورج کا نور بلند ٹکیہ کی جانب

ایں گروہِ مجرماں ہم اے مجید
اے بزرگ! خطاکاروں کا یہ گروہ بھی
جملہ سرہاشاں بدیوارے رسید
اِن سب کا سَر دیوار کی جانب میں پہنچ گیا

بر خطا و جُرمِ خود واقف شدند
اپنے جرم اور خطا سے واقف ہوگئے ہیں
گرچہ ماتِ کعبتینِ شہ بُدند
اگرچہ وہ شاہ کی کعبتین سے مات کھائے ہوئے تھے

رُو بتو کردند اکنوں آہ کُناں
اب آہیں بھرتے ہوئے انھوں نے تیری جانب رُخ کیا ہے
اے کہ لُطفت مجرماں را رہ کُناں
اے وہ کہ تیری مہربانی خطاکاروں کو راستہ دکھانیوالی ہے

راہ دہ آلودگاں را العجل
آلودہ ہوجانیوالوں کو بہت جلد راستہ عطا کر
در فُراتِ عفو و عینِ مُغتسل
معافی کی نہر اور نہانے کے چشمہ کا

تا کہ غسل آرند زاں جُرمِ دراز
تاکہ اُس لمبی خطا سے غسل کریں
در صفِ پاکاں روند اندر نماز
نماز میں پاکوں کی صف میں شامل ہوجائیں

اندراں صفہا ز اندازہ بروں
اُن صفوں میں اندازے سے زیادہ
غرقگانِ نورِ نَحنُ الصّافّون
"ہم صف باندھنے والے ہیں" کے نور میں غرق ہیں

شریک ہوسکیں۔ اندراں۔ اُن صفوں میں اندازے سے زیادہ نمازی ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحنُ الصّافّون قرآن کا مقولہ ہے اور بیشک ہم صفیں باندھنے والے ہیں۔

بانگ۔ اُن کی واپسی پر اللہ کا کرم آواز دیتا ہے کہ آجاؤ اب اِس واپسی کے بعد دنیا کا درد اور رنج ختم ہوجائے گا۔

۵۱ بس غریبیہا۔ اُن سے کرمِ خداوندی کہتا ہے تم نے مسافر کی تکلیفیں اٹھائی ہیں اب کرم کے سایہ میں پاؤں پھیلا کر سوجاؤ۔ پایہای۔ اب اُن پاؤں کو جنھوں نے اللہ کی عبادتوں میں بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں حوروں کے ہاتھوں اور پہلوؤں میں پھیلا دو۔ مغمّز۔ غمزہ کرنے والا۔ صوفیاں۔ اِن لوگوں کی حالت سورج کی روشنی کی سی ہے جو مٹی اور نجاستوں پر سے بھی گذرتی ہے لیکن پاک وصاف سورج کی طرف لوٹ آتی ہے یہ صوفی بھی دنیا کی نجاستوں پر سے پاک و صاف گذر کر واپس آتے ہیں۔

۵۲ ایں گروہ۔ خطاوار بھی اب شرمندہ ہیں۔ سر بدیوار شدن۔ شرمندہ ہونا۔ برخطا۔ اگرچہ وہ قدرت سے مغلوب تھے لیکن اپنے جرم وخطا سے واقف ہیں۔

شعر
[illegible]

کعبتین۔ دو نردیں ہوتی ہیں جنمیں سے ہر ایک کی چھ سطحیں ہوتی ہیں اور ہر سطح پر عدد کندہ ہوتا ہے اُن سے بازی کھیلی جاتی ہے۔

۵۴ عینِ مغتسل۔ وہ چشمہ جس میں حضرت ایوبؑ کو غسل کرایا گیا تھا۔ تاکہ۔ پاک ہوکر نماز میں

چوں سخن در وصفِ ایں حالت رسید ۔۔۔ ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید

جب بات اِس حالت کے بیان میں پہنچی ۔۔۔ قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا

بحر را پیمودہ ہیچ اُسکرہ ۔۔۔ شیر را برداشت ہرگز بَرّہ

کسی سکورے نے سمندر کو ناپا ہے؟ ۔۔۔ کسی بکری کے بچے نے شیر کو اٹھایا ہے؟

گر حجابستت بروں رو زاحتجاب ۔۔۔ تا بہ بینی بادشاہیِ عُجاب

اگر تیرے لئے پردہ ہے، پردہ پوشی سے باہر نکل ۔۔۔ تاکہ تو عجب بادشاہی دیکھے

لہ سخن یعنی اسرار شنات کا بیان۔ بحر۔ اسرار کا ایک بے پایاں سمندر ہے اور ہماری شنا اس پر تیرنے والے سکورے کی سی ہے سکورہ سمندر کو نہیں ناپ سکتا نہ بکری کا بچہ شیر کو اٹھا سکتا ہے۔ گر حجابست۔ اگر اسرار تجھے نظر نہیں آتے تو حجاب سے باہر نکلنے کی کوشش کر پھر عجیب بادشاہی دیکھے گا

شرح

یعنی عبد حقیقی اپنے بادشاہ حقیقی سے بوقت سفارش مخلوق کہتا ہے کہ اے قیوم حی - جبکہ آپ نے مخلوق کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ آپ سے نفع حاصل کریں اور اسلئے پیدا نہیں کیا کہ آپ کو ان سے نفع ہو۔ چنانچہ آپنے اپنی عنایت سے فرمایا ہے کہ خلقت الخلق لِیَربحوا علیَّ - لا لان اربح علیھم اور یہ خلقت الخلق الخ آپ کی ایک ایسی سخاوت ہے جس سے تمام ناقصین کامل ہو سکتے ہیں تو آپ ان تن پرست ناقصین کا قصور معاف فرمائیے کیونکہ دریائے عفو سے عفو ہی زیادہ مناسب ہے آپ دریائے عفو ہیں اور تمام مخلوق کی عفو ندی نالوں کی طرح سب کی سب اپنے اپنے اسی دریا کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس سے وہ نکلے ہیں۔ چنانچہ ہر رات کو جس وقت سب لوگ سو جاتے ہیں اور ان کے قلوب عفو سے خالی ہو جاتے ہیں۔ اس وقت وہ آپ ہی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور آپ ہی... کے قبضہ میں آجاتے ہیں لیکن جب صبح ہوتی ہے تو پھر آپ انکو آزاد کر دیتے ہیں اور وہ پھر اپنی اپنی جگہ آجاتے ہیں اور رات تک آپ ان کو ابدان میں محبوس رکھتے ہیں مگر پھر شام کے وقت اپنے مقر اصلی کے عشق میں پھڑ پھڑاتے ہوئے اڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موت کے وقت جسم سے بالکل تعلق منقطع کر دیتے ہیں اسوقت وہ بالکل آپکے پاس آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ سعادت حاصل ہے آپ کی ہی جانب سے اور آپ کی ہی عطا کی ہوئی ہے اسلئے ان کا ملجا و ماویٰ آپ ہی ہیں۔ ——— یہ طائرانِ گلشنِ قدس اور یہ اڑنے والے جو کہ رجعت

نامحمود سے امن ہیں اور جن کی رجعت فساق کی طرح نامحمود نہیں ہے یعنی اہل اللہ تو ہوا میں یہ کہتے ہوئے لوٹے ہیں کہ اب ہم اپنے مالک کی طرف لوٹتے ہیں اور انکو آپ کے کرم سے آؤ آؤ کی آواز پہنچ رہی ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کو دنیا میں بہت تکلیف اٹھانی پڑی لیکن وہ تکلیف بھی فائدہ سے خالی نہ تھی کیونکہ اسکے سبب اس وقت تمہیں میری قدر معلوم ہوئی ہوگی پس اگر وہ تکلیف نہ ہوتی تو تم کو اس راحت کی قدر نہ ہو سکتی تھی خیر "گذشت آنچہ گذشت"

اب تم میرے ظل عاطفت میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوؤ۔ اور ان کے وہ پاؤں جو سلوک راہ دینی ۔۔ سے چور چور ہو گئے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے حوروں کی بغل اور ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ نہایت محبت سے آپکے پاؤں دبا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ صوفی سفر سے واپس آئے ہیں ۔صوفی جو کہ نورِ آفتاب کی طرح پاک صاف ہیں ایک عرصہ تک خاک اور گندگی پر پڑکر بلا اثر کدورت اور پاک از گندگی یوں واپس آئے ہیں جیسے نور خورشید قرصِ خورشید کی طرف واپس آتا ہے لہٰذا ان کے پاؤں دبانا ضروری ہیں ۔ لیکن اے شہنشاہ عالیجاہ! اس مجرم جماعت کی حالت بھی قابلِ رحم ہے کیونکہ اب یہ اپنے قصور پر نادم ہیں اور اپنے سروں کو دیوار سے ٹکراتے ہیں۔ اور گو آپکے امتحان میں انکو ناکامی ہوئی ہے لیکن اب یہ اپنی خطا پر مطلع ہو گئے ہیں اور رونے پیٹنے آپ کی طرف آئے ہیں پس اے مجرموں کے لیے نجات کی سبیل پیدا کرنے والے بادشاہ آپ جلدی سے ان گندوں کو بھی فراتِ عفو اور چشمۂ غسل میں داخل ہونے کی اجازت دیجئے تاکہ یہ لوگ اس میں نہا کر اپنے بے حد گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں اور پاکوں کی صف میں داخل ہو کر ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں یعنی ان صفوں میں داخل ہو جائیں جو کہ حد قیاس سے باہر اور نور میں غرق اور انا لنحن الصافون ، انا لنحن المسبحون کا مصداق ہیں ـــــ اب مولانا کی نظروں میں اس ہولناک حالت ـــــ اور اس کا نقشہ کھینچ جاتا ہے اور وہ مرعوب ہو کر فرماتے ہیں کہ جب اس حالت کے بیان تک نوبت پہنچی تو قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا ۔ کیونکہ وہ تو ایک سمندر ہے اور کاغذ

ایک سکورہ۔ پس بھلا سکورہ کہیں سمندر کو اپنے اندر سما سکتا ہے اور وہ ایک شیر ہے اور قلم بجرے کا بچہ۔ پھر کہیں بجرے کا بچہ شیر کو اٹھا سکتا ہے جب نہیں اٹھا سکتا تو قلم اس کا تحمل کیونکر کر سکتا ہے پس تم خود اسکو دیکھ لو۔ اور اگر تم محجوب ہو تو حجاب سے نکلو تاکہ تم اس عجیب بادشاہی کو دیکھ سکو۔ جس کا نقشہ ہم تمہارے سامنے کھینچ رہے ہیں۔ مگر پورے طور پر کھینچنے سے قاصر ہیں۔

اسکے بعد مولانا پھر عنوان بیان کو بدلتے ہیں اور بیان میں صورت قصہ کی رعایت رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گرچہ بشکستند جامت قومِ مست
اگرچہ مست قوم نے تیرے جام کو توڑا ہے

آنکہ مست از تو بود عذریش ہست
جو تیرا مست ہو (اُس) کے لیے ایک عذر ہے

مستیِ ایشاں باقبال و کمال
اُن کی اقبال اور مال کی مستی

نے زیادہ تست اے شیریں فعال
(کیا) اے شیریں کارناموں والے تیری شراب نہیں ہے!

اے شہنشہ مستِ تخصیصِ تواند
اے شہنشاہ! وہ تیرے خاص کر دینے کی وجہ سے مست ہیں

عفو کن از مستِ خود اے عفو مند
اے معافی دینے والے! اپنے مست کو معاف کر دے

لذتِ تخصیصِ تو وقتِ خطاب
خطاب کے وقت، تیرے خاص کرنے کی لذت

آں کند کہ ناید از صد خمِ شراب
وہ کرتی ہے جو شراب کے سیکڑوں مٹکوں سے نہیں ہوتا

چونکہ مستم کردہ حدم مزن
جب تو نے مجھے مست کر دیا، مجھ پر حد جاری نہ کر

شرعِ مستاں را نیارد حد زدن
شریعت مستوں پر حد جاری نہیں کرتی ہے

چوں شوم ہشیار آنگاہم بزن
جب میں ہوشیار ہو جاؤں اُس وقت مارنا

کہ نخواہم گشت خود ہشیار من
کیونکہ میں ہوشیار ہی نہ ہوں گا

ترجمہ۔ ایاز کا مقولہ ہے کہ اگرچہ اس مست قوم نے آپ کے حکم کا جام توڑا ہے لیکن چونکہ یہ آپ کے مست ہیں لہٰذا معذور ہیں۔
۵ مستی۔ ان کی مستی اس رتبہ اور مال کی وجہ سے ہے جو آپ نے اُن کو دیا ہے۔
تخصیص۔ یعنی چونکہ تو اُن سے خصوصیت برتتا ہے اس لئے یہ مست ہو گئے ہیں...
وقتِ خطاب۔ جب تو اُن کو خاص طور پر خطاب کرتا ہے تو اُن پر شراب کے سیکڑوں خُموں کی مستی طاری ہو جاتی ہے۔ چونکہ شرعی حکم ہے کہ مست پر نشہ کی حالت میں شراب پینے کی حد یعنی کوڑے نہیں لگائے جاتے ہیں بلکہ جب مست کا نشہ دور ہو جاتا ہے تب اس کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔

شرح

یعنی ایاز نے کہا کہ اگرچہ اس قوم مست نے آپکا جام امر توڑا ہے لیکن ان کو آپنے مست کیا ہے اور جو آپکے مست کرنے سے مست ہو وہ معذور ہے۔ پس یہ لوگ معذور ہیں آپ ان کا قصور معاف فرما دیجئے اگر یہ کہا جائے

کہ ان کی مستی جاہ و مال سے ناشی ہے تو کیا وہ آپ کے شراب سے نہیں ہے ضرور ہے کیونکہ وہ بھی آپ کا ہی دیا ہوا ہے پس یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کو آپ نے مست کیا ہے خیر اگر اس کو بھی جانے دیجئے! تب بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ انکو آپ نے مست کیا ہے کیونکہ وہ آپ کی... تخصیص بالخطاب سے مست ہیں یعنی آپ نے جو ہر ایک شخص کو خصوصیت کے ساتھ موتی دکھلایا اور کہا کہ اسے توڑ دو۔ اس تخصیص نے انہیں اس قدر خود رفتہ کر دیا کہ ان کو کچھ بھی ہوش نہ رہا اور ان سے قصور ہوگیا ایسی حالت میں آپ انکو معاف کر دیجئے کیونکہ آپ کی تخصیص بوقت خطاب کے لذت وہ کام کرتی ہے جو سو مٹکے بھر شراب نہیں کر سکتی۔ نیز جبکہ آپ نے ان کو مست کیا ہے اور وہ مست ہیں تو اس حالت میں ان کو سزا نہ دیجئے کیونکہ شریعت بحالتِ مستی مستوں پر حد نہیں قائم کرتی ہاں! جب وہ ہوش میں آجائیں اس وقت شوق سے سزا دیجئے۔ لیکن وہ قیامت تک ہوشیار نہ ہوں گے پس جبکہ سزا مقدر ہے تو.. معافی مناسب ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں یہ بھی احتمال ہے کہ بلسان عبد حقیقی ہوں اور خطاب سے مراد خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ہو۔ یا خطابات ہوں جو کہ احکام عامہ کے ضمن میں ہیں جیسے اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ والظاہر عندی ہو الاوّل۔ واللہ اعلم) اس مقام پر چونکہ مولانا نے محمود کے پردہ میں یا بلسان عبد حقیقی براہِ راست حق سبحانہٗ کی تعریف کی تھی اسلئے اس سے مولانا پر وجد کا غلبہ ہوتا ہے اور فرماتے ہیں۔

ہر کرا از جامِ تو خورد اے ذُوالمِنَن — تا ابد رَست از ہش و از خدزدن
اے احسانوں والے جس نے تیرے جام سے پی لی — وہ ہمیشہ کیلئے ہوش سے اور معمہ جاری کرنے سے بچ گیا

خَالِدِیْنَ فِیْ فَنَاءِ سُکْرِھِمْ — مَنْ یُّفَانِیْ فِیْ ھَوَاکُمْ لَمْ یَقُمْ
وہ اپنے نشہ کی فنا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں — جو تمہاری محبت میں فنا ہوا وہ کھڑا نہیں ہوا

فضلِ تو گوید دلِ مارا کہ رَو — اے خندہ در دروغِ عشقِ ما گرو
تیری مہربانی، ہمارے دل سے کہتی ہے، کہ جا — اے وہ کہ ہمارے عشق کی چھاچھ میں گروی ہو گیا ہو

۵۳ کہ ہم ہیں لیکن ہم ایسا مست ہوں کہ ہیں کی مستی تیرے جام کی مستی ہے جو قیامت تک زائل نہیں

ہو سکتی۔ خالدین۔ جو تیرے عشق میں فنا ہو گیا وہ پھر کبھی نہیں سنبھلا۔ فضلِ تو۔ تیری مہربانی ہماری مستی کے عذر پر کہتی ہے کہ تو اگرچہ ہمارے جام کا مست نہیں ہے بلکہ چھاچھ پی کر مستی کا اظہار کر رہا ہے لیکن پھر بھی تیرا عذر قبول کرتے ہیں۔

چوں مگس در دوغِ ما افتادهٔ
تو مکھی کی طرح ہماری چھاچھ میں پڑا ہے

تو نہ مستی اے مگس تو بادهٔ [1]
اے مکھی! تو مست نہیں ہے تو ایسی شراب ہے

کرگسان مست از تو گردند اے مگس
اے مکھی! گدھ تجھ سے مست ہو جائیں گے

چونکہ بر بحرِ عسل رانی فرس
جب تو شہد کے سمندر پر گھوڑا دوڑائے گی

کوہہا چوں ذرّہا سرمستِ تو
ذروں کی طرح پہاڑ، تیرے مست ہیں

نقطہ و پرکار و خط در دستِ تو
نقطہ اور پرکار اور خط تیرے ہاتھ میں ہیں

فتنہ کہ لرزند زو لرزانِ تست
وہ فتنہ جس سے لرزتے ہیں تجھ سے لرزتا ہے

ہر گراں قیمت گہر ارزانِ تست
ہر گراں قیمت موتی، تیرے لئے سستا ہے

گر خدا دادے مرا پانصد دہاں [2]
اگر خدا مجھے پانچ سو منہ دیتا

گفتمے شرحِ تو اے جانِ جہاں
تو اے جانِ جہاں! میں تیری شرح کرتا

یک زباں دارم من آنہم منکسر
میں ایک زبان رکھتا ہوں وہ بھی ٹوٹی ہوئی

در خجالت از تو اے دانائے سر
اے راز کو جاننے والے! تجھ سے شرمندگی میں

منکسر تر خود نباشم از عدم
میں خود عدم سے زیادہ ٹوٹا ہوا نہیں ہوں

کز دہانش آمدستند ایں امم
جس کے منہ سے یہ امتیں آئی ہیں

صد ہزار آثارِ غیبی منتظر
لاکھوں غیبی آثار منتظر ہیں

کز عدم بیروں جہد با لطف و بر
کہ پاکیزگی اور بھلائی کیساتھ عدم سے باہر نکل آئیں

از تقاضائے تو میگردد سرم [3]
تیرے ہی تقاضے سے میرا سر گردش کرتا ہے

اے بمردہ من بہ پیشِ آں کرم
اس لئے کہ میں اس کرم کے سامنے جان دے چکا ہوں

رغبتِ ما از تقاضائے تو است
ہمارا راغب ہونا تیرے تقاضے سے ہے

جذبۂ حق ست ہر جا رہروست
جہاں کہیں رہرو ہے اللہ (تعالیٰ) کا جذبہ ہے

خاک بے بادے بہ بالا کے جہد
غبار بغیر ہوا کے اوپر کب جاتا ہے؟

کشتیِ بے بحر پا در رہ نہد
بغیر دریا کی کشتی راہ میں پاؤں رکھتی ہے؟

پیش آبِ زندگانی کس نمرد
آبِ حیات کے سامنے کوئی نہیں مرا

پیشِ آبت آبِ حیوانست درد
تیرے پانی کے سامنے آبِ حیات تلچھٹ ہے

آبِ حیواں [4] قبلۂ جاں دوستاں
آبِ حیات جان سے دوستی رکھنے والوں کا قبلہ ہے

ز آب باشد سبز و خنداں بوستاں
پانی سے باغ سرسبز و خنداں ہوتا ہے

---

[1] تو بادهٔ۔ اس کا تعلق گذشتہ شعر سے ہے یعنی بایں ہمہ تو ایسی شراب ہے کہ کرگس یعنی اہلِ دل تجھ سے مستی حاصل کرتے ہیں۔ بحرِ عسل۔ یعنی اسرارِ حقیقت۔ کوہہا۔ اب تیری مستی کا یہ حال ہے کہ جملہ کائنات تیرے تصرف میں ہے۔ فتنہ۔ دنیا کے مصائب تجھ سے لرزہ بر اندام ہیں اور دنیا کی ہر قیمتی چیز تیرے لئے بے قیمت ہے۔

[2] گر خدا۔ یہ بھی ایاز کا مقولہ ہے اور جانِ جہاں سے مراد سلطان ہے یا یہ مولانا کا مقولہ ہے اور جانِ جہاں سے سلطانِ حقیقی مراد ہے۔ یک۔ ایک زبان ہے اور وہ بھی شرمندگی سے شکستہ ہے تو میں کیسے تیری تعریف کا حق ادا کر سکتا ہوں۔ از عدم۔ لیکن بایں ہمہ کچھ نہ کچھ مجھے تعریف کرنی ہے اس لئے کہ میں عدم سے تو گیا گذرا نہیں ہوں اس سے بھی غیبی آثار ظاہر ہو رہے ہیں جو تجھ سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

[3] از تقاضائے۔ تیری ہی ذات کا تقاضہ ہے کہ میں اس کے اوصاف بیان کروں اس کرم پر میں قربان ہوں۔ رغبت۔ تعریف کی طرف ہماری رغبت تیرے تقاضے اور جذبے کی وجہ سے ہے۔ خاک۔ غبار ہوا کے سہارے اڑتا ہے کشتی دریا کے سہارے چلتی ہے، اسی طرح ہمارا ہر کام تیرے جذبے سے ہے۔ پیش۔ آبِ حیات ہر چیز کی زندگی کا سبب ہے لیکن تیرے آبِ رحمت کے مقابلہ میں وہ گندہ پانی ہے۔

مرگِ آشاماں زعشقش زندہ اَند — دل زجان و آبِ جاں برکندہ اَند
موت کو پی جانے والے اُس کے عشق سے زندہ ہوئے ہیں — جان اور آبِ حیات سے دل برداشتہ ہیں

آبِ عشقِ تو چو مارا دست داد — آبِ حیواں شد بہ پیشِ ما کساد
جب تیرے عشق کا پانی ہمارے ہاتھ آگیا — ہمارے سامنے آبِ حیات بیکار ہوگیا

زآبِ حیواں ہست ہر جاں را نوی — لیک آبِ آبِ حیوانی توئی
آبِ حیات سے ہر جاں کو تازگی ہے — لیکن آبِ حیات کی زندگی تو ہے

ہر دمے مرگے و حشرے دادیَم — تا بدیدم دستبُردِ آن کرم
تو نے مجھے ہر لمحہ موت اور زندہ ہو جانا عطا کیا ہے — یہاں تک کہ میں نے اس کرم کا غلبہ دیکھ لیا ہے

ہمچو خفتن گشت ایں مُردن مَرا — زاعتمادِ بعث کردن اے خدا
یہ مرنا میرے لئے سونے کی طرح بن گیا ہے — اے خدا! حشر کے بھروسہ پر

ہفت دریا ہر دم ار گردد سَراب — گوش گیری آوریش اے آبِ آب
ساتوں سمندر اگر ہر وقت ریت بن جائیں — تو اُن کا کان پکڑ کر لے آئیگا اے پانی کی جان!

عقل لرزاں زاجل و آں عشق شوخ — سنگ کے ترسد زباراں چوں کلوخ
عقل موت سے لرزتی ہے اور وہ عشق بیباک ہے — پتھر ڈھیلے کی طرح بارش سے کب ڈرتا ہے؟

ے۵ آبِ حیوان۔ آبِ حیات کا کم مرتبہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اسکو وہ پسند کرتے ہیں جو اپنی جان کو بچانا چاہتے ہیں مرگ۔ لیکن جو لوگ فنا کو پسند کرتے ہیں وہ تیرے آبِ عشق سے زندہ ہیں اسی لیئے آبِ حیات ہیچ ہے۔ زآبِ حیواں۔ آبِ حیات سے ہر جان کو تازگی حاصل ہوتی ہے لیکن اس آبِ حیات کی زندگی تو ہے۔ ہر دمے۔ شعر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ے۵ ہمچو خفتن چونکہ مجھے موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہے لہٰذا میرے لیئے موت کی حقیقت نیند سے زیادہ نہیں ہے۔ ہفت۔ تیرے دوبارہ زندگی عطا کرنے کا یہ حال ہے کہ اگر ساتوں سمندر خشک ہو کر ریت بن جائیں تو اُن کا کان پکڑ کر کہدیگا پانی بن جاؤ تو وہ پانی بن جائیں گے۔ عقل۔ عقل موت سے ڈرتی ہے اور عشق اس کے معاملہ میں لاپرواہ ہے کیا ڈھیلا بارش سے ڈرتا ہے پتھر کبھی نہیں ڈرتا۔

شرح

اے اللہ! جو کوئی آپ کا جامِ محبت پی لے وہ قیامت تک کے لیے عقل اور سزا سے نجات پا جاتا ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ آپکے سکر کی... بے خودی میں رہتے ہیں کیونکہ آپ کی محبت کا خاصہ ہے کہ جو ایک مرتبہ اس میں محو ہو گیا پھر اسے ہوش نہیں آتی۔ اور آپ کا کرم ہمارے دل سے کہتا ہے کہ اے ہمارے عشق کی بھٹی میں گرفتار دل چونکہ تو مکھی کی طرح ہمارے عشق کی بھٹی میں گر گیا ہے اور اس میں پھنس کر رہ گیا ہے اسلئے اب تیرا کمال بہت ترقی کر گیا ہے اور اس وقت تو مست ہی نہیں ہے بلکہ شراب یعنی دوسروں کو مست کرنے والا بھی ہے اور اے مکھی! جب تو... دریائے شہد پر گھوڑا دوڑائے گی یعنی اسرار الٰہیہ بیان کریگی تو کرگس یعنی صاحبِ دل تجھ سے مست ہوں گے۔ (ہکذا قیل۔ مگر میرے نزدیک مناسب تقریر یہ ہے کہ اے مکھی چونکہ تو بحرِ عسل پر گھوڑا دوڑاتی یعنی حق سبحانہٗ سے ملابست رکھتی ہے جو کہ معدنِ

لذت ہیں اسلئے تیرے ذریعہ سے نرگس یعنی ناقصین جو کہ اس لذت سے آشنا نہیں ہیں اس سے آشنا ہوں گے اور اُس سے آشنا ہو کر مست ہوں گے۔ پس تو سبب ہو گی ان کی مستی کا۔ وہٰذا ہوالحق انشاأاللہ تعالیٰ)

اور اے اللہ ذرّوں کی طرح پہاڑ بھی۔ اور معمولی ہستیوں کی طرح عظیم الشان ہستیاں بھی تجھ پر عاشق اور تیرے تابع فرمان ہیں اور نقطہ و پرکار اور خط۔ غرضکہ اسباب و مسببات جس قدر بھی ہیں سب تیرے قبضہ میں ہیں اور تیری یہ شان ہے کہ جس فتنہ سے لوگ کانپتے ہیں وہ خود تجھ سے کانپتا ہے اور جو گراں قیمت موتی اور جو اعلیٰ درجہ کا کمال رکھنے والی شے ہے وہ تیرے سامنے بالکل بے وقعت ہے اگر میرے منہ میں پانسو زبانیں ہوتیں تو میں اپنے حوصلہ کے مطابق آپکی تعریف کرتا اب تو میرے ایک منہ ہے اور وہ بھی آپ سے شرمندگی کے سبب شکستہ ہے ایسی حالت میں میں آپ کی کیا تعریف کر سکتا ہوں۔ ارے میں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور کس کی تعریف سے گریز کر رہا ہوں۔ ایسا کرنا ہرگز ٹھیک نہیں کیونکہ گو میں شکستہ دہن ہوں مگر عدم سے زیادہ شکستہ نہیں ہوں جس کے منہ سے اتنی مخلوق نکل چکی ہے اور لاکھوں آثار غیبی ہنوز اس کے منہ سے نکلنے کے لئے تیار ہیں پھر میں کیوں ہمت ہاروں۔ اور گو شکستہ دہن ہوں مگر شکستہ ہمت کیوں بنوں اسلئے مجھے برابر اُسکی تعریف کرنی چاہیئے اور ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔

اس کے بعد پھر حق سبحانہٗ کو خطاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں کیا اور میری ہمت کیا یہ جو کچھ میں کرتا ہوں یا کرنے کا حوصلہ کرتا ہوں یہ سب آپ کا کرم ہے کہ آپنے میرے اندر تقاضائے حمد پیدا کیا اور یہ جو میرے خیالات گردش کرتے ہیں اور مجھے آپ کی تعریف کے متعلق خیالات پیدا ہوتے ہیں یہ سب آپکے تقاضے کا اثر ہے۔ اور میں تو آپکے کرم کے سامنے مردہ ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ جو کچھ کرتا ہوں آپکے فضل و کرم سے کرتا ہوں۔ رغبت آپکے تقاضے کا اثر ہے اور جو کوئی بھی کسی راہ پر چلتا ہے وہ آپ کا ہی جذب ہوتا ہے کیونکہ اُسکی مثال ایسی ہے

جیسے خاک اور آپ کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا ۔ یا یوں کہیئے کہ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کشتی اور آپکی مثال ایسی ہے جیسے دریا ۔ پس جس طرح خاک بدوں ہوا کے نہیں اُڑ سکتی اور کشتی بدوں دریا کے حرکت نہیں کر سکتی ۔ یوں ہی کوئی سالکِ راہ بدوں .. آپکے جذب کے نہیں چل سکتا ۔

اَرے ! میں نے غضب کیا کہ اپنے کو مُردہ کہہ دیا ۔ بھلا میں آپ سے تعلق رکھتے ہوئے مردہ کیسے ہو سکتا ہوں ۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ آبِ حیات کے ہوتے ہوئے کوئی نہیں مرتا پس میں آپکے ہوتے ہوئے کیسے مر سکتا ہوں کیونکہ آپکے آب حیات کے سامنے تو آبِ حیات معروف ایک بے حقیقت شے ہے اسلئے کہ آب حیات معروف سے جان حیوانی حاصل ہوتی ہے اور اسلئے وُہ ...... مقصود ہے ۔ اہل دنیا کا جن کو جان پیاری ہے اور آپ کے آبِ حیوان سے گلشن روح سرسبز و شاداب ہوتا ہے پس وہ مطلوب ہے اہل اللہ کا ۔ اور یہ مرگ آشام لوگ یعنی اہل اللہ اسی کے عشق سے زندہ ہیں اور اسی کے عشق میں نہ ان کو جان سے تعلق رہا ہے اور نہ آب حیوان سے ۔ اور اے اللہ ! جب سے کہ ہم کو آپکے عشق کا آب حیات مِلا ہے اس وقت سے آبِ حیات ہماری نظروں میں حقیر ہو گیا ہے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ آبِ حیات سے ہر جان کو تازگی حاصل ہوتی ہے ۔ مگر جس سے آبِ حیات کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے وہ تو آپ ہی ہیں پھر آپکے سامنے ہم آبِ حیات کو کیا خاطر میں لا سکتے ہیں ۔ اور اے اللہ ! آپنے ہر دم مجھے ایک تازہ موت اور ایک جدید حیات عطا کی ہے یہاں تک کہ مجھے آپکے کرم کی سخاوت معلوم ہو گئی ۔ اور اب مرنا میرے نزدیک بمنزلہ سونے کے ہو گیا کہ جس طرح آدمی کو سونے سے وحشت نہیں ہوتی یونہی اب مجھے موت سے وحشت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ مجھے اعتماد ہے کہ اگر تو مجھے ماریگا تو پھر زندہ کر دے گا کیونکہ تجھے زندہ کر دینا آپکے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں اسلئے کہ آپ کی قدرت کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ساتوں سمندر معدوم ہو جائیں تو پھر آپ اُن کو کان پکڑ کر لا سکتے ہیں اور موجود کر سکتے ہیں نیز

میں موت سے ڈر کیسے سکتا ہوں اسلئے کہ موت سے عقل ڈرتی ہے۔ رہا عشق سو وہ موت پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ عشق کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر اور عقل کی مثال ایسی ہے جیسے ڈھیلا۔ اور موت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش۔ پس جس طرح کہ بارش سے پتھر نہیں ڈرتا۔ مگر ڈھیلا ڈرتا ہے یوں موت سے عقل ڈرتی ہے اور عشق نہیں ڈرتا۔ اور میں عاشق ہوں نہ کہ عاقل۔ اسلئے مجھے موت سے کچھ خوف نہیں ہوتا

(فائدہ: ہر دمے مرگے و حشرے دادیم میں مرگ و حشر سے روح کی حالت اولیٰ کا زوال۔ اور اس میں نئی حالت بہتر از سابق کا پیدا ہونا ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ ہر وقت مجھے ترقی روحانی حاصل ہوتی ہے جس سے میری پہلی حالت زائل ہوتی۔ اور جدید حالت اس سے بہتر حاصل ہوتی ہے) اور ممکن ہے کہ اس میں مسئلہ تجدّد امثال کی طرف اشارہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عالم ہر دم فنا ہوتا ہے اور اسکے بعد فوراً ہی موجود ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

از صحافِ[۱] مثنوی ایں پنجم ست مثنوی کے دفتروں میں سے یہ پانچواں ہے	در بروجِ چرخِ جاں چوں انجم ست جان کے آسمان کے برجوں میں ستاروں کی طرح ہر
رہ نیابد از ستارہ ہر حواس ہر حواس ستارے سے راستہ نہیں پاسکتا ہے	جز کشتیبانِ استارہ شناس کشتی ستارے کو پہچاننے والے کے سوا
جز نظارہ نیست قِسمِ دیگراں دوسروں کا حصہ سوائے نظارہ کے نہیں ہے	از سعودش غافل اند واز قِراں وہ اس کی نیک بختی، اور میل سے غافل ہیں
آشنائی گیر شبہا تا بروز راتوں اور دنوں سے دوستی رکھ	باچنیں استارہائے دیو سوز اس طرح کے شیطان کو جلانے والے ستاروں سے
ہر یکے[۲] در دفعِ دیوِ بدگماں بدگمان شیطان کے دفع کرنے میں ہر ایک	ہست نفط انداز قلعہ آسماں آسمان کے قلعہ سے، نفط پھینکنے والا ہے
اختر ار با دیو ہمچوں عقرب ست ستارہ اگرچہ شیطان کے لئے بچھو کی طرح ہے	مشتری را او ولی الاقرب ست خریدار کے لئے وہ قریبی دوست ہے

[۱] صحاف۔ صحف کی جمع ہے بمعنی پیالہ بعض نسخوں میں صحائف ہے جو صحیفہ بمعنی کتاب کی جمع ہے مراد مثنوی کے دفتر ہیں۔ رہ نیابد۔ جس طرح ستاروں سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مثنوی سے ہر شخص مستفید نہیں ہو سکتا سعودش۔ یعنی ستاروں کے

[۲] ہر یکے۔ ستارے شیطان کو جلاتے ہیں۔ نفط۔ ایک آتشگیر مادہ ہے۔ آخر۔ مولانا نے مثنوی کے دفاتر کو، برج و ستاروں کے قرار دیا ہے اور یہاں کیلئے وہ برو برج ثابت کئے ہیں جو آسمان میں برج ہیں لہٰذا ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جنکے مثل معنی بھی مراد لئے جاسکیں اور وہ ستاروں اور برجوں کے

نیک اثرات۔ اقتراں۔ دو ستاروں کا باہم ملنا۔ آشنائی۔ مثنوی سے شغل رکھو، شیطان سے نجات حاصل کروگے۔

قوس اگر از تیر دوزد دیو را
کمان اگر شیطان کے تیر چھید دینے والی ہے

دلو پُر آب ست زرع و میوہ را
ڈول، کھیتی اور میوے کے لئے پانی سے بھرا ہے

حوت اگرچہ کشتیِ غی بشکند
مچھلی اگرچہ گمراہی کی کشتی کو شکستہ کرتی ہے

دوست را چوں ثور کشتے میکند
دوست کے لئے بیل کی طرح کھیتی بوتا ہے

شمس اگر شب را بدرد چوں اسد
سورج اگر رات کو شیر کی طرح پھاڑ دیتا ہے

لعل را ازو خلعتِ اطلس رسد
لعل کو اس سے اطلسی خلعت ملتی ہے

صورتِ خرچنگ اگرچہ کجرو ست
کیکڑے کی صورت اگرچہ ٹیڑھی چال کی ہے

ہیئتِ میزاں ازو بیروں شو
ترازو کی ہیئت اس سے الگ ہے

پیشہ مریخ اگر خونریزی ست
مریخ کا پیشہ اگرچہ خونریزی ہے

اوز بونِ شمسیِ تبریزی ست
وہ تبریزی سورج سے مغلوب ہے

گرچہ در تاثیر نحس آمد زحل
زحل اگرچہ تاثیر میں منحوس ثابت ہوا ہے

دقتِ فکر آید ازوے در عمل
عمل میں اس سے فکر کی باریکی پیدا ہوتی ہے

ماہم از مہر ار دو کف برہم زند
میرا چاند سورج کیوجہ سے اگر دونوں ہتھیلیاں بجا رہا ہے

زہرہ نبود زہرہ را تا دم زند
زہرہ کا پتہ نہیں ہے کہ دم مارے

بل عطارد خانۂ خود گم کند
بلکہ عطارد اپنا گھر گم کر دیتا ہے

وز جنوں او جوزِ جوزا بشکند
اور دیوانہ پن سے جوزا کا اخروٹ توڑ دیتا ہے

مشتری را دست لرزد دل طپد
مشتری کا ہاتھ لرزتا ہے، دل تڑپتا ہے

بر سرِ آب او فتد مہ چوں سبد
چاند ٹوکری کی طرح پانی پر پڑا ہے

نسرِ طائر را بریزد پر ز شرم
نسرِ طائر کے شرم سے پر جھڑتے ہیں

وز طمع سنبل شود چوں موم نرم
اس دھاگے کی سے موم کی طرح نرم ہو جاتا ہے

دخترانِ نعش آبستن شوند
بنات النعش حاملہ ہو جاتی ہیں

مجتمع گردند و دستک زن شوند
اکٹھی ہو جاتی ہیں اور تالیاں بجاتی ہیں

در گذر زیں رمزہا بے گاہ شد
ان اشاروں سے درگذر کر، بے وقت ہو گیا

کہکشاں از سنبلہ پُر کاہ شد
کہکشاں سنبلہ کی وجہ سے تنکوں بھری ہو گئی

آفتاب از کوہ سر زد انقوا
سورج پہاڑ سے طلوع ہو گیا، بچو

لیک تلخ آمد ترا ایں گفتگو
لیکن تجھے یہ گفتگو کڑوی لگی

تو عدوی و ز عدو شہد و لبن
تو دشمن ہے اور مخالف سے شہد اور دودھ

بے تکلف زہر گردد در بدن
بے تکلف بدن میں زہر بن جاتا ہے

نام بھی ہیں جو شیطان کے لئے بچھو کا کام کرتے ہیں اور ستارہ شناس ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہی حال مثنوی کا ہے۔
عقرب۔ بچھو، ایک برج کا نام بھی ہے مشتری۔ خریدار، ایک ستارہ کا نام بھی ہے قوس۔ کمان، ایک برج کا نام بھی ہے دلو۔ ڈول، ایک برج کا نام بھی ہے حوت۔ مچھلی، ایک برج کا نام بھی ہے۔ ثور۔ بیل، ایک برج کا نام بھی ہے۔ اسد۔ شیر، ایک برج کا نام بھی ہے۔ اطلس۔ غیر منقش ریشمین کپڑا، نویں آسمان پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ خرچنگ۔ کیکڑا۔ برج سرطان کو بھی کہتے ہیں۔ میزان۔ ترازو، ایک برج کا نام بھی ہے۔
؁۴ مریخ۔ مشہور ستارہ ہے اس کو آسمان کا جلاد بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا نے منکر اسرار مراد لیا ہے۔ شمس تبریزی۔ سورج کو تبریزی اس لئے کہا ہے کہ تبریز آذربائیجان کا ایک شہر ہے جو جانب مشرق واقع ہے اور اسی سے شمس تبریزی بھی ہیں جو مولانا کے پیر ہیں۔ زحل۔ منحوس ستارہ ہے جس شخص کا ستارہ
؁۵ دخترانِ نعش۔ بنات تین ستارے ہیں اور نعش چار ستاروں کا مجموعہ ہے بنات النعش ان سات ستاروں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو چارپائی کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ کہکشاں۔ ایک لمبی سفیدی جو رات کی صورت میں نظر آتی ہے جو کہ برسات میں سرِشام نظر آنے لگتی ہے اس کا ایک سرا جنوب کی جانب اور دوسرا شمال کی جانب ہوتا ہے۔۔۔ سنبلہ۔ گیہوں کی بال، ایک

[illegible]

زحل ہوتا ہے اس میں قوتِ فکریہ بہت ہوتی ہے۔ آہم یعنی اگر میری مثنوی سر درگوشی کرے تو زہرہ جو رقاصۂ فلک ہے وہ دم بخود رہ جائے ؁۲ عطارد۔ ستارہ جس کو دبیرِ فلک بھی کہا جاتا ہے۔ جوزا۔ ایک برج کا نام ہے مشتری ستارے کا نام ہے۔ نسرِ طائر۔ اڑنے والا گدھ ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو اڑنے والے گدھ کی طرح ہے؛

هر وجودے کز عدم بنمود سر
جس وجود نے عدم سے سر اُبھارا

بر یکے زہرست و بر دیگر شکر
ایک پر وہ زہر ہے اور دوسرے پر شکر ہے

دوست شو وز خوئے ناخوش شو بری
دوست بنا اور بری عادت سے خالی ہو جا

تا ز خمرۂ زہر ہم شکر خوری
تاکہ زہر کے مٹکے سے بھی تو شکر کھائے

زاں نشد فاروق را زہرے گزند
اسی لئے (عمر) فاروق کے لئے زہر مضر نہ ہوا

کہ بُد آں تریاقِ فاروقیش قند
کیونکہ اُن کا فاروقی تریاق شکر تھا

ہین بجو تریاقِ فاروق اے غلام
اے لڑکے! فاروقی تریاق تلاش کرلے

تا شوی فاروقِ دوراں والسّلام
تاکہ تو فاروقِ دوراں بن جائے، والسّلام

برج کا نام بھی ہے۔ پرجما شد۔ اب اس مثنوی کے رموز کے بیان کو ختم کر دیا ان کے طول کی وجہ سے اس کے صاف مضامین بھی سمجھنا مشکل ہو رہے ہیں۔

۵۲ آفتاب۔ مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ تو تمدی۔ عادت کی وجہ سے دشمن شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ ہر وجودے۔ یہ شہد اور زہر ہونا مثنوی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا یہی حال ہے۔ تمرہ۔ مٹکہ۔ زاں نشد۔ حضرت عمرؓ کے لئے [illegible] تو فاروق بن جا۔ اگر تو حصہ لے کر [illegible] بتایا۔ وہی تریاق فاروق آج کل ان کے لئے وہ زہر مضر نہ رہا [illegible] اُن کے فاروقی تریاق کی وجہ

شرح

مثنوی کے دفتروں میں سے یہ پانچواں دفتر ہے اور اگر روح کو آسمان فرض کیا جائے اور اس کے لیے بُرج مانے جائیں تو یہ ان برجوں میں بمنزلہ ستاروں کے ہے اور سما روح کے لیے موجب زینت۔ اور طالبین ہدایت کے لیے راہنما ہے لیکن اتنا خیال رہے کہ جس طرح ہر آنکھ والے کو ستاروں سے رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ بلکہ رستہ صرف اسی کشتیاں کو معلوم ہوتا ہے جو کہ ستاروں کے متعلق واقفیت رکھتا ہو۔ یونہی مثنوی سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے صرف اسی کو ہدایت ہو سکتی ہے جو کہ اسکو صحیح طور پر سمجھتا ہو۔ رہے ناواقف لوگ سو ان کے حصہ میں تو اس کا صرف دیدار رہے کیونکہ نہ وہ اس کی خوبی سے واقف ہیں اور نہ کمال سے۔ پس اگر تم کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی خواہش ہے تو تم کو چاہیئے کہ اپنی ظلمت جہل کے زمانہ میں طلوعِ آفتاب معرفت تک ایک ایسا شخص ساتھ رکھو جو کہ ان شیطان سوز ستاروں یعنی مضامین مثنوی سے واقفیت رکھتا ہو یعنی تم کو مثنوی سے اس وقت فائدہ ہو سکتا ہے جبکہ تم کسی شیخ کامل اور محقق سے تعلق پیدا کر کے اس کی توسط سے اس سے فائدہ حاصل کرو۔ ورنہ اگر بطور خود اسکو دیکھوگے تو بجائے فائدہ کے ضرر کا

اور بجائے ہدایت کے گمراہی کا اندیشہ ہے کیونکہ گو یہ کتاب فی نفسہٖ تو ہادی ہے
اور اس کا ہر مضمون دفع شیطان کے بارہ میں ان فرشتوں کی خاصیت رکھتا ہے
جو کہ قلعہ آسمان سے شیاطین پر فقط چڑھکتے اور انہیں بذریعہ شہاب ثاقبہ کے
آگ لگاتے ہیں۔ مگر تفاوت طبائع واحوال کے سبب اس سے ناظرین ہر دو نوں قسم
کے اثر ہوتے ہیں پس بعض کو اس سے ہدایت ہوتی ہے۔ اور بعض اس سے گمراہ...
ہوتے ہیں۔ اور یہ ستارہ (مثنوی) اگر شیطان کے لیے عقرب (بچھو) کی طرح ضرر
رساں ہے۔ تو مشتری (طالبِ صادق) کے لیے ولی اقرب (نہایت مشفق) ہے
اور یہ قوس (مثنوی) اگر شیطان کو تیر سے چھید دیتی ہے تو کھیتی اور میووں کے لئے
دَلو پُر آب ہے (یعنی اہلِ فساد کے لئے مضر اور اہلِ صلاح کے لیے نافع ہے)
اور یہ حوت (مچھلی) اگر گمراہی کی کشتی توڑتی اور اسکو صدمہ پہنچاتی ہے تو دوستوں کے
لئے ثور (بیل) کی طرح کشت روحانی بھی کرتی ہے اور یہ شمس (مثنوی) اگر شب
(ظلمتِ جہل) کو اسد (شیر) کی طرح چیرتا پھاڑتا ہے۔ تو لعل (اربابِ صلاح) کو
اطلس روحانی بھی پہناتا ہے اور یہ مثنوی اگرچہ سرطان (کیکڑے) کی طرح بظاہر
کج رو ہے۔ یعنی اسکے بعض مضامین بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہیں لیکن
درحقیقت میزان (ترازو) کی طرح کجی سے الگ ہے اور اس کے تمام مضامین مطابق
شریعت حقّہ ہیں۔ اور اگر اس مریخ (مثنوی) تمام کام دشمنوں کا خون بہانا ہے خواہ
وہ منظہر عداوت ہوں جیسے منکرین یا مدعی محبت جیسے جاہل غیر محققین۔ تو وہ
شمس تبریز سے کاملین و محققین کے آگے پانی بھی بھرتی ہے۔ اور اگرچہ اس زحل
(مثنوی) کے بعض آثار نحس ہیں جیسے نااہلوں کو ضرر پہنچانا۔ مگر اس کے بعض دوسرے
آثار اہلوں کے لیے مفید بھی ہیں کہ اس سے وقت نظر اور شان تحقیق پیدا ہوتی ہے
اور میرے اس چاند (مثنوی) کی طرب انگیزی کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ جوشِ
محبت سے تالیاں بجائے تو زہرہ کی مجال نہیں ہے کہ اس کے سامنے دم مار سکے
بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ عطارد جو کہ دبیر فلک ہے شدت وجد میں اپنا گھر بھول جائے

اور جوشِ جنون سے جوزا کو درہم برہم کردے اور مشتری کے ہاتھوں میں رعشہ پڑجائے اور اس کا دل بے قرار ہوجائے اور چاند پانی پر ٹوکرے کی طرح گرپڑے اور اسکے مضامین کے عروج کی یہ حالت ہے کہ نسرِطائر شرم سے اپنے پر گرادے اور اسکی دلفریبی کی یہ کیفیت ہے کہ تنین فلک اسکی رغبت میں موم کی طرح نرم ہوجائے اور اسکے فیض کی یہ حالت ہے کہ بنات النعش بھی حاملہ ہوجائیں۔ اور اسکے مضامین کو سنکر سب اکٹھی ہوکر تالیاں بجانے لگیں۔

اچھا اب ان اشاروں کنایوں کو چھوڑو۔ اسلئے کہ وقت ناوقت ہوگیا ہے اور کہکشاں سنبلہ سے پرکاہ ہوگیا ہے یعنی راہِ فہم مقصود ان اشاروں کنایوں سے مخفی ہوگیا ہے۔ اچھا اب ہم اس بحث کو چھوڑتے ہیں۔ لیکن آخر میں اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آفتاب معرفت کوہ حجاب سے برآمد ہوگیا ہے۔ دیکھنا تم اس کا انکار نہ کرنا۔ اور اسکے انکار سے بچتے رہنا۔ لیکن اے منکرین تمہیں میرا یہ کہنا ناگوار ہوگا۔ کیونکہ تم دشمن ہو۔ اور مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ دشمن کا خواہ وہ واقع میں دشمن نہ ہو۔ بلکہ اسکی دشمنی محض خیالی ہو۔ شہد اور دودھ بھی زہر معلوم ہوتا ہے اور منہ میں ایسا ہی کڑوا معلوم ہوتا ہے جیساکہ زہر۔ گو وہ واقع میں ایسا نہیں ہوتا اور یہ کچھ دودھ اور شہد کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو جو بھی عدم سے ظاہر ہوتا ہے اس کی یہی حالت ہے کہ وہ ایک کے لیے ناگوار ہے اور دوسرے کو مرغوب۔ اور یہ اختلاف اثر اختلاف احوال اشخاص سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ جو دوست ہوتا ہے اسکو ناگوار بھی گوارا ہوتا ہے اور جو دشمن ہوتا ہے اسکو گوارا بھی ناگوار ہوتا ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو کسی چیز سے ناگواری نہ ہو تو تم حق سبحانہٗ کے دوست ہوجاؤ۔ اور اس کی مخلوقات میں اسکے خیال کا مشاہدہ کرو۔ اور اپنی خصلت بد کو چھوڑ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو زہر میں بھی شکر کا مزہ آئے گا۔ اور کوئی چیز تم کو ناگوار نہ معلوم ہوگی۔

ایسا کرنے سے روحانی ناگواری تو دور ہوتی ہے مگر بعض احوال میں اسکے جسمانی

ضرر بھی دور ہوجاتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین عمر بن الخطاب کو زہر نے اسی لئے نقصان نہیں پہنچایا کہ ان کے پاس ایسی تریاق فاروقی کی قند موجود تھی۔ اور وہ اپنے اخلاق درست کر چکے تھے اور انکو خدا اور رسولؐ کے ساتھ محبت ہوگئی تھی اور اسلئے انکو ان پر اور ان کی باتوں پر اعتماد ہوگیا تھا۔ پس تم بھی وہی تریاق فاروقی تلاش کرو۔ تاکہ تم بھی اپنے زمانہ کے فاروق ہوجاؤ۔ اور تم کو بھی زہر سے ضرر نہ پہنچے والسلام۔

فائدہ ۱۰: مولانا نے جو مضمون از صحاف مثنوی ایں پنجم رفت سے شروع کرکے گرچہ در تاثیر نحس آمد زحل پر ختم کیا ہے اس سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ مثنوی سے وہ شخص منتفع ہوسکتا ہے جو کہ خود عارف محقق ہو یا اگر خود عارف نہ ہو تو مستقیم الطبع اور صاحبِ استعداد علمی ہو۔ اور اسکو کسی شیخ سے سمجھے اور بدون ان دونوں باتوں کے مثنوی کا مطالعہ کرنا موجبِ خطرہ ہے پس لوگ آجکل سخت غلطی کرتے ہیں کہ بدون شرائط مذکورہ کے مثنوی کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ جس ان کو بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے اور یہ نقصان کئی طرح سے ہوتا ہے یا تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مطالعہ کرنے والا متبع شریعت ہوتا ہے اور اپنے قصور فہم و عدم قابلیت کے سبب مثنوی کے مضامین کو شریعت پر منطبق نہیں کرسکتا اسلئے مولانا اور مثنوی سے بدظن ہوجاتا ہے اور ان کی برکات سے محروم ہوجاتا ہے اور یا یہ صورت ہوتی ہے کہ وہ مولانا کا معتقد ہوتا ہے اور ان کو حامل اسرار شریعت سمجھتا ہے لیکن چونکہ وہ اہل نہیں ہوتا اسلئے اس کے مضامین کو غلط طور پر سمجھ جاتا ہے اور ان غلط مضامین کو جوکہ واقع میں مولانا سے تعلق نہیں رکھتے مولانا کی طرف منسوب کرتا۔ اور ان کو اسرارِ شریعت سمجھ کر۔ یا ظاہر شریعت کا انکار کرتا ہے یا اس میں تاویل کرتا ہے۔ اور بعض مرتبہ گمراہی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفسِ شریعت مصطفویہ کا بھی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ صوفیوں کے لیے کسی مذہب کی ضرورت نہیں ہے اسکی ضرورت صرف عوام کے لیے ہے اور عوام کو بھی خاص دین اسلام کی

ضرورت نہیں۔ بلکہ دین کی ضرورت صرف تہذیب اخلاق کے لیئے ہے۔ سو وہ اگر کسی اور طریقہ سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے نعوذ باللہ من فتنۃ سوء الفہم۔ ایسی حالت میں لوگوں کو مثنوی کے مطالعہ میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور اسکی مضامین کے سمجھنے کے لیے ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جو کہ جامع من الشریعت و الطریقۃ ہیں۔ ورنہ الحاد اور زندقہ کا خطرہ ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

دوم یہ کہ مثنوی کے بعض مضامین بظاہر خلاف شریعت اور گمراہی میں ڈالتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مضامین مطابق شریعت حقہ مصطفویہ ہیں ایسے مضامین جہاں کہیں مثنوی میں آئے ہیں۔ ہم نے انکی توضیح کردی ہے۔ اور توضیح میں حتی الامکان خود مولانا کے کلام سے مدد لی ہے کیونکہ ہم نے جہاں تک تتبع کیا ہے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی موقع پر مولانا اپنے کلام اجمال سے کام لیتے ہیں تو دوسرے موقع پر خود ہی اسکی تشریح فرما دیتے ہیں پس مثنوی کے مطالعہ کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اسکے تمام مضامین کو پیش نظر رکھ کر مولانا کے مقصود کو متعین کرے اور صرف ایک ہی مقام پر نظر کو مقصور نہ کرے ورنہ مغالطہ کا خطرہ ہے سوم یہ کہ مثنوی بعض کو نقصان پہنچاتی ہے بعض کو نفع۔

اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس کا نقصان اعدائے دین یا منکرین یا نا اہل معتقدین کو ہوتا ہے اور نفع ان مخلصین کو ہوتا ہے۔ جو کہ اسکی مضامین کے سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں خواہ بطور خود سمجھ سکتے ہوں یا بتوسط عارف محقق۔ پس منشا ضرر کا خود دوسروں کی ناقابلیت ہے نہ کہ مثنوی کا نقصان۔ کیونکہ وہ خود کامل اور سراسر نافع ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش سے باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔

فائدہ ۲۷ : زاں نشد فاروق را زہرے گزند الخ میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بادشاہ نے تحفہ کے طور پر زہر ہلاہل کی شیشی پہنچی تھی اور یہ کہا تھا کہ آپ اس سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس کو آپ نے یہ کہہ کر نوش فرما لیا تھا کہ نفس سے زیادہ میرا کوئی دشمن نہیں ہے اس لیے میں اسے پلاتا ہوں۔ اور اس سے آپ کو کچھ ضرر نہیں ہوا تھا اس واقعہ کی صحت کا علم نہیں ہے

لیکن اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو اس پر اوّلاً شبہ یہ ہوتا ہے کہ امیرالمومنین نے اول خودکشی کا اقدام کیا۔ اور ثانیاً یہ کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نفس کشی کی حقیقت معلوم تھی اس کا جواب یہ ہے کہ امیرالمومنین کو اس واقعہ سے قاصد پر حقیت اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ اور چونکہ آپ کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کامل وثوق تھا کہ جو چیز بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء پڑھ کر کھائی جائے گی وہ ضرر نہ پہنچائیگی اسلئے آپنے بے تکلف پی لیا۔

فائدہ ۳۳: چونکہ مولانا نے مثنوی کو ستاروں سے تشبیہ دی تھی اسلئے آپ نے اس بیان میں ایسے الفاظ سے کام لیا ہے جوکہ فلکیات اور دیگر معانی میں مستعمل ہیں۔ اور کہیں ان الفاظ سے ستارہ اور بُرج مراد لئے ہیں اور کہیں دیگر معانی۔

فائدہ ۳۴: عقرب، قوس، دلو، حوت، اسد، میزان، سنبلہ، ثور، سرطان، جوزا، بُرجوں کے نام ہیں اور شمس، مریخ، زہرہ، مشتری، قمر، عطارد، شیر، نسرطائر، بنات النعش کہکشاں، ستاروں کے۔ اور تنین سے مراد مابین عقدۂ راس و ذنب ہے واللہ اعلم)

ہذا آخر ما تیسر لنا فی حل المثنوی المعنوی افاض اللہ علینا من برکاتہ آمین والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

آخر میں یہ عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احقر نے جو کچھ حل مثنوی کے لکھا ہے وہ اُس کی ذاتی قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کا یا روحانی فیض ہے۔ اور احقر اس میں بمنزلہ ایک آلہ کے ہے لیکن اگر اس میں کسی مقام پر کوئی لغزش ہو تو اسکو میرا قصور قابلیت خیال کیا جائے۔ اور حضرت مولانا کے دامن کو اس سے پاک سمجھا جائے کیونکہ تلقی فیض میں قابلیت مستفیض کو بھی دخل ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ✤ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔

والسلام

تنبیہات برائے

کلیدِ مثنوی

(دفتر پنجم)

جس میں عسیر الفہوم مضامین کو نہایت آسان طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ اور خاص خاص اصطلاحاتِ مثنوی پر نشان دہی کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

امابعد : جبکہ بفیض ظاہری و باطنی حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی اطال اللہ بقائہم علی رؤس المسلمین مجھ نااہل کے ہاتھوں مثنوی کی چار دفتروں کی شرح کا کام تمام ہوگیا۔ تو خیال ہوا کہ اس عرصہ میں مثنوی کے متعلق جو کچھ مفید معلومات مجھے حاصل ہوئے ہیں ان میں سے جس قدر مستحضر ہوں ان کو ایک جگہ جمع کردوں۔ تاکہ مثنوی کے پڑھنے اور پڑھانے اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے کار آمد ہوں۔ واللہ الموفق وہو المستعان :

میں ان مضامین کو بعنوانِ تنبیہات ذکر کروں گا اور ان تنبیہات کو دو قسم پر منقسم کروں گا۔ قسم اول میں وہ تنبیہات ہیں جو راجع ہیں ناظر مثنوی کی طرف۔ اور قسم ثانی میں وہ تنبیہات ہیں جو راجع ہیں اسلوب بیان و معانی و مضامین مثنوی کی طرف۔

تنبیہات قسم اوّل

تنبیہ ۱ ناظرین مثنوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلیم الطبع اور صحیح العقیدہ اور صاحبِ استعداد علمی ہوں۔ جسمیں بقدر ضرورت معقول بھی دخل ہے اور زبانِ فارسی اور علمِ دین سے کافی واقفیت اور مذاق سخن رکھتے ہوں۔ اور علم تصوف میں اگر ماہر نہ ہوں تو کم از کم اس سے مناسبت ضرور رکھتے ہوں۔ اور اگر خود محقق نہ ہوں تو کسی محقق کی صحبت میں ایک معتدبہ مدت تک رہ کر اس سے مستفید ہوئے ہوں اور اگر صاحب حال بھی ہوں تو نور علیٰ نور ہے کیونکہ مثنوی کے مضامین کو صاحب حال ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور غیر صاحبِ حال اس قدر نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ بعض مقام پر اس کے گمراہ ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اِلّا اَن یَعصِمَہُ اللہ۔ چنانچہ مولانا دفتر پنجم ۵ میں فرماتے ہیں ؎

اندریں بحث از خرد رہ بیں بدی ❊ فخر رازی راز دار دین بدے

لیک چوں من لم یذق لم یدراو ❊ عقل و تخییلات او حیرت فزود
کے شود کشف از تفکر ایں انا ❊ این انا مکشوف شد بعد الفنا
می فتد ایں عقلہا در افتقاد ❊ در مغاکے و حلول و اتحاد

نیز فرماتے ہیں ؎

از صحاف مثنوی ایں پنجم است ❊ در بروج چرخ جاں چوں انجم است
رہ نیابد از ستارہ ہر حواس ❊ خبر کہ کشتی باں استارہ شناس
جز نظارہ نیست قسم دیگراں ❊ از سعودش غافل اند واز قرآں
آشنائی گیر شبہا تا بروز ❊ با چنیں استارہ لے دیو سوز۔ الخ

تنبیہ۲:

یعنی مثنوی کے بعض مضامین گو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتے ہیں مگر وہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ پس ناظرین کو چاہیئے کہ ایسے مضامین کو دیکھ کر نہ مولانا پر مخالفت شریعت کا طعن کریں اور نہ اُن کی ظاہری گمراہی میں مبتلا ہوں بلکہ ایسے مضامین کے متعلق انکو چاہیئے کہ خود مثنوی میں اُن کی تفسیر اور تشریح تلاش کریں اغلب ہے، کہ انکو اس کی تشریح خود مثنوی میں مل جائے گی۔ کیونکہ جہاں تک ہم نے تتبع کیا ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گو مولانا غلبہ حال اور حالت سکر میں ایسے مضامین بیان کر جاتے ہیں جو بظاہر خلاف شریعت ہیں مگر دوسرے مقام پر ان کی توضیح فرما دیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو مثنوی میں اس کی توضیح نہ ملے تو اپنے زمانہ کے محققین سے اسکی تفسیر دریافت کر لے۔ یا محققین کے شروح و حواشی سے اس مقام کو حل کر لے

تنبیہ۳ مثنوی میں مولانا بعض ایسے مضامین بیان فرمائے ہیں جو فحش ہوتے ہیں مگر ان سے فحش گوئی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود ہدایت ہوتی ہے و سیاق تفصیلہ پس کسی کو مولانا پر فحش گوئی کا شبہ نہ ہونا چاہیئے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ❊ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
آں یکے شیرے کہ جاں می پرورد ❊ وآں دگر شیریکہ مردم می رود
اے توگشتہ صبح کاذب را بین صبح صادق را تو کاذب ہم مبین

تنبیہات قسمِ ثانی

تنبیہ ۱ — مولانا کے کلام میں بعض مقام پر بندش و ترکیب کلام خلاف بندش و ترکیب متعارف واقع ہوتی ہے۔ مثلاً

وہ صیغہ صفت کو کبھی بمعنی مصدر استعمال کرتے ہیں۔ اور خوارمند، ساحر ناک، منکر ناک، نقاش گر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

کودکاں خانہ دمش می کشند ❊ باشد اندر دست طفلاں خوارمند

اور فرماتے ہیں ؎

حی و قائم داند او آں خاک را ❊ خوش نگر ایں عشق ساحر ناک را

وغیرہ وغیرہ —— اور کبھی وہ پیشؑ کا قافیہ زیر سے اور زبر کا زیر سے کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہیں ز گنج رحمت بے مر بدہ ❊ در کف تو خاک گردد زر بدہ

نیز فرماتے ہیں ؎

ہر کسے را ہست امیدے برے ❊ کہ کشادندش دراں روزے درے

اس شعر میں لفظ "برِی" مرکب ہے بائے ظرفیہ اور لفظ "رے" بفتح را سے جو کہ نام ہے شہر کا۔ اور کبھی روابط مثل از دو در و بر و بائے ظرفیہ درست وغیرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں ؏
باکنیزک خلوتش بگذاشتی۔ ای بخلوتش یا در خلوتش
نیز فرماتے ہیں
"او مذلت خواست کے عزت تنم" ای عزت

نیز فرماتے ہیں ؎ ع

"عشق و سودا چونکہ بر بودش بدن" ای از عشق و سودا۔

اور کبھی حق سبحانہ، کا یا کسی اور کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور گفت وغیرہ کو محذوف فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پیش با فرج و گلو باشد خیال ٭ لاجرم بر دم نماید جان جمال

ہر کرا فرج و گلو آئین و خوست ٭ اِنّ لکم دینٌ وَلِیَ دین بہر اوست

با چناں انکار کوتہ کن سخن ٭ احمدا کم گوئی با گبر کہن ؎

شعر ثالث کے شروع میں گفت خدا برائے رسولِ خود مقدر ہے اور نیز فرماتے ہیں

پرس پرساں کیں موذن گو کجاست ٭ کہ صلاد بانگ او راحت فزاست

ہین چہ راحت بود زاں آواز زشت ٭ کو فتا داز وے بناگہ در کنشت

دختری دارم لطف و بس سنے ٭ آرزو می بود او را مومنی اھ

ان اشعار میں شعر ثانی کے شروع میں "مرد ماں پر سیدند" مقدر ہے اور شعر ثالث کے شروع میں او جواب داد مُقدر ہے

اور بعض مقام پر بقرینہ مقام دوسری عبارتوں کو محذوف فرما دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ آں معنی ست ایں نقش اے پسر ٭ تا بفہم تو بود نزدیک تر۔

تقدیر عبارت یوں ہے گرچہ آں معنی است وین نقش اے پسر۔ لہٰذا ایں نظیر آں نمے تواند شد لیکن با ایں ہمہ من ایں مثال را آوردہ ام تا بفہم تو بود نزدیک تر

اور کبھی وہ "را" کو زائد استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گر نبودے بہر عشق پاک را ٭ کے وجودے دادے افلاک را

نیز فرماتے ہیں ؎

گفت طوطی حمد للہ را کہ من ٭ بد نیسندیشیدہ ام با تو بفن

اور کبھی وہ ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ جس کے ایک معنی معروف ہیں اور دوسرے

معنی غیر معروف اور وہ ان سے معانی غیر معروفہ مراد لیتے ہیں۔

جیسے پایاں بمعنی پایندہ غیر معروف ہے اور بمعنی انتہا و حد۔ معروف۔ مگر وہ فرماتے ہیں ؎

نور حس و جان ناپایاں ما۔ ❊ نیست کلی فانی و لا چوں گیا

اس جگہ ان کی مراد ناپایاں سے ناپائدار ہے نہ کہ بے حد۔ علی ہذا بعض نسخوں میں شعر مذکور میں .... بجائے ناپایاں کے بے پایاں ہے اور بے پایاں کے معروف معنی بے حد ہیں مگر اُن کی مراد اس سے ناپائدار ہے اور انہوں نے "بے" کو بمعنی "نا" استعمال فرمایا ہے جیساکہ اس شعر میں ؎

دختراں را معیت مردہ دہند ❊ کہ زلعب کودکاں بے آگہہ اند

اور از پے کے معنی معروف از جہت ہیں مگر انہوں نے اپنے قول ؎

گر نباشد صدر رنج دگر ❊ از پے ہیضہ برآود از تو سر۔

میں اس سے معنی از عقب ہیضہ مُراد لئے ہیں اور کبھی وہ شب در اور روز در وغیرہ تراکیب استعمال کرتے ہیں ایسی تراکیب میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ بائے ظرفیہ محذوف ہو اور در زائد۔ اور اصل میں بشب در وغیرہ ہو۔ اور دوم یہ کہ مجرور جار پر مقدم ہو یہ نظائر بطور نمونہ کے ہیں پس ناظر مثنوی کو چاہیئے کہ حل ابیات میں فہم سلیم سے کام لے اور چستی بندش کی خاطر حسنہ الة معنی کو ہاتھ سے نہ دے۔

تنبیہ ۲

کبھی مولانا ترتیب مضمون کو بدل دیتے ہیں اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

چوں ضیاء الحق حسام الدین عنان
باز گردانید زاوج آسمان

چوں بمعراج حقائق رفتہ بود ❊ بے بہارش غنچہ نشگفتہ بود
چوں ز دریا سوئے ساحل بازگشت ❊ چنگ شعر مثنوی با ساز گشت

ان اشعار میں مضمون شعر اوّل شعر ثانی سے موخر اور شعر ثالث سے مقدم ہے

تنبیہ ۳: کبھی مولانا اپنے سیاق کلام کو بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

گفت روزے شاہ محمود غنی ✤ آں شہ غزنی و سلطان سنی

اس کا مقتضا یہ تھا کہ آئندہ وہ مقولہ بیان فرماتے مگر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا۔ شاہ روزے جانب ایوان شتافت ✤ جملہ ارکاں را درآں ایواں بیافت

گوہرے بیروں کشید او مستنیر ✤ پس نہادش زود در کف وزیر

گفت چونست و چہ ارزد ایں گہر الخ

پس یہاں انہوں نے سیاق اوّل کو چھوڑ کر دوسرا سیاق اختیار فرمایا ہے۔

تنبیہ ۴: مولانا کی عادت ہے کہ وہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کبھی اس انتقال پر تنبیہ فرماتے ہیں اور کبھی تنبیہ نہیں فرماتے پھر جب انتقال پر تنبیہ فرماتے ہیں تو کبھی فوراً ہی انتقال فرماتے ہیں اور کبھی کوئی اور مضمون بیان فرمانے لگتے ہیں اور اس سے فارغ ہو کر مضمون ثانی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

چنانچہ دفتر سوم میں فرماتے ہیں ؎

شمع مریم واللیل افروختہ ✤ کہ بخارا میرود آں سوختہ

سخت بے صبر و در آتش داں تیز ✤ او سوئے صدر احسان کن می گریز

ایں بخارا منبع دانش بود ✤ پس بخارا ئیست ہر کانش بود

پیش شیخے در بخارا اندری ✤ تا بخواری در بخارا ننگری

جز بخواری در بخارائے دلش ✤ راہ ندہد جزر و مد مشکلش

اے خنک آں را کہ ذلت نفسہ ✤ وائے آنکس را کہ میرد ی رنفسہ فرقت صدر جہان در جہان او الخ

نیز کبھی وہ انتقال کی مناسبت سے ہوتا ہے اور کبھی بلا مناسبت۔ چنانچہ... فرماتے ہیں ؎

پیش ازاں کایں قصہ تا مخلص رسد ✤ دود و گندے آمد از اہل حسد الخ

نیز فرماتے ہیں ؎ اے سگ طاعن تو عو عو می کنی الخ وغیرہ وغیرہ۔

تنبیہ ۵: عام کتابوں کا قاعدہ ہے کہ ایک سُرخی سے دوسری سرخی تک ایک مضمون ہوتا ہے اور دوسری سُرخی سے دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے لیکن مثنوی میں یہ طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ مولانا کا کلام مصنفین کے طرز پر نہیں ہے۔ جو کہ ہر ہر مبحث کو جدا جدا اور مرتب طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور ہر ہر مبحث کے لئے ایک ایک سرخی قائم کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا بیان واعظانہ ہے۔ جس میں جذبے رنگ کی آمیزش ہے۔ پس وہ ایک مضمون شروع کرتے ہیں پھر اس سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اس سے تیسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ وہکذا الیٰ ماشاء اللہ! اس کے بعد کسی مضمون سابق کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اور کبھی مضمون سابق بالکل چھوٹ جاتا ہے۔ اس طرح ایک مضمون کے ضمن میں بہت سے انتقالات۔ اور مضامین مختلفہ آجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض انتقالات یا مضامین پر سُرخی ہوتی ہے اور بعض پر سُرخی نہیں ہوتی۔ پس سُرخیوں کو دیکھ کر یہ رائے قائم نہ کرلینی چاہیئے کہ مضمون سابق ختم ہو چکا۔ اور اب جو کچھ اس سُرخی کے تحت میں مذکور ہوگا وہ اسی سرخی سے متعلق ہوگا۔

کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرخی ایک مسلسل مضمون کے درمیان میں واقع ہو جاتی ہے جیسے سرخی "بازوکم پیرزن۔ کہ درخانۂ او بود۔ واقعہ دفتر چہارم۔ آسیہ امرأۃ فرعون کی مسلسل گفتگو کے درمیان واقع ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرخی کے بعد مضمون سرخی بیان فرماتے ہیں۔ اور اس سے فارغ ہو کر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور اس عود کے لیے کوئی سرخی نہیں قائم کرتے۔ دیکھو قصۂ ایاز واقعہ دفتر پنجم وغیرہ۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک سرخی قائم کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مضمون سُرخی بیان کریں۔ لیکن پھر کوئی اور مضمون ذہن میں آجاتا ہے اور اسے بیان کرنے لگتے ہیں اور مضمون سرخی بالکل چھوٹ جاتی ہے مثلاً دفتر چہارم میں مولانا نے تجاذب جذب وانجذاب اشیاء کا بیان فرمایا۔ اور جبکہ اس شعر تک پہنچے ؎

آدمی را شیر از سینہ رسد ❊ شیر خر از نیم زیرینہ رسد

تو چاہا کہ اس مقام پر غذائے اہل اللہ کا بیان فرمائیں۔ اسلئے انہوں نے سرخی قائم کی "بیان آنکہ عارف را غذا ئیست از نور حق" الخ اسکے بعد ان کو خیال ہوا کہ آدمی شیر از سینہ رسد الخ سے جو شبہ جور حق سبحانہ کا ہوتا ہے اسکو دفع کر دیا جائے اسکے بعد اس مضمون کو بیان کیا جائے اسلئے انہوں نے سرخی کے بعد فرمایا عدل قسام ست و قسمت کردنی ست۔ جب اس مضمون کو ختم کر چکے تو باقی گفتگو کو روز آئندہ پر رکھا۔ اور فرمایا روز آخر شد سبق فردا بود الخ لگلے دن اس سرخی کا خیال نہ رہا۔ اور اس کا مضمون بالکل چھوٹ گیا۔

تنبیہ ۶: مثنوی میں جو سرخیاں واقع ہیں ان کی نسبت قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا ہی کی قائم کی ہوئی ہیں۔ ہاں بعض سرخیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سرخیاں مولانا کی قائم کی ہوئی ہیں۔ جیساکہ سرخی مذکورہ بالا یعنی بیان آنکہ عارف را غذا نیست از نور حق الخ اور سرخی حکایت لوطی و مخنث مذکورہ بالا جو کہ دفتر پنجم میں واقع ہے جس میں یہ شعر بھی ہے ؎

بیت من بیت نیست اقلیم ست ؛ ہزل من ہزل نیست تعلیم ست

مگر بشرطیکہ یہ شعر مولانا ہی کا ہو ؎

تنبیہ ۷: خواہ سرخیاں مولانا کی قائم کی ہوں یا کسی اور نے ہر حالت میں اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ سرخی کی بنا پر مضمون ذیل سرخی کو توڑا مروڑا نہ جائے بلکہ اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ گویا کہ سرخی ہی نہیں اسلئے کہ سرخیاں مثنوی میں مختلف قسم کی ہیں بعض تو ایسے ہیں جو کہ مضمون کے ساتھ یوں مطابق ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجمال ہیں اور مضمون ذیل اسکی تفصیل۔ اور بعض سرخیاں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مضمون کے نتائج قریبہ اور بعیدہ ہیں۔

نیز مضمون سرخی کو وہاں سے شروع سمجھنا چاہیئے جہاں سے اس کا شروع ہونا مناسب ہو۔ کیونکہ ناسخین کی بداحتیاطیوں سے بعض سرخیاں اپنے مقام سے ہٹ گئی ہیں۔ چنانچہ دفتر پنجم مطبوعہ محمود المطابع صفحہ ۲۴۴ پر جو سرخی "رسیدن گوہر از دست بدست آخر دور بایاز الخ واقع ہے اس کا مضمون ؎ ہمچنیں در دور گرداں شد گہر الخ سے شروع

ہوا ہے۔ لیکن سرخی مذکور تین شعر بعد قائم کی گئی ہے۔

تنبیہ ۸ مولانا کے کلام میں جس قدر نظم کے متعلق بے ترتیبیاں ہیں۔ یا اُن کے کلام میں جو مضامین بظاہر خلاف شریعت ہیں۔ ان کا منشاء غلبۂ عشق و فکر اور مضامین کی آمد اور ان کا ہجوم اور بیان کی بے ساختگی ہے۔
چنانچہ خود مولانا ان امور کی تصریح فرماتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

بیں سہ ہر ماہ سہ روز اے صنم ٭ بے گمان باید کہ دیوانہ شوم
ہیں کہ امروز اوّل سہ روزہ است ٭ روز پیروزی ست نے پیروزہ است
ہر دلے کاندر غم شاہی بود ٭ دمبدم او را سر ماہے بود۔

کیف یاتی النظم لی والقافیہ بعد ما ضاعت اصول العافیہ۔ ما جنون واحدلی فی الشجون بل جنون فی جنون فی جنون۔ الی غیر ذالک من التصریحات۔

تنبیہ ۹: مولانا اواخر مصاریع میں الفاظ بضرورت قافیہ بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ای عمو اے پدر، اے پسر۔ اے غفل وغیرہ۔ ایسے الفاظ کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ اسی بنا پر ہم نے اپنی شرح میں ان الفاظ کی پرواہ نہیں کی ہے۔

تنبیہ ۱۰: مولانا اپنے کلام میں تشبیہات وتمثیلات کا بکثرت استعمال کرتے ہیں اور کبھی وہ تشبیہات وتمثیلات مشبہ بہ وممثل لہٗ پر پورے طور پر منطبق نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یا تو محض تقریب فہم ہوتی ہے یا جوشِ عشق۔
چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ای بروں از وہم وقال وقیل من ٭ خاک بر فرق من وتمثیل من
بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ٭ ہر زماں گوید کہ جانم نوشت
ہمچوں آں چوپاں کہ میگفت اے خدا ٭ پیش چوپاں محب خود بیا۔

نیز فرماتے ہیں۔ ؎

گرچہ آں معنی ست ویں نفس اے پسر ٭ تا بفہم تو بود نزدیک تر
الی غیر ذالک من التصریحات۔

تنبیہ ۱۱: مثنوی میں مولانا کے بعض بیانات حدِ فحش تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان سے ان کا مقصود وہ عمدہ نتائج ہوتے ہیں جو ان سے پیدا ہوتے ہیں نہ کہ صورت مضمون۔ چنانچہ دفتر چہارم میں بذیل سُرخی حکایت آں زن پلید کہ شوہر را گفت کہ ایں خیالات از سر اود ربن می نماید چشم آدمی را۔ از سر اود ربُن فرود آ۔ تا آں خیالات برود الخ فرماتے ہیں ؎

ہزل تعلیم ست آں راجد شنو ⁂ تو مشو برظاہر ہزلش گرو

ہر جدے ہزلست پیش ہازلاں ⁂ ہزلہا جد است پیش عاقلاں

اور دفتر پنجم حکایت لوطی و مخنث کی سرخی میں فرماتے ہیں۔

حکایت آں مخنث و پرسیدن لوطی از و در حالت لواطت کہ ایں خنجر از بہر چیست۔ گفت از بہر آنکہ ہر کہ باایں بد اندیشد اشکمش بشگافم لوطی بر سر او آمد و شد می کرد و می گفت الحمدللہ کہ من با تو بد نمی اندیشم ؎

بیت من بیت نیست اقلیم ست ⁂ ہزل من ہزل نیست تعلیم ست

قولہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ای فما فوقھا فی تغیر النفوس بالانکارات۔ ماذا اراد اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا۔ و آنکہ جواب میفرماید کہ ایں خواستم۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا کہ ہر فتنہ ہمچو میزان ست کہ بسیار از وسرخرو شوند وبسیاراں بے مراد ..... ولو تاملت فیہ قلیلا۔ لوجدت من نتائجہ الشریفۃ کثیرا انتہی۔

تنبیہ ۱۲: مولانا قصہ نوح واقعہ دفتر پنجم میں فرماتے ہیں ؎

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت ⁂ کار آں مسکیں بآخر خوب گشت

کاں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ⁂ فانی ست او گفت او گفت خداست

اور اس قسم کے مضامین مثنوی میں اور مقامات پر بھی ہیں۔ ایسے مضامین سے جہلاء اور غلاۃ کو بہت بڑا دھوکا ہوتا ہے اور وہ ایسے مضامین سے مختلف قسم کی

گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں مثلاً بعض تو اہل اللہ کو خدا سمجھ جاتے ہیں اور اس بنا پر اُن کے لیے خواص الوہیت مثلاً علم غیب محیط۔ عموم قدرت وتصرف کیف ماشاؤا وغیرہ وغیرہ ثابت کرتے ہیں۔

اور بعض انکو معصوم اور قید شرع سے آزاد سمجھ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسلئے ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی حقیقت واضح کردی جائے تاکہ لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں ـــــ سو واضح ہو کہ اتحاد اہل اللہ مع الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ حقیقتاً خدا ہو جاتے ہیں یا خدا ان میں حلول کر جاتا ہے نعوذ باللہ منہ،

بلکہ مولانا کی مراد صرف توافق فی اکثر الامور ہوتا ہے جیسے روزمرہ کی بول چال میں اتحاد کہتے ہیں مثلاً دو شخصوں میں دوستی بہت بڑھ جاتی ہے تو ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں دو تھوڑا ہی ہیں۔ علی ہٰذا۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں دو تھوڑا ہی ہیں وہ تو دونوں ایک ہی ہیں۔ حالانکہ وہاں یقیناً ایسا اتحاد نہیں ہوتا جیساکہ گمراہ لوگ اہل اللہ اور خدا کے درمیان سمجھتے ہیں۔

اور یہ حقیقت اتحاد مولانا کے مجموعی کلام سے اس قدر واضح ہے کہ منصف کو اس میں اصلاً شبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ وہ خود اہل اللہ سے لغزشوں کا صدور اور ان پر حق سبحانہٗ کی تنبیہ نقل فرماتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ٭ شد فراق صدر جنت طوق نفس

اور حضرت موسےٰ علیہ السلام پر حق سبحانہٗ کی تنبیہ ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں ؎

وحی آمد سوئے از خدا۔ ٭ بندہ ما را چرا کردی جدا۔

تو برائے وصل کردن آمدی ٭ نے برائے فصل کردن آمدی

اور دفتر چہارم قصہ بنائے مسجد اقصیٰ میں فرماتے ہیں ؎

چوں در آمد عزم داؤدے بہ تنگ ٭ کہ بسازد مسجد اقصیٰ بہ سنگ

وحی کردش حق کہ ترک ایں بخواں ٭ کہ ز دستت بر نیاید ایں مکان

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں ٭ مسجد اقصیٰ بر آرے اے گزیں

گفت جرمم چیست اے املائے راز ∴ کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز

گفت سبلے جرمی تو خونہا کردہٗ ∴ خون مظلوماں بگردن بردہٗ۔

کز آواز تو خلقے بے شمار ∴ جان بداد و بندو شدند آنرا شکار

خون بسے رفتست بر آواز تو ∴ بر صدرے خوب جاں پرداز تو

گفت مغلوب تو بودم مست تو ∴ دست من بر بستہ بود از دست تو

نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود ∴ نے کہ المغلوب کالمعدوم بود

گفت اے مغلوب معدومیت کو ∴ جز بہ نسبت نیست معدوم القتوا

ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت ∴ بقرین ہستیہا افتاد و رفت

او بہ نسبت با صفات حق فناست ∴ در حقیقت در فنا او را بقاست الخ

الیٰ غیر ذلک من التصریحات۔

یہ واقعات اور اس قسم کے اور واقعات جو اہل اللہ کے خود مثنوی میں منقول ہیں صاف صاف ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی رتبہ کا ہو نہ خدا ہو سکتا ہے اور نہ اس کے لیے خواص الوہیت ۔ مثل علم محیط کاملہ و قدرت وتصرف واختیار کامل و شامل ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ خدا پر ان کا قبضہ ہو سکتا ہے کہ وہ جو چاہیں اس سے کام لیں۔ اور نہ اس کے تمام کام خدا کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں بلکہ بعض امور میں ان سے لغزش ہو جاتی ہے جس پر حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کو مناسب تنبیہ ہوتی ہے پس وہ محکوم ہوتے ہیں اور خدا ان پر حاکم۔ اور وہ بندہ ہوتے ہیں۔ اور خدا ان کا خدا۔ اور وہ شرائط تکلیف کے پائے جانے کی حالت میں کسی وقت میں بھی حد تکلیف سے خارج نہیں ہوتے بلکہ وہ عوام سے زیادہ مکلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے ایسی باتوں پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے جن پر عوام سے مؤاخذہ نہیں ہوتا جیساکہ واقعات منقولہ سے ظاہر ہے۔

تنبیہ ۱۳: مولانا حق سبحانہٗ کے لیے لفظ عشق کا استعمال کرتے ہیں مگر عوام کو ان کی تقلید نہ چاہیئے اور حق سبحانہٗ کے لئے اس لفظ کا استعمال نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ اس لفظ کو بالمعنی المعروف حق سبحانہٗ کے لیے استعمال کریں جیساکہ ان کی حالت سے

ظاہر ہے۔ تو اس لفظ کا استعمال حق سبحانہٗ کے لئے کفر ہے اسلئے کہ عشق بمعنی معروف قسم ہے جنون کی اور مستلزم ہے اضطرار اور اضطراب کو۔ تعلی اللّٰہ عن ذالک عُلُوًّا کَبِیْرًا ہ اور اگر بمعنی مطلق محبت استعمال کریں جیسا کہ مولانا کرتے ہیں تب بھی ان کو ایسا نہ چاہیئے کیونکہ یہ لفظ موہم سوءِ ادب اور ناواقفوں کو مغالطہ میں ڈالنے والا ہے اور ایسے معاملات میں عوام کو خواص کی تقلید جائز نہیں۔

چنانچہ مولانا نے دفتر پنجم میں غلامان عمید خراسانی کے قصہ میں ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور کہا ہے ؎

آں یکے گستاخ او اندر ہرے ٭ چوں بدیدی او غلام مہترے
جامۂ اطلس کمر زریں رواں ٭ روئے کردی سوئے قبلہ آسماں
کاے خدا زیں خواجہ صاحب منن ٭ چوں بنا موزی تو بندہ داشتن
بندہ پروردن بیاموز اے خدا ٭ زیں رئیس و اختیار شہر ما
بود محتاج و برہنہ بے نوا ٭ در زمستاں لرز لرزاں از ہوا
انبساطے کرد آں از خود بری ٭ جرأتے بنمود او از لمتری
اعتمادش بر ہزاراں موہبت ٭ کہ ندیم حق شد اہلِ معرفت
گر ندیم شاہ گستاخی کند ٭ تو مکن چوں تو نداری آں سند

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جاہل صوفی جو بے تکلف ان شطحیات کو زباں پر لاتے ہیں جو اہل اللہ سے غلبہ سکر میں یا اور کسی وجہ سے صادر ہو گئی ہیں ان کو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور ان پر صرف علماء ظاہر ہی انکار نہیں کرتے بلکہ خود صوفیاء کرام بھی انکار کرتے ہیں۔ اور ان کو ایسا کرنے کی ممانعت کرتے ہیں۔

تنبیہ ۱۴: مولانا کی عادت ہے کہ کسی ایک مضمون کو مختلف عنوانوں سے بیان فرماتے ہیں اور کبھی ایک عنوان سے مختلف معنون کو تعبیر فرماتے ہیں۔ بعض جگہ اس دقیقہ پر اطلاع نہ ہونے کے سبب حل مطلب میں دقت پیش آتی ہے مثلاً کبھی وہ عقل کل سے مراد شیخ لیتے ہیں اور کبھی حق سبحانہٗ اور کبھی عقلِ معاد اور کبھی عقل معاش اہلِ

کامل۔ اور لوگوں کو اختلاف معنوں پر اطلاع نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں:۔

تنبیہ ۱۵: مولانا کے بعض اطلاقات کسی اور اہلِ تصوف کے خلاف ہوتے ہیں مگر ناظرین ان کو مصطلح اہلِ تصوف پر محمول کرکے دھوکا کھاتے ہیں مثلاً وہ عقلِ کل یا عقل کلی سے معانی مذکورہ بالا مراد لیتے ہیں اور محشین ان کی شرح میں فتوحاتِ مکیہ کی ورق گردانی کرتے ہیں اور دھوکا کھاتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا وہ عین الیقین کو حق الیقین کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ناظرین کو اسکی معنی معروف کا دھوکا ہوتا ہے۔

تنبیہ ۱۶: مولانا کبھی جسم بولتے ہیں اور اس سے مراد ان کی معنیٰ معروف ہوتے ہیں اور کبھی وہ جسم بولتے ہیں اور مراد ان کی نفس ہوتا ہے چنانچہ جب وہ جسم کا روح ہونا یا روح کا جسم ہونا بیان کرتے ہیں تو ان کی مراد غلبہ صفات روح بر نفس یا غلبۂ صفات نفس پر روح ہوتا ہے۔

تنبیہ ۱۷: جب مولانا کبھی مضمون کی تائید کسی حکایت وغیرہ سے کرتے ہیں تو اس سے کبھی اور نتائج بھی نکالتے ہیں اس لیے ایسی حکایات وغیرہ کو ایک اعتبار سے ماقبل سے تعلق ہوتا ہے اور دوسری جہت سے مابعد سے اور وہ حکایات وغیرہ من وجہ اصل ہوتی ہیں۔ اور من وجہ تابع۔

تنبیہ ۱۸: کبھی مولانا بعض معاملات مثل معاملہ اہل اللہ با حق سبحانہ، و معاملہ اہلِ دنیا یا اہل اللہ کو صراحتاً بیان فرماتے ہیں۔ اور کبھی کسی قصہ وغیرہ کے پردہ میں۔ جب کسی پردہ میں بیان کرتے ہیں تو کبھی وہ قصہ وغیرہ کو بیان کرکے اپنے مدعا کی تصریح کر دیتے ہیں۔ اور کبھی خود قصہ وغیرہ ہی میں ایسے الفاظ داخل کر دیتے ہیں جو مقصود کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس مضمون میں بعض الفاظ تو ایسے استعمال کرتے ہیں جو صورت قصہ کے مناسب ہیں۔ اور بعض الفاظ ایسے لاتے ہیں جو مقصود قصہ کے موافق ہیں۔

دیکھو! قصہ گرفتار شدن باز میان چغداں واقعہ دفتر دوم و قصہ باز و پیرزن

واقعۂ دفتر چہارم و قصۂ ایاز واقعہ دفتر پنجم وغیرہ - جو لوگ اس دقیقہ سے آگاہ نہیں ہوتے - ان کو حلِ ابیات میں وقت پیش آتی ہے اور وہ مختلف قسم اوہام میں گرفتار ہو جاتے ہیں -

تنبیہ ۱۹: مولانا اپنی مثنوی میں روایات و واقعات ضعیفہ یا غیر ثابتہ کا بھی ذکر کرتے ہیں - مگر ان کا ذکر کبھی مدعا کے اثبات کے لیے نہیں ہوتا - اسلئے کہ اصل مدعا دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے - بلکہ ان سے اس کو بنا بر احتمال امکان وقوع محض تائید مقصود ہوتی ہے اور چونکہ ان کا اصل مقصود ان واقعات و روایات کی صحت پر موقوف نہیں ہوتا اسلئے وہ ان میں تنقید و تحقیق محدثانہ سے کام نہیں لیتے - بلکہ بنا بر احتمال مذکور ان کو ذکر فرما دیتے ہیں -

چنانچہ انہوں نے دفتر دوم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے شکم مادر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شکم مادر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنے کے واقعہ پر طاعنین کا اعتراض نقل فرما کر اس کا جو جواب دیا ہے اس سے یہ مضمون صاف طور پر ظاہر ہے -

حاصل شبہ یہ ہے کہ یہ قصہ غلط ہے تم کو اسی مثنوی میں درج نہ کرنا چاہیئے اور حاصل جواب یہ کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے اسلئے قطعی طور پر اسکے غلط ہونے کا دعوےٰ صحیح نہیں اور اگر غلط بھی ہو تو ہم کو صورت واقعہ مقصود نہیں بلکہ مقصود مقصود ہے اور وہ صحیح ہے عبارت اشکال یہ ہے ؎

ابلہاں گویند ایں افسانہ را ؁ خط بکش زیرا دروغ ست و خطا
زانکہ مریم وقت وضع حمل خویش ؁ بود از بیگانہ دور و ہم زخویش
مریم اندر حمل جفت کس نہ شد ؁ از برون شہر او واپس نہ شد
مادر یحییٰ کجا دیدش کہ تا ؁ گوید او را در سخن ایں ماجرا

اور عبارت جواب یہ ؎

ایں بداند کانکہ اہل خاطرست ؁ غائب آفاق او را حاضرست

پیش مریم خاطر آید در نظر ÷ مادر یحییٰ کہ دور ست از بصر
دیدہا بستہ بہ بند دوست را ÷ چوں شبک کردہ باشد پوست را
در ندید ش نز برون ونز برون ÷ از حکایت گیر معنی اے زبون

الی آخرہ ما قال رضی اللہ عنہ۔

تنبیہ ۲۰ مولانا جب کسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں تو اسکو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ ان میں بعض استدلالات بُرہانی اور مفید یقین ہوتے ہیں اور بعض خطابی مفید ظن اور بعض شعری جو محض تقویت تاثیر وعظ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بس مولانا کے ہر استدلال میں دقت فلسفیہ کو دخل نہ دینا چاہیئے

تنبیہ ۲۱: مولانا کے کلام میں کہیں عموم واستغراق حقیقی مراد ہوتا ہے اور کہیں عُرفی اور کہیں عموم واستغراق سے محض کثرت مراد ہوتی ہے پس ہر جگہ مولانا کی تعمیم ظاہری کو استغراق حقیقی پر محمول کرکے دھوکا نہ کھانا چاہیئے اور ان کی بعض تعمیمات ظاہری اہل اللہ کے احاطہ علم اور عموم قدرت اور عصمت غیر معصومین وغیرہ کا شبہ نہ ہونا چاہیئے

تنبیہ ۲۲: مثنوی میں مولانا نے علوم معاملہ و ما یتعلق بہا بیان فرمائے ہیں اور جس مسئلہ کو علوم معاملہ سے کچھ بھی تعلق نہ تھا انہوں نے اسکو بیان نہیں فرمایا۔ اسی بنا پر مولانا نے مسئلہ وحدۃ الوجود بالمعنی المعروف عند الصوفیاً سے نفیاً یا اثباتاً تعرض نہیں فرمایا۔ اور جن اشعار کو وحدۃ الوجود پر محمول کیا جاتا ہے احقر کے نزدیک ان کا محمل دوسرا ہے مثلاً مولانا دفتر اوّل میں کہتے ہیں ؎

جملہ معشوق است عاشق پردہٗ ÷ زندہ معشوق است وعاشق مردہٗ

احقر کی رائے میں یہ مسئلہ فنا وبقا کا بیان ہے نہ کہ وحدۃ الوجود بالمعنی المعروف کا اور مولانا نے جو ارشاد فرمایا ہے چونکہ بیرنگے اسیر رنگ شد۔ موسے با موسے در جنگ شد

چوں بہ بیرنگے رسی کاں داشتی ÷ موسیٰ و فرعون دارند آشتی

ان کا مطلب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جب روح پر فی الجملہ صفات نفسانیہ کا

غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت اہل حق میں بھی ایک حد تک تنازع و تخالف پیدا ہو جاتا ہے
اور جب کسی پر بعد فنائے صفات نفسانیہ صفات روحانیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی
حالت حالت اصلیہ کی طرف عود کر آتی ہے تو پھر اہل حق اور اہل باطل سے بھی اتفاق و اتحاد
ہو جاتا ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس کو مولانا نے دفتر چہارم میں یوں بیان فرمایا ہے

؎ جان حیوانی ندارد اتحاد ❊ تو مجو ایں اتحاد از روح باد
چوں نماند جانہا را قاعدہ ❊ مومناں باشند نفس واحدہ

پس اس وقت ان اشعار کو وحدۃ الوجود بالمعنی المتعارف سے کوئی تعلق نہ ہوگا
واللہ اعلم بالصواب :

تنبیہ ۲۳: مولانا کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ وہ ایک واقعہ ماضیہ بیان کرتے ہیں لیکن
بنا پر استحضار اس کو فی الحال واقع مان کر گفتگو کرتے ہیں چنانچہ
دفتر پنجم میں ایک زاہد اور ایک شراب خور امیر کا قصہ بیان فرماتے ہیں جو کہ زمانہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام میں واقع ہوا تھا۔
مگر بنا بر استحضار مولانا امیر سے زاہد کی سفارش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

؎ عفو کن اے میر بر سختی او ❊ در نگر در درد و بدبختی او۔ الخ

محشیں نے تو اسکو رجوع بقصہ قرار دیا ہے مگر ہم کو بقرینہ سیاق و سباق و طرز
بیان خود مولانا کی سفارش کہنا ذوقاً صحیح معلوم ہوتا ہے چنانچہ ایک قرینہ اس پر یہ ہے
کہ مولانا نے اول عشاق کی سفارش کے لئے خطاب عام فرمایا ہے اور کہا ہے ؎

یا کرامی ارحموا اہل الہوا ❊ شانہم ورد التوے بعد التوی

اسکے بعد فرمایا ہے ؎ بیت
عفو کن اے میر بر سختی او۔ الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے خطاب عام
کے بعد خطاب خاص فرمایا ہے اور سفارش عام کے بعد سفارش خاص فرمائی
ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے اس سفارش میں اور لوگوں کی سفارش میں بہت فرق
ہے چنانچہ لوگوں کی سفارش میں خوشامد کا رنگ ہے اور سفارش میں شان ارشاد

غالب ہے ۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ مولانا اس سفارش کے بعد فرمایا ہے ؎
بازبشنو قصۂ میر آں دگر ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک گفت گو خود مولانا کی تھی اور یہاں سے مولانا قصہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

علیٰ ہذا مولانا دفتر مذکور میں ایاز کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

من بگو احوال خود را اے ایاز ؎ گرچہ تصویر حکایت شد دراز الخ

اس شعر میں مصرع ثانی و اشعار آئندہ بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ یہ خود مولانا کا خطاب ہے نہ کہ محمود کا۔

تنبیہ ۲۴: مولانا اپنے کلام میں مجازات لغویہ کا بکثرت استعمال کرتے ہیں چنانچہ وہ اکثر نفس کو مردہ کہتے ہیں مگر مراد ان کی اس سے بغایت ضعیف اور مضمحل ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً مردہ۔ ناواقف مردہ سے معنی حقیقی مراد لیکر دھوکا کھاتے ہیں اور اولیاء اللہ کو معصوم سمجھ بیٹھتے ہیں یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے واضح ہو کہ نفس حقیقتاً تو انبیاء کا بھی مردہ نہیں ہوتا اولیاء اللہ کا تو کیا مردہ ہوتا چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ؎ شد فراق صدر جنت طوق نفس

لیکن چونکہ انبیاء کے اندر دو خصوصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو اولیاء کے اندر نہیں ہوتیں اسلئے انبیاء حقیقی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ خصوصیت اوّل یہ ہے کہ انبیاء کو اپنے نفس پر خلقی طور پر اولیاء سے زیادہ قابو ہوتا ہے اسلئے جب ان کو نفس کے کسی تقاضا کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ تقاضائے نفس ہے تو پھر وہ اسکی مطاوعت نہیں کرتے۔ برخلاف اولیاء اللہ کے کہ انکو اپنے نفس پر اتنا قابو نہیں ہوتا جتنا کہ انبیاء کو ہوتا ہے اسلئے کبھی کبھی وہ تقاضائے نفس کو تقاضائے نفس جان کر بھی اسکے حقیقی پر عمل کر بیٹھتے ہیں۔ مگر یہ امر شاذ نادر ہوتا ہے جس کو کالمعدوم سمجھنا چاہیئے دوسری خصوصیت انبیاء میں یہ ہوتی ہے کہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کی حفاظت کا

وعدہ ہوتا ہے۔ برخلاف اولیاء کے۔ کہ گو حق سبحانہٗ ان کی بھی حفاظت فرماتے ہیں مگر اس کا ان سے وعدہ نہیں ہوتا۔ اسلئے کبھی کبھی وہ اپنی حفاظت کو کسی مصلحت سے ان سے بھی اٹھا لیتے ہیں اور یہ بھی اتفاقی اور شاذ نادر ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے انبیاء کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ وہ حقیقی گناہ سے معصوم ہیں۔ اور اولیاء کی نسبت یہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ حقیقی گناہ سے معصوم نہیں ہیں۔ مگر غالب احوال میں بتائید حق سبحانہٗ اس سے محفوظ ہوتے ہیں اور اس بناء پر ضروری ہے کہ جس بزرگ کی مقبولیت عنداللہ قرائن صحیحہ معتبر عندالشرع سے معلوم ہو جائے اس کے کسی نا مشروع فعل کو حتی الامکان معصیت حقیقیہ پر محمول نہ کیا جائے بلکہ بنا بر حسنِ ظن انکو معذور سمجھا جائے اور ان کے فعل کی کوئی تاویل مناسب کر لی جائے لیکن ایسے افعال میں دوسروں کے لیے ان کی تقلید جائز نہ ہوگی۔

تنبیہ ۲۵: مولانا مثنوی میں آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے جو استدلال فرماتے ہیں اُن میں بعض تو ایسے ہیں جن پر تحریف کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور بعض استدلات ایسے ہیں جن پر تحریف معنوی کا شبہ ہوتا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ ایسے استدلالات کی حقیقت ظاہر کر دے۔

سو واضح ہو کہ استدلالات مذکورہ میں بعض استدلالات تو ایسے ہوتے ہیں جن کا مبنی مجتہدانہ استنباط ہو سکتا ہے جیسا کہ انہوں نے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ الخ سے بضم مقدمات خارجیہ یقینیہ۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اصل جانبازی وصدق و وفا و شہادت نفس مقتول ہونا نہیں ہے بلکہ اطاعت حق سبحانہٗ و مخالفت نفس ہے۔ پس ایسے استدلالات پر تو تحریف کا شبہ سراسر وہم ہے۔ رہے وہ استدلالات جن کا منشا نہ استنباط مجتہدانہ ہے اور نہ نصوص ان کے مدعا پر دلالت کرتے ہیں۔ سو ایسے استدلالات کی نسبت یہ گذارش ہے کہ مولانا کا ان استدلالات سے یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ یہ مضمون نصوص کا مدلول اور صاحب

شرع کا مقصود ہے۔ بلکہ ان کا مقصود ان نصوص کے ساتھ استدلال سے محض اعتبار ہوتا ہے یعنی ان نصوص کو اس مدعا سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت کی بنا پر وہ ان سے استدلال کرتے ہیں اور ایسے استدلال اشبہ باستدلالات شعراء وتعبیرات معبّرین ہوتے ہیں پس ان پر تحریف کا شبہ بالکل بیجا ہے۔

اب ہم مولانا کے بعض استدلالات کو ان کی توضیحات کے ساتھ درج رسالہ کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر اصل مقصود پورے طور پر منکشف ہوجائے سُنیے!

مولانا نے دفتر پنجم میں بذیل سرخی نواختن سلطان محمود ایاز را الخ ارشاد فرمایا ہے

اے ایاز پر نیاز صدق کیش ۔ ✦ صدق تو از بحر و از کوزہ است بیش
نے بوقت شہوتت باشد عثار ✦ کہ رود عقل چو کوہت کاہ دار
نے بوقت خشم و کینہ صبر ہات ✦ سست گردد در قرار و در ثبات

اسکے بعد فرمایا ہے

ہست مردے این آں ریش و ذکر ✦ ورنہ بودے میر میراں کیر خر

ان ابیات میں مولانا نے دعوے فرمایا ہے کہ مناط رجولیت مردے۔ جسم نہیں ہے بلکہ روح ہے پس جس کی روح نفس پر غالب ہوگی وہ مرد ہوگا خواہ اس کا جسم زنانہ ہو اور جس کا نفس روح پر غالب ہوگا وہ عورت ہوگا خواہ اس کا جسم مردانہ ہو۔

اس دعوے پر مولانا نے یوں استدلال فرمایا ہے

حق کرا خواندست در قرآں رجال ✦ کے بود ایں جسم را آنجا مجال
روح حیواں را چہ قدرست اے پسر ✦ آخر از بازار قصاباں گذر۔
صد ہزاراں سر نہادہ بر شکم ✦ ارزشاں از دنبہ و از دنب ست کم

حاصل اس استدلال کا یہ ہے کہ قرآن میں جن کو رجال کہا گیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کی روح نفس پر غالب ہے چنانچہ فرمایا ہے۔

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا۔ اور فرمایا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الآیۃ۔ اور فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

مَا عَاهَدُوا اللّٰہ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کو رجال صفات جسمانیہ وحیوانیہ کے لحاظ سے کہا گیا یا صفات روحانیہ کے اعتبار سے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ صفات جسمانیہ وحیوانیہ کے لحاظ سے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ لفظ موقع مدح میں واقع ہے اور حیوانیت کوئی قابل مدح شے نہیں ہے پس ضرور ہے کہ یہ لفظ صفات روحانیہ کے اعتبار سے اطلاق کیا گیا ہو۔ وہو المدعیٰ ــــ یہ حاصل تھا استدلال کا۔ اس پر تحریف کا شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ نصوص مذکورہ میں لفظ رجال اپنے معنی لغوی میں مستعمل ہے۔ اور مولانا کا یہ مقدمہ کہ لفظ رجال مدح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ممنوع ہے لیکن اس کو تحریف کہنا سراسر غلطی ہے کیونکہ یہ تحریف نہیں ہے بلکہ مجتہدانہ استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ رجال آیت میں بنا بر قرائن مخصوصہ مصروف عن المعنی الحقیقی اور محمول بر معنی مجازی ہے اور اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو قرائن مولانا نے صرف عن المعنی الحقیقی کے لیے قائم کیے ہیں وہ ناکافی ہیں اسلئے ان کی بنا پر معنی حقیقی کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ مجتہدانہ اعتراض ہے پس یہ اختلاف رائے ہوگا جو کہ مجتہدین میں ہوا کرتا ہے لہذا اس کی بنا پر مولانا کے استدلال کو تحریف نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) نیز وہ فرماتے ہیں ؎

صدق جان دادن بود ہیں سابقوا ؛ از نبی برخواں رِجَالٌ صَدَقُوا

ایں ہمہ مردن نہ مرگ صورت ست ؛ ایں بدن مر روح را چوں آلتست

اے بسا خامیکہ ظاہر خویش ریخت ؛ لیک نفس زندہ آں جانب گریخت

آلتش بشکست و رہزن زندہ ماند ؛ نفس زندہ است ارچہ مرکب خوں فشاند

اسپ کشت و رہ نرفت آں خیرہ سر ؛ ماند خام و خیرہ سر آں بے خبر

گر بہر خونریز تے گشتے شہید ؛ کافر کشتہ بدے ہم بو سعید

اے بسا نفس شہید معتمد ؛ مردہ در دنیا چو زندہ میرود

روح راہزن مرد و تن کہ تیغ او ست ؛ ہست باقی در کف آں غزو دوست

تیغ آں تیغ ست مرد آں مرد نیست ؛ لیکن ایں صورت ترا حیران کنی ست

نفس چوں مبدل شود ایں تیغ تن ؛ باشد اندر دست صنع ذو المنن

ان ابیات میں مولانا نے دعوے کیا ہے کہ صدق اور وفا حقیقت میں جان بازی ہے اور دلیل اسکی یہ بیان فرمائی ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن میں جاں بازی کو صدق فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ یعنی مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو صادق العہد اور وفا دار ہیں۔ سوان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو شہید ہو چکے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو منتظر شہادت ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ صدق و وفا جان بازی کا نام ہے اس کے بعد فرمایا ہے کہ جانبازی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی مقتول ہو جائے کیونکہ بدن روح کا آلہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اعمال صالحہ کر کے تقرب عنداللہ حاصل کر سکتے ہیں اور اسی لیے وہ اسکو عطا کیا جاتا ہے پس اسکو کھو دینا نہ فی نفسہٖ کوئی کمال ہو سکتا ہے اور نہ وہ شرعاً مطلوب ہو سکتا ہے لہٰذا اس کا ضائع کرنا موجب مدح اور مسمّٰی بہ صدق و وفا نہیں ہو سکتا اور نہ اسکو جانبازی کہا جا سکتا ہے بلکہ اصل جان بازی جو موجب مدح اور فی نفسہٖ کمال اور مسمّٰی بہ صدق و وفا اور شرعاً مطلوب ہے وہ ترک خودی اور اطاعت کاملہ اور نفس کشی ہے۔

اور چونکہ صحابہ مذکورین فی الآیہ میں یہ معنی جانبازی کامل طور پر متحقق تھے اور انہوں نے حق سبحانہٗ کی اس درجہ اطاعت کی تھی کہ اسکے اطاعت میں جان تک دیدی تھی یا جان دینے پر آمادہ تھے اسلیے آیت میں ان کی تعریف کی گئی۔ اور ان کو صادق العہد اور وفا کہا گیا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جان بازی کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت تو مقتول ہونا ہے اور حقیقت ترک خودی و اطاعت حق سبحانہٗ۔ اور صورت جانبازی نہ فی نفسہٖ کمال ہے اور نہ شرعاً مطلوب۔ لہٰذا اسکو صدق و وفا نہ کہا جائے گا پس صدق و وفا حقیقت جانبازی ہوگی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی بذریعہ نفس کشی ترک خودی اور اطاعت کاملہ کرے تو اسکو صادق العہد اور جانباز اور وفادار اور شہید کہا جائے خواہ وہ

زندہ ہو یا مقتول یا مُردہ بغیر قتل۔ اور اگر کوئی نفس کشی نہ کرے بلکہ خودی اور مخالفت میں منہمک رہے لیکن مقتول ہو جائے جیسے کفار مقتول ہوتے ہیں یا بعض مسلمان۔ ریاو۔ سمعہ کے لیے مقتول ہوتے ہیں تو ان کو جانباز یا صادق العہد یا شہید وغیرہ نہ کہا جائے یہ استدلال استنباط مجتہدانہ پر مبنی ہے اور تمام مقدمات اسکی واجب التسلیم ہیں۔

(۳) نیز فرماتے ہیں ؎

تو نمی دانی کہ دایہ دائگاں ✲ کم دہد بے گریہ شیر او رائگاں
گفت ولیبکوا کثیراً گوش دار ✲ تا بریزد شیر فضل کردگار

مولانا نے اس استدلال میں ولیبکوا کثیرا کو طلب گریہ پر محمول کیا ہے جو کہ آیت میں مقصود نہیں ہے اسلئے یہ استدلال مشابہ ہوگا۔ مومن خاں کے اس استدلال کے ؎ حسن انجام کا مومن میری بارے خیال ✲ یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے کیونکہ مومن خاں نے محبوبہ کے خیال حسن انجام پر محمول کیا۔ جو کہ اسکے کلام کا مدلول نہیں ہے۔

(۴) نیز فرماتے ہیں ؎

تو ستوری ہم کہ نفست غالب است ✲ حکم غالب را بود اے خود پرست
خر نخواندت اسپ خواندت ذوالجلال ✲ اسپ تازی را عرب گوید تعال

اس استدلال میں مولانا نے لفظ تعالوا سے آدمیوں کے گھوڑا یعنی صالح الاستعداد ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ عرب جب گھوڑے کو بلاتے ہیں تو تعال کہتے ہیں اور گدھے کو اس لفظ سے نہیں بلاتے۔ یہ استدلال ایسا ہے جیسا مومن خاں کا یہ استدلال ہے ؎

پرہیز سے اسکی گئی ہمارے دل آہ ✲ بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

توضیح اسکی یہ ہے۔ کہ جب معشوق کی طرف سے اعراض ہوتا ہے اور جذب نہیں رہتا تو عاشق کی محبت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے ــــ جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب یہ سمجھو کہ لفظ پرہیز جس طرح معشوق کے اجتناب پر بولا جاتا ہے یونہی بیمار کے ناموافق غذا

وغیرہ سے بچنے پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص پرہیز کرتا ہے اسی کی بیماری جاتی ہے اور ایک کے پرہیز سے دوسرے کی بیماری نہیں جاتی۔ پس مومن کہتا ہے کہ معشوق کے پرہیز سے میری بیماری جاتی رہی۔

یہ دلیل ہے۔ میری اور اسکی اتحاد کی۔ کیونکہ اگر مجھ میں اور اس میں اتحاد نہ ہوتا تو اسکی پرہیز سے میری بیماری کاہے کو جاتی پس ثابت ہُوا کہ جس زمانہ میں مجھ میں اور اس میں ناموافقت تھی اس وقت بھی ہم میں اتحاد تھا پس جس طرح اس استدلال کا مبنی اشتراک لفظ پرہیز ہے یوں ہی مولانا کے استدلال کا بھی یہی اشتراک لفظ تعالوا ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: آخر میں ہم ناظرین شرح حبیبی کو تنبیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شرح مذکور میں ہم سے تنبیہات مذکورہ میں سے کسی تنبیہ کی صریح مخالفت ہوئی ہو تو وہ ہمیں معذور سمجھیں کیونکہ معلومات مذکورہ ہم کو ابتدا میں حاصل نہ تھے تاکہ ابتدا سے ان کا لحاظ رکھا جاتا۔ بلکہ ان کے ضبط کا خیال اس وقت پیدا ہُوا جبکہ دفتر پنجم کے نصف ثانی۔ پھر نظر ثانی کا قصد ہوکر اور اس پر نظر ثانی کرنے کے زمانہ میں انکو مرتب کیا گیا۔ اسلئے ان کا تفصیلی علم اسوقت ہُوا جبکہ ہم دفتر پنجم کے نصف ثانی پر نظر ثانی کر رہے تھے۔ والسلام۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۃ التبلیغ کا چھبیسواں وعظ مسمی بہ

شکر المثنوی

یعنے

تقریر حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب جوکہ آپ نے اس جلسہ میں فرمائی جوکہ بتقریب اختتام کتاب شرح مثنوی مدرسہ امداد العلوم میں بتاریخ ۴ر شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ منعقد ہوا تھا اور جس کو احقر العباد حبیب احمد کیرانوی نے ضبط کیا۔

امابعد فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا وَمَا یُمۡسِکۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۔

سبب وعظ

ایک عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ مثنوی کی شرح کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کے تمام دفتروں کی شرح ہونی چاہیئے اس لئے میں نے اس کا کام شروع کیا۔ اور جس طرح ہوسکا دفتر اول اور دفتر ششم کی شرح کی باقی دفتروں کی شرح کا سرانجام چونکہ بعض عوائق کی وجہ سے مجھ سے بلا استعانت نہ ہوسکتا تھا اس لئے میں نے اس کی تکمیل میں اپنے بعض احباب سے مدد لی اور بحمد اللہ اب مکمل ہوگئی چونکہ یہ انعام تھا حق سبحانہٗ کی طرف سے اور ہر نعمت شکر کو مقتضی ہوتی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ حق سبحانہٗ کے اس انعام کا شکر یہ ادا کیا جاوے پس یہ جلسہ اس کے شکر کے لئے منعقد کیا گیا ہے (جس میں تداعی واہتمام وغیرہ کو دخل نہیں) لیکن جو آیت اس وقت اختیار کی گئی ہے اس پر بادی النظر

میں عدم مناسبت بمقصود جلسہ کا شبہ ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں بیان ہے حق سبحانہ کے تفرد بالغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا جس کو شکر سے بظاہر کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی اس لئے قبل اس کے کہ نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت متلوہ مقصود جلسہ سے بے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کو اس سے ایک غامض اور باریک تعلق ہے ۔

شکر کا مفہوم

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شکر کے معنی ہیں منعم کے۔ انعام کے جواب میں منعم کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے منعم کی عظمت ظاہر ہوتی ہو پس اس وقت ہمارا حق سبحانہ کے انعام کے جواب میں اس آیت کا تلاوت کرنا جو کہ اس کی توحید صفاتی پر دلالت ہے اور اس کی تفرد بالقہر والغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا دل اور زبان سے اقرار کرنا اس کلیے کا ایک فرد اس مقسم کی ایک قسم ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ صرف اسی آیت کا نہیں بلکہ ہر ایسی آیت جس سے حق سبحانہ کی توحید اور عظمت وجلالت شان ظاہر ہو اس کا تعلق شکر سے ہے۔ اس سے نہایت واضح طور پر آیت متلوہ کا تعلق مقصد جلسہ سے ظاہر ہو گیا اب نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے ۔
اس آیت کا تعلق توحید سے ہے اپنی ذات سے بھی کیونکہ اس میں بیان ہے تفرد بالقدرۃ والغلبۃ والحکمۃ جو کہ توحید صفاتی کا فرد اور اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے بھی۔

توحید ذاتی، صفاتی اور افعالی

کیونکہ اس سے قبل حق سبحانہ نے فرمایا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اس میں انہوں نے اپنی ان صفات وافعال کا بیان کیا ہے جو

ان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں پس اس کا تعلق توحید صفاتی و توحید افعالی دونوں سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۔ اس میں توحید ذاتی و توحید صفاتی و توحید افعالی تینوں کا بیان ہے پس ان تینوں کا تعلق توحید سے ہے۔ یہاں توحید کے بعد حق سبحانہ نے مسئلہ رسالت کو بیان فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔ اِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اس کے بعد معاد کا بیان فرمایا ہے۔

تین امہات مسائل

اور ارشاد فرمایا ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ (یہ تینوں مسئلے امہات مسائل میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن پاک میں ان تینوں کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور ان پر زبردست براہین قائم کی ہیں امام رازیؒ نے اس پر جا بجا تنبیہ کی ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ تینوں مسئلے اصل ہیں اور باقی مسائل ان کی فروع اور یہ مضمون بالکل ٹھیک ہے جو شخص بامعان نظر قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا اس کو اس کی قدر ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کرے گا ان تینوں میں سب سے اہم مسئلہ توحید ہے اس کے بعد مسئلہ رسالت اس کے بعد مسئلہ معاد اس لئے حق سبحانہ نے اس مقام پر اول مسئلہ توحید کو بیان فرمایا اس کے بعد مسئلہ رسالت کو اس کے بعد مسئلہ معاد کو۔ اس گفتگو کا تعلق تو نوعیت مضمون آیت سے تھا اب اس کا مضمون شخصی بیان کیا جاتا ہے اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہ نے مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فرمایا ہے جس میں انہوں نے کلمہ ما استعمال فرمایا ہے جو ابہام کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے پھر اس ابہام کی توضیح میں من رحمۃ فرماتی ہے۔

پس حاصل اس جملہ کا یہ ہوگا کہ حق سبحانہ جس رحمت کو بھی کھول دیں اس کا کوئی روکنے

والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کمال غلبہ وقدرت

اس سے حق سبحانہٗ کا کمال قدرت وغلبہ ظاہر ہوا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے بڑھکر کوئی قوت اور قدرت والا نہیں جو اس کا مزاحم ہو سکے اور گو واقعی طور پر اس پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا مگر سطح نظر میں اور محض احتمال عقلی کے طور پر شبہ ہو سکتا تھا اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ فتح حق سبحانہٗ کے بعد کوئی روکنے والا نہیں لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے روکنے کے بعد کوئی کھول بھی نہیں سکتا اس لئے حق سبحانہٗ نے اس احتمال کو بھی دفع کر دیا اور فرمایا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ یعنی جس کو وہ روک لیں اس کو کوئی چھوڑنے والا بھی نہیں۔ اب یہی ایک احتمال عقلی باقی تھا وہ یہ کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس کے فتح اور امساک کے بعد اس کی کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود فتح وامساک کی حالت میں بھی اس کا کوئی مزاحم ہو سکتا ہے یا نہیں اس احتمال کے اٹھانے کے لئے فرمایا وھوالعزیز یعنی عزت وغلبہ عین منحصر ہیں اس کی ذات میں۔ اور وہی ہر حیثیت سے سب پر غالب ہے اس پر کسی طرح بھی کوئی غالب نہیں اب تمام احتمالوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس کا تفرد بالغلبۃ باکمل وجہ ظاہر ہو گیا۔ یہ تو ہو گیا مگر اس پر ایک شبہ اور ہو سکتا تھا وہ یہ کہ جب اس کو ایسی قدرت اور قوت حاصل ہے اور اس کی کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا تو شاید اس کی بھی وہی حالت ہو جو با اقتدار انسانوں کی ہوتی ہے کہ بلا لحاظ مصلحت ومنفعت جو جی میں آیا کر بیٹھے اس کے دفع کے لئے الحکیم بڑھا دیا اور ظاہر کر دیا کہ ہمارے افعال لاابالی حکام وسلاطین کے سے نہیں بلکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہم کو مصلحت وحکمت ملحوظ ہوتی ہے سبحان الذی تکلم بھذا الکلام البلیغ الدقیق الاسرار۔

آیت مبارکہ کے دقیق نکات

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ جملہ مَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ اور وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ یہ دونوں جملہ تاکید ہیں مضمون مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهٗ کی کہ جس سے مقصود تمام اوہام وشکوک کو زائل کرکے اپنی کمال قدرت وحکمت کا ظاہر کرنا ہے جو اصل مقصود ہے اس آیت کا تو یہ بیان تھا حق سبحانہ کے عموم وکمال قدرت کا جو کہ اس آیت سے مقصود ہے۔ اب سنئے کہ رحمت کے لغوی معنے رقت قلب اور نرم دلی ہیں حق سبحانہ چونکہ دل اور نرمی سے جو کہ ایک خاص قسم کا تاثر اور انفعال ہے پاک اور منزہ ہیں اس لئے یہ لفظ اس مقام کیا جہاں کہیں وہ حق سبحانہ کے لئے استعمال کیا جاوے جیسے رحمٰن رحیم وغیرہ اپنے معنی لغوی میں مستعمل نہیں ہوسکتا بلکہ مجازاً بعلاقہ سببیت اثر رقت قلب یعنی فضل وانعام احسان مراد ہوگا۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق سبحانہ نے مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فرمایا اور من خیر نہیں فرمایا حالانکہ مطلب من خیر کا بھی وہی ہے جو من رحمة کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں اشارہ ہے اس طرف کہ حق سبحانہٗ کے تمام انعامات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں اور یہ اشارہ لفظ خیر میں نہ تھا اس لئے اس کے بجائے اس کو اختیار کیا چونکہ اس مضمون کو سن کر کہ حق سبحانہٗ کے تمام احسانات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں کسی کو خلجان ہوتا اس لئے میں اس کو بھی زائل کئے دیتا ہوں یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے انعامات کو بندوں کے انعامات کے مماثل سمجھا گیا ہے اور اپنی طاعت کو طاعت عباد کی مانند خیال کیا گیا لیکن خود یہ قیاس ہی غلط ہے کیونکہ آدمی جب بندہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنے قویٰ اور اعضاء وغیرہ کو ایک ایسے شخص کے کام میں لگاتا ہے جو اس کے مملوک ومصنوع ہیں اور اس لئے اس کو ان سے انتفاع کا کوئی حق بھی نہیں ہے اس بنا پر خادم مخدوم سے معاوضہ

کا مستحق ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ سبحانہٗ کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے
تو وہ خود حق سبحانہٗ کی مملوک چیزوں کو اس کے کام میں لگاتا ہے اور وہ خود بھی حق
سبحانہٗ کا مملوک ہے ایسی صورت میں وہ اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہو سکتا
کیونکہ مملوک من حیث ہو مملوک کا مالک پر کوئی حق نہیں یہ مضمون آپ کی سمجھ میں یوں
آسانی سے آجائے گا کہ جب کوئی شخص کسی کی ملازمت کر لیتا ہے تو اب وہ من حیث
الخدمت اس کا مملوک ہو جاتا ہے خواہ عارضی ہی طور پر سہی پس جب وہ کوئی اپنا
فرض منصبی انجام دیتا ہے تو اس کے معاوضہ میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں سمجھا
جاتا ایسی حالت میں اگر آقا اس کی خدمت کا کوئی صلہ دے تو وہ اس کا انعام اور
احسان سمجھا جاتا ہے اور اپنی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کیا جاتا ہے پس جب
کہ اس کمزور اور برائے نام ملک کا یہ اثر ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ملک حقیقی پر اپنی
خدمت کے کسی معاوضہ کا کیا حق رکھ سکتا ہے اب ہم کو یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ بندہ حق
سبحانہٗ کا مملوک محض ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز
کسی کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے کیونکہ وہ ابتدا میں معدوم محض اور اپنے تمام کمالات
حتیٰ کہ اپنی ہستی سے بھی عاری تھا ایسی حالت میں اس کی کوئی چیز خود اس کی ذاتی
کیسے ہو سکتی ہے پس لامحالہ اس کی تمام چیزیں کسی دوسرے کی مملوک ہیں اور خدا
کے سوا اگر کوئی اس کے مالک ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے تو اس کے ماں باپ ہو سکتے
ہیں کیونکہ ان سے زیادہ اس کے ہستی میں کسی کو دخل نہیں ہے حتیٰ کہ اسی دخل کی بنا پر
بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا اور وہ اپنا خالق اپنے ماں باپ کو سمجھ بیٹھے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل

چنانچہ جس زمانہ میں میرے ماموں منشی
شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانے میں ایک انسپکٹر مدارس
مدرسہ میں امتحان کے لئے آئے اثنائے امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب
کے خلاف سوال کیا کہ بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے لڑکے بیچارے کیا جواب دیتے

وہ تو خاموش رہے ماموں صاحب نے فرمایا کہ جناب مجھ سے پوچھئے میں جواب دوں گا۔
انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے انہوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجئے ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تم معدوم تھے اور اب موجود ہوا اور ہر حادث کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے وہ علت خدا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے نہ کہ خدا نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا اس نے کہا کہ ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو الی غیر النہایہ یوں ہی سلسلہ چلا جاویگا یا کہیں جا کر ختم ہوگا پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑے گا اس کا اس سے کچھ جواب نہ آیا اور اس نے کہا کہ آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں۔ غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے وہ یہ کہ اچھا اگر خدا ہے تو آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہماری آنکھ درست کر دے یہ انسپکٹر کانا تھا ماموں صاحب نہایت ظریف تھے انہوں نے کہا بہت بہتر ہے ابھی کہتا ہوں یہ کہکر انہوں نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انسپکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس کو دو آنکھیں عطا کی تھیں اس نے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اس پر غصہ آیا ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوا جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ خراب لکھ گیا اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے سے ہی عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہو گیا۔

قہر کی دو قسمیں یاد رکھو کہ حق سبحانہٗ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورتًا بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

کیونکہ اس میں توبہ اور انابت الی الحق کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لئے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو اس وقت ہو جب کہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہے تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہٗ کی طرف کیسے رجوع ہوگا بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے ذوق وشوق واحوال و مواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اس کو صدمہ نہیں پہنچتا اس سے وہ معاصی پر اور دلیر ہو جاتے ہیں واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ نسبت احوال مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہٗ سے اور حق سبحانہٗ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہے ۔ احوال و مواجید سو یہ غالب احوال میں اس تعلق کی امارات ہوتی ہیں نہ وہ عین تعلق خاص ہیں اور نہ اس تعلق کو مستلزم ہیں اور اگر بالفرض احوال واذواق ہی کو تعلق مع اللہ یا اس کو مستلزم کہا جاوے ۔ تو اس سے صرف یہ لازم آتے گا کہ اس کو خدا کے ساتھ تعلق ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خدا کو بھی اس سے تعلق ہو پس ایسے سالک کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طالب علم سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہاری شادی ہو گئی یا نہیں اس نے جواب دیا آدھی ہو گئی اور آدھی نہیں ہوئی اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا کہ میں فلاں شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے تراضی طرفین کی ضرورت ہے سو میں تو رضامند ہوں مگر وہ رضامند نہیں پس جس طرح اس طالب علم کی رضامندی بغیر شاہزادی کی رضامندی کے بے سود اور کالعدم تھی یونہی اس سالک کا تعلق بغیر حق سبحانہٗ کے تعلق کے بے کار ہے ۔

مستی روحانی اور مستی شہوانی میں فرق

پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ ہرگز باقی نہیں رہ سکتی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ایک مقام پر مہمان گیا میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے ہم نے ایک مسجد میں سونے کا ارادہ کیا اتفاق سے اس روز محلہ میں گانا بجانا بھی ہو رہا تھا مجھ کو آواز پہنچی میں نے سونے کے لئے دوسری جگہ تجویز کی مگر میرے ساتھی مسجد ہی میں رہے صبح کو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ رات جس قدر میرا نوافل میں جی لگا ہے اور جس قدر مجھے مزہ آیا ہے اتنا کبھی نہیں آیا محلہ سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں جس سے ذوق وشوق کو حرکت ہو رہی تھی اور میں اسی ذوق وشوق میں نماز پڑھ رہا تھا اور مجھ پر ذوق وشوق کا ایسا غلبہ تھا کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے میں نے کہا کہ جناب یہ تو صحیح ہے کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ وہ کس چیز سے دفع ہوئے تھے اور مستی ذوق وشوق کس چیز کا تھا یہ مستی روحانی نہ تھی بلکہ شہوانی تھی جو راگ باجے سے منبعث ہوئی تھی پس دافع خطرات خود خطرات سے زیادہ خطرناک تھا ایسی حالت میں یہ اندفاع خطرات کیا قابل قدر ہو سکتا ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی کے بچھو کاٹ لے اور وہ رفع تکلیف کے لئے سانپ سے کٹوالے ایسا کرنے سے وہ تکلیف تو ضرور جاتی رہیگی مگر جان کے لالے پڑ جائیں گے پس یہ کہنا کہ گانے سے خطرات دفع ہو گئے تھے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ کا مفہوم

اسی مثل پر ایک حکایت یاد آئی وہ ہے تو غیر مہذب مگر موضع خوب ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملا دو پیازہ سے بادشاہ نے پوچھا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے کیا معنی ہیں انہوں نے اس وقت اس کا جواب نہیں دیا اور موقع کے منتظر رہے ایک روز بادشاہ آگے آگے جا رہے تھے پیچھے سے ملا نے ان کی پشت میں انگلی سے اشارہ کر دیا اس نے منہ موڑ کر دیکھا اور تیز لہجہ میں کہا یہ کیا

نالائق حرکت ملانے جواب دیا کہ قصور معاف ہو میں سمجھا کہ بیگم صاحبہ ہیں اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہوا تب ملانے کہا کہ یہ معنی ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ کے اس طرح ان صاحب کا یہ عذر کہ مجھ کو خطرات بند ہو گئے اسی مثل کا مصداق ہے ۔

اصرار معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی

خلاصہ یہ ہے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور ذوق و شوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے وہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہئے اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے ۔

موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

جیسے اس منکر توحید کو پیش آیا ۔ ہاں ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر خدا کے سوا کسی پر مالک ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو ماں باپ ہو سکتا ہے جیسے اس منکر نے اپنی بکواس میں کہا تھا لیکن ماں باپ بھی مالک نہیں ہو سکتے کیونکہ گو ان کو ان کی ہستی میں گونہ دخل ضرور رہے مگر وہ اس کے خالق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ امر مشاہد ہے کہ اس کے وجود میں ان کے اختیار کو کچھ دخل نہیں چنانچہ بہت لوگ عمر بھر اولاد کے متمنی رہتے ہیں اور اولاد نہیں ہوتی اور بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے اولاد نہ ہو مگر ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ کو بچے کی ہستی میں محض برائے نام دخل ہے اور موثر حقیقی اور مفیض وجود فقط حق سبحانہٗ ہیں پس وہ ہی اس کی تمام چیزوں کے مالک ہوں گے اور جب وہ مالک ہیں تو بندہ کو اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کچھ استحقاق نہیں ہے جیسا کہ ہم پیشتر اس کی تفصیل کر چکے اور جب کہ اس کا کوئی استحقاق نہیں تو حق سبحانہٗ کے انعامات اس کا فضل محض ہوں گے اس لئے بجائے من خیر کے من رحمۃ فرمایا ہے ۔ یہاں تک معلوم ہو گیا کہ رحمت سے مراد انعام خداوندی اور اس کا فضل و احسان ہے اور یہ بھی

معلوم ہو گیا کہ لفظ رحمت کو لفظ خیر پر کیوں ترجیح دی گئی ۔

لفظ رحمت کا مفہوم

اب ہم رحمت و فضل و احسان و انعام وارد فی الآیہ کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں رحمت عام ہے صحت ۔ امن ۔ علم ۔ عمل ۔ غرض کہ ہر مفید چیز کو خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حتیٰ کہ رُوح المعانی نے عروہ بن الزبیر سے نقل کیا ہے کہ شغدف بھی رحمت ہے کیونکہ اس سے سفر میں راحت پہنچتی ہے مگر لوگ معمولی چیزوں کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ صرف بڑی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں جو کہ بڑی مشقتوں کے بعد ملتی ہیں اسی لئے وہ چھوٹی نعمتوں پر شکر بھی نہیں کرتے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے ۔ میں جس زمانہ میں تفسیر لکھ رہا تھا اسی زمانہ میں شاید سہارن پور ریلوے تیار ہو رہی تھی حسن اتفاق سے جس روز میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی روز ہماری عیدگاہ کے سامنے پٹڑی بچھائی جا رہی تھی اس وقت مجھے عروہ کا قول دیکھ کر خیال ہوا کہ ریل بھی خدا کی نعمت اور وہ بھی رحمت میں داخل ہے ۔

تھانہ بھون میں ریل جاری ہونے کی تاریخ

پس میں نے اس مقام پر اس واقعہ کا بھی تذکرہ حاشیہ میں کر دیا اور ریل کے تھانہ بھون پہنچنے کی تاریخ بھی لکھ دی تاکہ بیک کرشمہ دو کار ہو جاوے ۔ آیت کی تفسیر بھی ہو جاوے اور تاریخ بھی منضبط ہو جاوے اب اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ ریل تھانہ بھون میں کب جاری ہوئی ہے تو میں کہتا ہوں کہ میری تفسیر دیکھ لو وہ متحیر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو تفسیر سے کیا مناسبت ہے تو میں ان سے واقعہ بیان کر دیتا ہوں میں ریل کے نعمت ہونے کی ایک سند ایک بڑے شخص سے بھی رکھتا ہوں جب میری عمر ۱۴ برس کی ہوگی اس زمانہ میں مولانا شیخ محمد صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا ایک وعظ میں آپ نے فرمایا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے ۔

بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے نعمت پہنچنا

گو دوسروں کی بنائی ہوئی ہے کیونکہ نعمت بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے پہنچتی ہے شاید کسی کو سنکر استعجاب ہو اس لئے میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ پس جب کہ کافر کے ہاتھ سے دین کی تائید واقع ہے تو کفار کے ہاتھ سے دنیوی نعمت کا پہنچنا کیوں مستبعد ہے اس مقام پر ایک حکایت یاد آگئی ایک شیعی نے ایک عالم سے کہا آپ لوگ حضرت عمرؓ کی اشاعت اسلام پر فخر کرتے ہیں اور اس کو ان کے کامل مسلمان ہونے کی دلیل بتاتے ہیں حالانکہ اس سے ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جس دین کی وہ مدد کرے گا وہ دین اسلام اور دین حق ہوگا اب اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق بناتے ہو تو اس سے اتنا تو لازم آیا کہ انہوں نے دین الٰہی میں مدد کی ہے اب یہ دیکھ لو کہ جس دین کی انہوں نے مدد کی ہے وہ شیعوں کا دین ہے یا سنیوں کا تم ضرور یہی کہو گے کہ سنیوں کا پس سنیوں کے مذہب کا حق ہونا ثابت ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دین بھی یہی تھا لہٰذا ان کا مسلمان اور کامل الایمان ہونا بھی ثابت ہو گیا یہ سنکر وہ شیعی صاحب مبہوت ہو گئے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ ریل بھی رحمت میں داخل ہے۔

قرآن میں ریل کا ذکر

اب ہم کہتے ہیں کہ اس بنا پر اگر یوں کہا جاوے کہ منجملہ اور نعمتوں کے ریل کا ذکر بھی قرآن میں ہے تو ایک حد تک صحیح ہے اور یہ امر کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اجمالی ذکر کا انکار محض بلا وجہ ہے اس کا اجمالی ذکر صرف اسی آیت میں نہیں ہے بلکہ دوسرے علماء نے اور آیات میں بھی اس کو داخل کیا ہے مثلاً حق سبحانہٗ

مراکب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ اس آیت کے عموم میں ریل بھی داخل ہے کیونکہ اوپر سے سواری اور بار برداری کے جانوروں کا تذکرہ آرہا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ پس گویا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایجاد ریل کی خوش خبری بھی سنادی اور حاصل یہ ہوا کہ مذکورہ بالا سواری اور بار برداری کے جانور تو ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے ہی ہیں ان کے علاوہ ہم ایک اور بار برداری کی (ریل) پیدا کریں گے جس کا اب تم کو علم بھی نہیں ہے اس سے کسی قدر زیادہ واضح طور پر اس کو ایک مقام پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ کیونکہ ریل بہ نسبت چوپاؤں کے کشتی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے (ولکن لا یناسب ھذ المحمل قولہ تعالیٰ وخلقنا الا ان یؤول والتاویل بعید فلیتامل) خیر تو جبکہ ریل اور شغرف وغیرہ نعمائے دنیویہ بھی رحمت میں داخل ہیں تو نعمائے اخرویہ مثل علم وغیرہ بالاولے اس رحمت میں داخل ہوں گے خصوص علم کا عموم رحمت میں داخل ہونا ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام پر اپنے انعام واحسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا - اس سے علم کا ایک رحمت کبریٰ اور موہبت عظمیٰ ہونا ظاہر ہے ۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ رحمت ہر مفید چیز کو شامل ہے خواہ دنیوی ہو یا دینی اور چھوٹی ہو یا بڑی اسی بنا پر حق سبحانہٗ نے بعض جگہ اپنے کلام میں نبوت کو کہ اکمل فرد ہے علم کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے ۔

رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہے

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ۔ تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو علاوہ اور اعتراضوں کے کفار نے کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا اور اس کو کیوں نہ نبی بنایا گیا حق سبحانہٗ ان کے اس قول کو نقل فرما کر اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی رحمت یعنی نبوت کو کیا یہ لوگ اپنی تجویز سے تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کیونکہ سامان معیشت سی ادنی چیز کو تو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کے تقسیم کا ان کو اختیار نہیں دیا ہے نبوت سی عظیم الشان شے کو یہ خود کیوں کر تقسیم کریں گے اور ان کو اس کے تقسیم کا کیا حق ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہوا ہے تو اس سے ایک دوسری آیت کی تفسیر بھی ہوگئی اور ایک بڑا معرکۃ الآرا مقام حل ہوگیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی رسالت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی یہ بیچ میں انسان کے بخل کا ذکر کیسے آگیا مفسرین نے اس کے متعلق کوئی تسکین بخش بات نہیں لکھی۔ امام رازی نے گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی شافی بات نہیں لکھی لیکن جب کہ رحمت سے نبوت مراد لی جاوے اس وقت آیت مذکورہ بے تکلف اپنے ماقبل و مابعد سے مرتبط ہو جاوے گی۔

حافظ قرآن ہونا علم تفسیر میں معین ہے

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مفسر کے لئے علاوہ دیگر شرائط کے حافظ ہونا بھی بہت معین ہے کیونکہ القرآن یفسر بعضہ بعضًا۔ مسلم ہے پس حافظ کی نظر چونکہ پورے قرآن پر ہوتی ہے اس لئے جس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ مقصود آیت کی توضیح وہ کر سکتا ہے اس

قدر آسانی اور صحت کے ساتھ غیر حافظ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تفسیر کے وقت ایک مضمون کی تمام آیتوں کو ذہن میں مستحضر کرے گا اس کے بعد تفسیر کرے گا برخلاف غیر حافظ کے کہ اس کی نظر صرف ایک ہی آیت تک محدود ہوگی اور وہ جو کچھ سمجھے گا اسی ایک آیت سے سمجھے گا البتہ غیر حافظ مولویوں کے لئے تفسیر ابن کثیر زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اس مضمون کی تمام آیتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں اس کے بعد تفسیر کرتے ہیں لیکن جس قدر تفسیر ابن کثیر سے غیر حافظ مولویوں کے لئے آسانی ہوتی ہے اسی قدر بخاری کی کتاب التفسیر سے ان کو پریشانی بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا ہے کہ جس صورت یا آیت کی تفسیر کے لئے انہوں نے باب منعقد کیا ہے بعنوان صریح اس کی تفسیر کریں بلکہ وہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک سورۃ کے ذیل میں بلا تصریح دوسری سورۃ کے کسی لفظ کی تفسیر کر جاتے ہیں طالب علم اس لفظ کو اس سورۃ میں تلاش کرتے ہیں جب وہ نہیں ملتا تو پریشان ہوتا ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کو یہ پریشانی نہیں ہو سکتی میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں سنو امام بخاری نے باب منعقد کیا ہے باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب اور اس باب میں لکھا ہے الدین الجزاء فی الخیر والشر کما تدین تدان قال مجاھد بالدین بالحساب مدینین محاسبین۔ پس جب طالب علم قال مجاھد بالدین بالحساب پر پہنچتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ بالدین سورۃ فاتحہ میں کہاں ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کا ذہن فوراً ارأیت الذی یکذب بالدین کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سمجھ لے گا یہ لفظ فلاں سورت میں واقع ہوا ہے اور وہاں اس کی تفسیر منقول ہے اس تفسیر سے مالک یوم الدین کی تفسیر ہے علیٰ ہذا جب وہ مَدِینِیْنَ محاسبین پر پہنچے گا اور مدینین کو سورۃ فاتحہ میں نہ پائے گا تو متحیر ہوگا لیکن حافظ کا ذہن فوراً لَوْلَا اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ الخ کی طرف جو کہ سورۃ واقعہ میں ہے منتقل ہوگا اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ تفسیر دوسری سورۃ سے متعلق ہے اس سے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مولویوں اور طالب علموں کے لئے حفظ قرآن کی نہایت

شدید ضرورت ہے اسی واسطے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
جب کوئی شخص عربی پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ بتلاؤ کہ تم حافظ بھی ہو
یا نہیں اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہتا کہ جی ہاں میں حافظ ہوں تو آپ فرماتے تھے
کہ میں تمہارے مولوی ہونے کا ذمہ کرتا ہوں اور کہتا کہ حافظ تو نہیں ہوں تو فرماتے
اچھا کوشش کرو میں بھی دعا کروں گا اور تم بھی دعا کرنا چونکہ اوپر رحمت کی تفسیر میں
نبوت و مطلق علم کا فرد رحمت ہونا مذکور تھا جس سے علم کا نبوت کی ساتھ ملابس
ہونا معلوم ہوتا ہے ۔

نبوّت ناقابلِ انقسام منصب ہے

اس لئے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ایک کام کی بات بتلا دی جاوے نبوت ایک
منصب خاص ہے جو حق سبحانہٗ کی طرف سے اس کے خاص بندوں کو بالتخصیص
عطا ہوتا ہے بعض چیزیں اس کے لوازم یا مناسبات میں سے ہوتی ہیں جو حقیقۃً
نہ عین نبوت ہوتی ہیں نہ جزو نبوت مثلاً علم یا رویائے حقہ وغیرہ بعض لوگوں کو دھوکا
ہوجاتا ہے اور وہ نبوت کو قابل انقسام سمجھ کر اور اس کے حصے اور اجزاء متعین کرکے
اپنے کو جزوی نبی کہنے لگتا ہے یہ ایک سخت مغالطہ ہے اس سے آگاہ رہنا چاہئے۔

رویائے صالحہ کے نبوت کے چالیسواں جزو ہونیکا مفہوم

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزو ہے وہ محمول
بر حقیقت نہیں ہے بلکہ شدت ملابست کی وجہ سے اس کو جزو کہدیا
گیا ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ نبوت قابل انقسام ہے تب بھی ایسے شخص
کو دعوت نبوت کا حق نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام
میں اپنے کل کے شریک ہوتے ہیں ہوا پانی اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء
نام میں اپنے کل کی شریک نہیں ہوتی مثلاً اینٹ اور گھر تو رویائے صالحہ وغیرہ کے

اجزاء نبوت ہونے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جس میں کوئی جزو نبوت پایا جاوے وہ نبی کہلا سکتا ہے یہ تفصیل تھی اس آیت کے متعلق جس کو شکر کے لئے اس جلسہ میں تلاوت کیا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مثنوی کے متعلق بھی کہ علم نافع کا ایک مادہ تحقیق ہے اور اس کی شرح اور اس کی شرح اور شائقین کے وشرکاء جلسہ کے متعلق بھی کچھ بیان کر دیا جاوے۔

مثنوی مولانا روم مضامین حقہ سے لبریز ہے

مثنوی ایک ایسی کتاب ہے جو مضامین حقہ سے لبریز مولوی جامی نے اس کی نسبت فرمایا ہے۔

ہست قرآن در زبان پہلوی مثنوی مولوی معنوی۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اسرار و دقائق قرآنیہ کو بیان فرمایا ہے یہ معنی ایسے ہیں جن سے عوام کو وحشت نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی وہ جن میں عوام کے توحش کا خطرہ ہے اور وہ وہ ہیں جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں یعنی مثنوی حق سبحانہٗ کا الہامی کلام ہے۔ اور اس مقام پر قرآن سے کلام معروف حق سبحانہٗ مراد نہیں ہے بلکہ مطلق کلام حق مراد ہے گو بالوحی نہو بالالہام ہو حق سبحانہٗ کا کلام فی نفسہ تو حرف وصوت سے پاک ہے مگر جس طرح وہ لباس عربیت میں جلوہ گر ہوا ہے یوں ہی لباس فارسی میں بھی جلوہ گر ہو سکتا ہے اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ کلام حق ہے تو اس کے لئے بھی وہی احکام ثابت ہوں گے جو قرآن کے ہیں کیونکہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا قطعی ہے اور مثنوی کا کلام الٰہی ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا قرآن اپنے مرتبہ میں رہے اور مثنوی اپنے مرتبہ میں بلکہ دوسری کتب سماویہ خود کلام قطعی بھی ہیں ان کے لئے بھی کسی حکم کا ہونا محتاج دلیل مستقل ہوگا خیر یہ دو معنی ہیں جو حضرت حاجی صاحب نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں۔

اہل کمال اور غیر اہل کمال کے غلبہ حال میں فرق

اور یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے پھر حاجی صاحب کیسے مغلوب ہوئے کیونکہ یہ خود قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں اور غیر اہل کمال میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جن احوال سے غیر اہل کمال مغلوب ہو جاتے ہیں اہل کمال ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مغلوب کرنے والے احوال دوسروں کے احوال سے اقوٰی ہوتے ہیں دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل کمال کی مغلوبیت کم ہوتی ہے اور غیر اہل کمال کی زیادہ مگر ان کی نفس مغلوبیت کا انکار مشکل ہے انبیاء سے زیادہ کون صاحب کمال ہو سکتا ہے لیکن جب ان کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاثر من الحال وہاں بھی ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ان الفاظ سے دعا فرمائی تھی اللھم ان تھلك ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم۔

اب آپ خیال کر لیجئے کہ اگر غلبہ حال نہ ہوتا تو کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عنوان سے دعا فرماتے جس میں ابہام ہے حق سبحانہٗ کی احتیاج الی العبادات کا گو آپ کا مقصود یہ نہیں بلکہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے گو آپ کو ان کی احتیاج نہیں ہے اور نہ آپ کا کچھ نفع ہے پس اگر تیرے بندوں کی یہ قلیل جماعت ہلاک ہو گئی تو میرے خیال میں پھر حق کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور انسانوں کی پیدائش سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاوے گا اس لئے آپ اس جماعت کو بچا لیجئے علی ہذا موسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ۔ یہ اگر غلبہ حال نہ تھا تو کیا تھا یہ واقعات محض تائید کے درجے میں ہیں اگر ان کو کوئی نہ مانے تو اس کو خود

غیر انبیاء اہل کمال کا اعتراف تو ماننا ہی پڑے گا۔

عارف رومی اور ان پر غلبہ حال

حضرت مولانا مثنوی معنوی میں جگہ جگہ اپنی مغلوبیت کا اظہار فرماتے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

چوں بگوشم تا سرش پنہاں کنم | سر بر آرد چوں علم کانیک منم
غم انغم گیردم ناگہ دو گوش | کائے مدمغ چوں ہمی پوشی بپوش

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

اے بروں از وہم وقال وقیل من | خاک بر فرق من تمثیل من
بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت | ہر زماں گوید کہ جانم مفرشت

علیٰ ہذا اور بہت سے مقامات پر مولانا نے خود اعتراف فرمایا ہے اس تقریر سے من عرف کل لسانہ کے معنی بھی ظاہر ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ اس کلل میں کلال سے کلال اضافی مراد ہے نہ کہ عدم افشاء مطلقاً۔ اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ مقولہ دو طرح سے منقول ہے اول یوں کہ من عرف کل لسانہٗ اور دوسرے یوں کہ من عرف طال لسانہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں کیونکہ من عرف طال لسانہ ابتدائی حالت پر محمول ہے اور من عرف کل لسانہ انتہائی حالت یعنی عارف ابتداء میں ضبط اسرار پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس وقت اس کی زبان کشادہ ہوتی ہے لیکن جب وہ پختہ ہو جاتا ہے اس وقت اس کی زبان گنگی ہو جاتی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ غالب اوقات میں۔ ہاں تو مثنوی مضامین حقہ سے لبریز ہے مگر وہ عوام کی کام کی نہیں ہے کیونکہ اس کے مضامین دقیق ہیں اور مولانا کا کلام ذو وجوہ ہے ہر خیال کا آدمی اس کے مضامین کو اپنے خیالات پر منطبق کر سکتا ہے اس لئے اس میں یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ کی شان ہے اسلئے

مولانا فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولاد ست تیز | چوں نداری تو سپر وا پس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا | کز بریدن تیغ را نبود حیا

مثنوی کا ایک خاص کمال

مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین حافظہ میں ضبط نہیں ہو سکتے حالانکہ میں اس کی شرح بھی لکھ چکا ہوں اور متعدد بار پڑھنے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن جب اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ہر مرتبہ وہ مجھے نئی معلوم ہوتی ہے اور جن اشعار کے جو مضامین میں نے پہلے سمجھے تھے وہ یاد نہیں آتے بلکہ نئے مضامین یاد آتے ہیں کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اور خود اپنی شرح کو دیکھنا پڑتا ہے یہ ہی حالت قرآن شریف کی ہے کہ جب دیکھئے نیا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لئے ہی مجھے اپنی تفسیر دیکھنی پڑ جاتی ہے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف مثنوی شریف بخاری شریف یہ تینوں کتابیں ایسی ہیں یعنی ان تینوں کتابوں کا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس کا احاطہ ہو سکے مثنوی اور قرآن کے اس تشابہ طرز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مثنوی الہامی کلام حق ہے مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وقت و علو صولت و شوکت معانی کی طرح اس میں شوکت و صولت الفاظ بھی ہے جو اور کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے اور اس کا فیصلہ ذوق صحیح کر سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی بات ہے نہ کہ استدلالی دیکھو ایک بلغاء عرب تھے جن پر قرآن کریم کی بلاغت نے وہ اثر کیا ہے کہ باوجود کمال مخالفت و عناد و حق پوشی کے ان کو جرات نہ ہو سکی وہ جھوٹوں بھی کوئی کلام بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آئیں اور کہدیں کہ یہ اس کے ہم پلہ ہے اور ایک آج کل کے حمقاء ہیں جو مقامات حریری کو بلکہ خود اپنے کلام کو قرآن کے برابر بتاتے ہیں یہ تفاوت کیوں ہے محض اس لئے کہ بلغاء عرب کا ذوق صحیح تھا اور ان کا ذوق فاسد ہے ان کا ذوق صحیح ان کو اعتراف اعجاز پر مجبور کرتا تھا اور ان کا فساد مذاق اس بیہودہ دعوے پر جرات

دلالت ہے دیکھو بلغاء تصریح کرتے ہیں کہ قرآن میں ابلغ الآیات یہ آیت ہے قِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔

صحت وفساد مذاق

مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی نسبت سنا یا گیا ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تھے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حالانکہ ہم لوگوں کو کچھ بھی لطف نہیں آتا یہ فرق کیوں ہے صحت وفساد مذاق کے سبب مجھے جس قدر لطف ایک مرتبہ اس آیت میں آیا ہے فَلِذٰلِكَ فَادْعُ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۔ اتنا عمر بھر میں کسی آیت میں نہیں آیا لیکن اگر پوچھئے کہ کیوں تو میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ اس لئے کہ یہ ذوقی امر ہے اور امر ذوقی بیان میں نہیں آسکتا ۔

حسن معنوی ایک ذوقی امر ہے

چنانچہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو اور اس سے پوچھا جاوے کہ تو اس پر کیوں عاشق ہے تو وہ اس کی پوری اور مفصل وجہ نہیں بیان کرتا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں فلاں خوبی ہے مثلاً اس کی آنکھ اچھی ہے یا بال اچھے ہیں وغیرہ مگر جب اس سے پوچھا جاوے کہ اس میں کیا اچھائی ہے اور وہ کیوں اچھی ہے تو وہ اس کی وجہ بیان کرنے سے عاجز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسن معنوی کی طرح حسن صوری بھی در حقیقت ذوقی ہے نہ کہ مدرک بالبصر ہاں حسن صوری کو معلوم کرنے کے لئے حسن ظاہر شرط بے شک ہے مگر شرط ہونا اور چیز ہے اور مدرک ہونا اور شئے ۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسن

دو قسم کا ہے حسن صوری اور حسن معنوی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مدرک دونوں کے لئے ذوق ہے فرق اتنا ہے کہ حسن معنوی کے ادراک کیلئے حسن ظاہر شرط نہیں ہے۔ اور حسن ظاہر کے ادراک کے لئے شرط ہے۔

ادراک حسن کے لئے بصارت شرط نہیں

اور اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہوگیا کہ اندھے کسی پر کیوں عاشق ہوجاتے ہیں اس لئے کہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ادراک حسن کا مدار آنکھ پر نہیں ہے بلکہ بعض خوبیاں بدوں آنکھ کے بھی معلوم ہوسکتی ہیں پس اندھے ان پر ان خوبیوں کی بنا پر عاشق ہوتے ہیں جو بلا توسط آنکھ کے مدرک ہوسکتے ہیں جیسے آواز ہے یا کوئی عادت وخصلت ہے وغیرہ وغیرہ اندھوں کے عاشق ہونے پر ایک اندھے کا قصہ یاد آگیا لڑکوں کو پڑھاتا تھا ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کو بھی اس سے محبت ہوگئی۔

ایک روز اس نے اس لڑکے کے ہاتھ اس کی ماں کے پاس اظہار عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا ان دونوں میں یہ طے ہوگیا کہ اندھے کو اس کا مزہ چکھانا چاہئے اور اس کی صورت بھی تجویز کرلی گئی اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا حافظ جی وقت معہود پر پہنچ گئے۔

اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو حافظ جی یہ سنکر گھبرائے عورت نے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پیسنے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا اس نے جاکر کواڑ کھول دیئے خاوند اندر آیا ملی بھگت تو تھی ہی۔ پوچھا یہ کون عورت ہے کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی اس لئے بے وقت چکی پیس رہی ہے۔ وہ

خاموش ہو رہا حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا یہ دیکھ کر خاوند اٹھا اور کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں یہ کہکر چند جوتے رسید کیے اور آکر اپنی جگہ لیٹ رہا حافظ جی نے قہر درویش بر جان درویش پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرارداد خاوند وہاں سے ٹل گیا عورت نے کہا حافظ جی اب موقعہ ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں. ایسا نہ ہو وہ ظالم پھر آجاوے حافظ جی وہاں سے بھاگ گئے اور مسجد میں آکر دم لیا یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا حافظ جی نے کہا ہاں ہاں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔

مثنوی سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت

کہنا ہم کو یہ ہے کہ مثنوی میں حسن صوری بھی ہے اور معنوی بھی مگر اس کے سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے مضامین کی وقت اور اس کے ذو وجوہ ہونے نے اس کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ عوام کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ اس سے لوگوں کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اس بنا پر جی یوں چاہتا ہے کہ اس کو یوں پردہ میں چھپایا جاوے کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگے کیونکہ گو مثنوی اپنی ذات سے ایک کتاب ہدایت ہے اور اس سے جو گمراہی پھیلتی ہے اس کی ذمہ دار خود لوگوں کی نااہلیت ہے مگر جس وقت کہ اس کی اشاعت میں ایک مفسدہ ہے گو خارجی ہے اور شیوع اس کا ضروری نہیں تو اس وقت ضروت اس کی ہے کہ اس کو شائع نہ کیا جاوے اس لئے کہ یہ شرعی قاعدہ ہے کہ جس بات سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ خود ضروری نہ ہو تو اس کو روک دیا جاتا ہے ہاں اگر وہ امر خود ضروری ہو اور اس میں کوئی مفسدہ بھی ہو تو خود اس کو نہ روکا جاوے گا بلکہ اس وقت خود مفاسد کو روکا جاوے گا لیکن اس وقت اس کے

اشاعت کا بند ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے حکومت کی اور حکومت ہے نہیں تو اشاعت کیونکہ رکے۔ پس دو صورتیں ہیں یا تو مثنوی سے بالکل تعرض نہ کیا جاوے اور اس پر جو مفاسد مرتب ہوں ہونے دیا جاوے یا ان مفاسد کو دور کرنے کی کوشش کی جاوے پہلے صورت کچھ اچھی نہ معلوم ہوتی تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ مثنوی کی کوئی ایسی شرح ہو جاوے جو اس کے مضامین کو شریعت پر منطبق کر دے مگر اس طرح کہ حق بھی نہ چھوٹنے پائے تا کہ ایک حد تک مفاسد کا انسداد ہو جاوے۔

کلام کی شرح لکھنے کے لئے مذاق سخن شرط ہے

اب تک جو لوگوں نے حواشی و شروح لکھے وہ فرداً فرداً تو کافی نہیں کیونکہ بعض تو فن کو چھوڑ دیا ہے جیسے محض اہل علم ظاہر اور بعض نے شریعت کو چھوڑ دیا جیسے ولی محمد اور بعض ایسے ہیں جن کو مذاق سخن حاصل نہیں ہے اور جب تک مذاق سخن نہ ہو اس وقت تک کسی کے کلام کی شرح ناممکن ہے غرض کہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہم کو کوئی شرح یا حاشیہ ایسا نہ ملا جو ان تمام باتوں کا جامع ہو یہ ممکن ہے کہ ان سب کے مجموعہ سے مقصود حاصل ہو جاوے مگر اس میں اول تو یہ دقت ہے کہ ہر شخص کے پاس اتنا ذخیرہ جمع ہونا مشکل پھر اگر جمع بھی ہو جاوے تو ہر شخص میں تنقید کی قابلیت کب ہے۔

کلید مثنوی لکھنے کا سبب

اس بنا پر جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی شرح ہو جاوے جس میں ان تمام باتوں کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہو۔ لیکن احباب کے اصرار سے یہ بار خود مجھ ہی کو اٹھانا پڑا اور میں نے دفتر اول کی شرح پوری کر دی اس کے بعد کئی سال تک ہمت پست رہی پھر احباب کی طرف سے بھی اصرار ہوا کچھ آمادگی ہوئی لیکن یہ امید نہ ہوتی کہ میں اس کو پورا کر سکوں گا اسلئے

خیال ہوا کہ کچھ اور لکھدیا جاوے اور میں نے حاجی صاحب سے سنا تھا کہ دفتر ششم میں
اسرار بہت ہیں اس لئے خیال ہوا کہ دفتر ششم کی شرح بھی ہو جاوے تو اچھا ہے اس بنا
پر میں نے دفتر ششم کی شرح شروع کی اور بدقت تمام اس کو ختم کیا اب تو ہمت بالکل ہی
پست ہو گئی لیکن احباب کا اصرار کسی طرح بھی رہا تب خیال ہوا کہ اس کو پورا ہونا چاہئے
اور ہمت تھی نہیں اس لئے اس کے لئے یہ تدبیر بتلائی کہ میں پڑھادوں اور پڑھنے والے
ضبط کریں چنانچہ دفتر ثالث۔ نصف اول دفتر رابع ربع اول دفتر خامس کی شرح اس طرح
تحریر مولوی حبیب احمد و مولوی شبیر علی تمام ہو گئی۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مثنوی سے مناسبت

اس کے بعد بعض عوارض کی وجہ سے اس کے درس کا سلسلہ موقوف ہو گیا مگر
اس کی تحریر موقوف نہیں ہوئی یعنی میں نے مولوی حبیب احمد کو بوجہ اس کے کہ میرے
خیال میں ماشاءاللہ ان کو مثنوی سے پوری مناسبت تھی اجازت دے دی کہ تم خود
لکھ لو اور جو مقام حل نہ ہو یا جہاں کہیں کوئی شبہ ہو مجھ سے پوچھ لو نصف ثانی دفتر
رابع ربع ثانی و ثالث و رابع دفتر خامس کی شرح اس طرح تمام ہوئی۔ غرض چار دفتر
تو یوں تمام ہوئے اور دو دفتر میں خود لکھ چکا تھا اس لئے اب بفضلہ تعالیٰ پوری
مثنوی کی شرح ہو گئی چونکہ حق سبحانہ کا یہ ایک بہت بڑا انعام اور احسان تھا اس
لئے جی چاہا کہ اس کے ادائے شکر کے لئے بے تکلف و اہتمام خاص ایک جلسہ کیا جاوے
جس میں حق سبحانہ کی اس نعمت کو ظاہر کیا جاوے کیونکہ اظہار نعمت بھی شکر ہے اگر
یہ نیت تفاخر نہ ہو چونکہ بعض وہ احباب موجود نہ تھے جن کے شریک کرنے کو جی چاہتا تھا
اس لئے اس میں ذرا تاخیر ہو گئی آج وہ بھی اتفاقاً آگئے اور احباب غیر متوقع بھی آگئے
اس لئے خیال ہوا کہ یہ کام آج ہی ہو جاوے تو اچھا ہے اس لئے یہ مختصر اور بے تکلف جلسہ
منعقد کیا گیا گو شرح مثنوی کا کام ہمارے کسی کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔

چھوٹی اور بڑی ہر نعمت پر اظہار شکر کی ضرورت

مگر ہمیں اس پر ناز نہ ہونا چاہیئے کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

یعنی حق سبحانہٗ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھولدیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ بند کر دیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں نیز فرماتے ہیں مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں ہے اور بدوں اس کے دیئے کسی کو نہیں مل سکتے پس بجائے اس کے ناز کیا جاوے ہم کو حق سبحانہٗ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم پر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہم کو ناز کا کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوتا ہے ۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ

شارحین مثنوی کی شکر گذاری اور انہیں ہدیہ سے نوازنا

پس ہم کو خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے یہ مضمون تو حق سبحانہٗ کے شکر سے متعلق تھا اب میں کہتا ہوں کہ حدیث میں من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اس لئے مجھے شارحین کی شکر گذاری کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ان سے مجھے اس مقصد میں مدد ملی ہے سو ایک تو ان کی شکر گذاری کی یہ ہی صورت ہے کہ ان کی ثنا کی ساتھ ذکر ہو رہا ہے اور دوسری صورت ان کی شکر گذاری کی یہ کہ میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ان پر حق تعالیٰ اپنی رحمت فرماویں اور ان کو تقویٰ حقیقی نصیب فرمائیں ۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز

کروں سو مولوی شبیر علی تو میری مثل جز کے ہیں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کرنا تو خود اپنے لئے تجویز کرنا ہے اور مولوی حبیب احمد میرے دوست ہیں گو وہ بھی میرے لئے من وجہ جز وہی کی مثل ہیں مگر پھر بھی دونوں میں بہت فرق ہے اس لئے میں ہدیہ رسم صالحہ کے طور پر صرف مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کرتا ہوں اس تفریق کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوکان بعدی نبی لکان عُمرًا اور یہ نہیں فرمایا لکان ابوبکر اس کی وجہ استادی علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ بوجہ شدت تعلق بر سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملحق بر سول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکمًا بعد کے مضاف الیہ میں داخل ہیں گو حیثیات الحاق دونوں واقعوں میں جداگانہ ہیں مگر اس سے اصل مقصود پر اثر نہیں پڑتا دوسری وجہ فرق یہ بھی ہے کہ (یہ ہنسکر فرمایا) کہ مولوی حبیب احمد نے شرح کو پورا کیا ہے اور مولوی شبیر علی نے پورا نہیں کیا اس کی ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو بات محبت سے ہو وہ خود بھی محبوب ہے خواہ فعل ہو خواہ ترک ہو کیونکہ کبھی فعل مودی ہوتا ہے معنی کی اور کبھی ترک۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مفتاح مثنوی کے لقب سے نوازنا

خیر جو تحفہ میں نے مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کیا ہے وہ اب میں پیش کرتا ہوں برگ سبز ست تحفہ درویش اس تحفہ کو حقیر نہ سمجھئے یہ میری ٹوپی ہے جس میں یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

گشتہ مفتاح باب مثنوی اے حبیب مولوی معنوی

اس میں لفظ حبیب مضاف ہے مگر بشکل موصوف اس کو عربی میں یوں پڑھا جا سکتا ہے۔

صرت مفتاحا للباب المثنوی ؎ یا حبیب المولوی المعنوی

میں نے اس پر ۱۳۳۶ھ بھی یادداشت کے لئے لکھدیا ہے اور میں حبیب احمد کو مفتاح المثنوی کا لقب دیتا ہوں اور صلاح اعمال کی دعا کرتا ہوں (اس کے بعد اتمام ذرہ نوازی کے لئے اس نااہل کو اپنے دست مبارک سے ٹوپی اڑھادی حبیب احمد) میں شارحین کو حق سبحانہٗ کا ارشاد مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ۔

پھر یاد دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ اس پر ناز نہ کریں بلکہ خدا کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ ان کا انعام ہے جو ان پر کھولا گیا ہے اگر وہ بند کر لیتے تو پھر اس کا کوئی کھولنے والا نہ تھا۔

وعظ کا نام شکر المثنوی تجویز فرمانا

اس لئے میں اس وعظ کا نام شکر المثنوی رکھتا ہوں۔ اور حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ مثنوی کے سبق کے بعد یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ جو کچھ اس میں ہے ہمیں بھی نصیب ہو سبحان اللہ کیسی مختصر اور جامع دعا ہے اور ایک دفعہ اس دعا کے بعد فرمایا تھا کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں انشا اللہ تعالیٰ سب کو ایک ذرہ محبت عطا ہوگا آپ نے تو یہ بشارت دی تھی کہ جتنے لوگ اس جلسہ میں شریک ہیں سب کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ ہم بشارت کے قابل نہیں۔ ہاں ہم کو حق سبحانہٗ کے فضل سے امید ہے کہ جتنے اس جلسہ میں شریک ہیں ان کو بھی انشاالله تعالیٰ اس سے حصہ ملے گا۔

کلید مثنوی کی تکمیل پر تقسیم مٹھائی

اس جلسہ میں تقسیم کے لئے مٹھائی بھی منگائی گئی ہے جو تقسیم ہونے والی ہے جو لوگ اس تقسیم میں ایسے ہیں جن کو مٹھائی دینے سے ثواب ملے اے اللہ اس کا ثواب حضرت مولانا رومی کو پہنچے یہ فاتحہ مروجہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اور فاتحہ

مروجہ میں بہت فرق ہے اہل بدعت کی شیرینی وغیرہ ان کے آگے ہوتی ہے ہماری
مٹھائی باتیں طرف رکھی ہے وہ کسی شی پر فاتحہ دے کر خود ہی کھا لیتے ہیں۔ اور نہ
سمجھتے ہیں کہ اس شے کا ثواب مردہ کو پہنچ جاوے گا ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے
ایک عورت کا قصہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز پکاتی تو اس کو چند پیالوں میں اتارتی
اور کہتی کہ یہ فلانے کے نام کا ہے اور یہ فلانے کے نام کا اس کا ثواب فلانے کو
پہنچے اور اس کا فلانے کہکر خود کھا جاتی سو ہمارے فاتحہ تو ایسی نہیں اہل بدعت
کے یہاں ثواب کی تین قسمیں ہیں ایک مستحقین کو دینے کا اور ایک غیر مستحقین کو
دینے کا ایک خود کھانے کا اس لئے ان کے مردوں کو ثواب بھی کم پہنچتا ہے کیونکہ
جو غیر مستحقین کو دیدیا گیا یا خود کھا لیا گیا اس کا ثواب تو کیوں ہی پہونچے گا رہا
وہ جو مستحقین کو دیا گیا ہے اس میں اگر خلوص نہ تھا جو کہ اغلب ہے کیونکہ انکے ایصال
ثواب میں یا ریا و تفاخر ہوتا ہے یا محض پابندی رسم و تقلید آباء تو وہ یوں اکارت
گیا اب بتلایئے مردوں کو کیا پہنچا برخلاف اہل حق کے کہ جب وہ ایصال ثواب
کریں گے تو اس میں اس کی شرائط کا لحاظ رکھیں گے اس لئے سارا ثواب مردوں کو
پہنچے گا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے منت مانی تھی منت کا کھانا جن لوگوں کو
کھلایا گیا ان میں کوئی تحصیلدار تھا کوئی پیشکار غرض کہ سب اغنیا تھے ایک شخص
نے کہا بھائی جس نے مساکین نہ دیکھے ہوں اس جلسہ میں دیکھ لے اگر کسی کو ہمارے
مولانا کو ثواب پہنچانے پر یہ شبہ ہو کہ وہ تو خود بزرگ ہیں ان کو ثواب پہنچانے
سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک فائدہ تو خود
بزرگوں کا ہے وہ یہ کہ مراتب بلند ہوں گے اور ان کے تقرب خداوندی میں اضافہ
ہوگا جس کے وہ ہم سے زیادہ طالب ہیں دوسرا فائدہ خود ہمارا ہے کہ ان کے
تعلق سے حق سبحانہ کو ہم سے تعلق ہوگا کیونکہ وہ خدا کے دوست ہیں اور
دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔

آیت متلوہ کی عجیب وغریب تفسیر

اب میں آیت متلوہ کے متعلق تھوڑا سا مضمون اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد اس بیان کو ختم کردونگا وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ، نے جس طرح اس آیت میں اپنے عموم قدرت وقہر غلبہ کو صراحتًا بیان فرمایا ہے یوں ہی انہوں نے اس میں اپنے کمال جود وکرم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت میں جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک لائے ہیں اور امساک کے مقابلہ میں فتح اور جملہ ثانیہ میں امساک کے مقابلہ میں ارسال لائے ہیں اور ارسال کے مقابلہ میں امساک ۔

پس اس میں دو امر خلاف ظاہر ہیں ایک تو جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک اور امساک کے مقابلہ میں فتح لانا کیونکہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک اور امساک کا مقابلہ ارسال ہے نہ کہ فتح اور دوسرا یہ کہ جملہ ثانیہ مقابل ہے جملہ اولیٰ کا اور یہ معلوم ہوچکا ہے کہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک ۔

پس جملہ اولیٰ میں ما یفتح اللہ فرمایا اور اس کے مقابلہ میں جملہ ثانیہ میں ما یمسک فرمانا خلاف مقتضائے تقابل ہے اس بنا پر آیت مذکورہ پر شبہ ہوتا ہے کہ اس میں رعایت نہیں رکھی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت معنوی چونکہ رعایت لفظی پر مقدم ہے اور رعایت معنوی عدم لحاظ تقابل میں تھی اس لئے اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح اظہار کمال قدرت مقصود ہے یوں ہی اس میں غایت کرم اور کمال جود کی طرف بھی اشارہ ہے پس جملہ اولیٰ میں بجائے لفظ ارسال کے فتح کا لفظ اس واسطے استعمال کیا گیا ہے کہ گو یہ دونوں لفظ اطلاق پر دلالت کرتے ہیں مگر جو دلالت اطلاق پر لفظ فتح کرتا ہے وہ دلالت لفظ ارسال نہیں کرتا اس لئے ما یفتح اللہ میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جب حق سبحانہ کسی پر رحمت کرتے ہیں تو بہت اور بیدریغ کرتے ہیں اور یہ اشارہ ارسال میں نہ تھا اس لئے بجائے ارسال کے فتح لایا گیا اور بجائے غلق کے امساک

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ جس قدر کمال قدرت نفی ممسک سے ظاہر ہوتا ہے اس قدر نفی غالق سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ غلق خاص ہے اور امساک عام اور نفی عام تو نفی خاص کو مستلزم ہے مگر نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں اور جملہ ثانیہ میں لفظ امساک بجائے غلق کے اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کرم پر کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق سبحانہ جب کسی پر انعام نہیں کرتے تو یہ اس کا بند کرنا نہیں ہوتا کہ نہر جاری نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے عارضی طور پر روک لینا ہوتا ہے اور زوال عارض کے بعد پھر اس کا اجراء ہو جاتا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِن رحمة فلا غالق لها اس لئے نہیں کہا کہ اس میں گو کثرت جود کی طرف اشارہ ہے مگر اس سے کمال قدرت کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ نفی غالق کے لئے نفی ممسک لازم نہیں اور ما يرسل الله للناس من رحمة فلا ممسك لها اس واسطے نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے مگر اس سے کمال جود مفہوم نہیں ہوتا اور ما يرسل الله للناس من رحمة فلا غالق اس واسطے نہیں فرمایا کہ نہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے اور نہ کمال جود کی طرف اشارہ اور ما يغلق فلا فاتح له اس واسطے نہیں فرمایا کہ حق سبحانہ کی طرف سے غلق رحمت نہیں ہوتا بلکہ فقط امساک ہوتا ہے جو کہ ادنی ہے غلق سے نیز اس میں کمال قدرت پر بھی دلالت نہیں ہے کیونکہ نفی فاتح مستلزم نفی مرسل نہیں ہے

ما يغلق فلا مرسل له اس واسطے نہیں نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت پر دلالت ہے مگر حق سبحانہ غلق رحمت نہیں فرماتے اور ما يمسك فلا فاتح له اس واسطے نہیں فرمایا فرمایا کہ اس میں کمال قدرت پر دلالت نہیں ہے۔ اس تفصیل کے بعد آیت کا حاصل یہ نکلا کہ حق سبحانہ جب کسی پر کوئی عنایت کرتے ہیں تو بیدریغ کرتے ہیں اور خود ان کی طرف سے کوئی روک نہیں ہوتی اور جس کسی پر وہ عنایت کرتے ہیں اس کا کوئی بند کرنے والا تو درکنار روکنے والا

بھی نہیں ہوتا اور جس پر وہ رحمت نہیں کرتے تو وہ اس کو بند نہیں کرتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روک لیتے ہیں اور اگر وہ عارض زائل ہو جاوے تو پھر جاری فرما دیتے ہیں اس سے اہل سلوک کو خاص طور پر سبق لینا چاہتے اور اگر کسی وقت احوال و مواجید اور ذوق شوق میں کمی آجاوے یا وہ بند ہو جاویں تو مایوس نہ ہوں کیونکہ حق سبحانہ نہایت کریم ہیں اس لئے کسی نعمت کو خود نہیں روکتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روکتے ہیں اور عارض کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی غیر معصیت پس اگر معصیت ہو تو اس کا توبہ واستغفار سے تدارک کرنا چاہیئے حق سبحانہ پھر اس کو جاری فرمادیں گے اور غیر معصیت ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ روکنا کسی خاص مصلحت سے ہے اور مفید ہے نہ کہ مضر اس لئے اس کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے اور پریشان نہ ہونا چاہیئے کیوں حق تعالیٰ حکیم ہے یا نہیں۔

حق تعالیٰ شانہ کے ہر امر میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے

چنانچہ اسی آیت میں وھو العزیز الحکیم فرمایا ہے اسی لئے ان کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتدا میں جب کہ جوش زیادہ تھا ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ حق سبحانہ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم بھی ہیں پھر ان باتوں کے ہوتے ہوتے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومیؒ سے مشورہ لو یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے ہی صفحہ پر اشعار نکلے جن میں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کئے تھے اور پانچواں مقدمہ اور تھا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہ ہونے کی سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ

یہ ہیں ۔

چارہ میجوید پئے من درد تو	می شنودم دوش آہ سرد تو
می توانم ہم کہ بے ایں انتظار	رہ نمایم داد ہم راہ گزار
تا ازیں طوفاں دوراں وارہی	برسر گنج وصالم پانہی ۔
لیک شیرینی ولذات مقر	ہست بر اندازۂ رنج سفر
آنگہ از فرزند و خویشاں برخوری	کز غریبی رنج محنتہا بری

حاصل اشعار یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ تمہاری درد عشق میرے وصال کی تدبیر کا طالب ہے (اس میں میرا مقدمہ اولی تسلیم کیا ہے) اور میں کل رات تمہاری آہ سرد کو سنتا بھی تھا (اس میں میرے مقدمہ ثانیہ کو مانا گیا ہے) اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ تم کو اپنے وصال کی طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لئے رستہ دے دوں تاکہ تم گردش کے طوفان سے نجات پا جاؤ اور میرے گنج وصال پر پہنچ جاؤ (اس میں میرے مقدمہ ثالثہ کو تصریحًا اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے) لیکن کسی قدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہے کہ گھر کا مزہ اور اس کی لذت اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف اٹھائی ہو اور تم کو اپنے بال بچوں اور عزیزو اقارب سے ملکر لطف تام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اٹھانی پڑی   اس مضمون میں ایک مقدمہ خامسہ بتلایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے ہیں ۔ اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمہیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمہیں اس کی قدر ہو واقعی بات یہ ہے کہ جو راحت بہت سی تکالیف کے بعد حاصل ہوتی ہے اس میں نہایت ہی لطف آتا ہے ۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے مولوی ناظر حسن کی بارات میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا (پہلے تو میں بارات میں شریک ہو جاتا تھا اب شریک ہونا چھوڑ دیا ہے) بارات دیر میں رخصت ہوئی اور راستہ ہی میں رات ہو گئی مینہ اور آندھی رعد و برق کے ساتھ جو آئی لوگ اپنی اپنی گاڑیاں اڑا

لے گئے ہماری گاڑی بھی اکیلی رہ گئی غرض بے حد تکلیف ہوئی الحمد للہ کرکے تھانہ بھون آیا جب میں گھر پہنچا ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت مجھے کس قدر لطف آیا ہے اور کس قدر راحت حاصل ہوئی ہے اسی پر ان سالکین کی حالت کو قیاس کر لینا چاہئے جو بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے بعد مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اب ایک بات اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے ۔ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ من بعدہ میں مضاف محذوف ہے اے من بعد امساکہ ۔ چونکہ مضاف بلا ذکر بھی سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کو حذف کر دیا گیا غرضکہ قرآن میں لفظی اور معنوی دقائق و محاسن بے انتہا ہیں مگر جس قدر ان کو اہل زبان سمجھ سکتے ہیں غیر اہل زبان نہیں سمجھ سکتے ایک شاعر کا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی محنت اور دماغ سوزی کے بعد ایک شعر کہا اور اس پر بہت خوش ہوا شعر یہ تھا ؎

سیہ چوری بدست آں نگاری نازنین دیدم ؛ بشاخ صندلیں پیچیدہ مار آتشیں دیدم

اور بہت فخر کے ساتھ ایک اہل زبان شاعر کو سنایا۔ اس نے سنتے ہی ناک چڑھائی اور بجائے اس کے کہ تعریف کرتا یہ کہا کہ تم نے شعر کا ناس کر دیا۔ نازنین دیدم آتشیں دیدم کیا کہو ؎

سیہ چوری بدست آں نگارے ؛ بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

اس اصلاح نے شعر کو کہیں پہنچا دیا۔ واقعی زبان کا لطف اہل زبان ہی کو حاصل ہوتا ہے غیر اہل زبان کو وہ لطف نہیں آتا ۔

خاتمہ بر دعائے خیر

اچھا اب دعا کرو مولانا رومی کے لئے اور وعظ لکھنے والوں کے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی اور شارحوں کے لئے بھی کہ خداوند تعالیٰ ہر غلطی سے بچائیں۔ آمین ۔